اردو / اردو

جَوامع الكلِم

مؤلف :

راشِد بن محمّد بن فَطيس الهاجِري

ترجمہ:

مجموعة الأندلس برائے اسلامی ترجمہ

معهد جامع عيسى بن سلمان

للدراسات الإسلامية

جَوامعُ الکلِم

جَوامعُ الكلِمِ

رحمتِ الٰہی کا امیدوار
راشِد بن مُحمَّدِ بْنِ فَطِيسٍ الهاجِرِي
(اللہ ان کی اور ان کے والدین کی مغفرت فرمائے)

ترجمہ:
مجموعة الأندلس برائے اسلامی ترجمہ

العنوان: جوامع الکلم
مؤلف: راشِد بن مُحمَّدِ بُنِ فَطِيسٍ الهاجِرِی
ترجمہ: محمد عیسی
مراجعہ: ابو نجار الازھری
پروف ریڈر: محمد راغب
زیر نگرانی الاندلس گروپ برائے اسلامی ترجمہ
www.alandalusgroup.org

حقوقِ طبع محفوظ ہیں

* * *

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين وبعد:

اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد ﷺ کو ایسے عطیات اور نعمتیں عطا کی ہیں جو آپ ﷺ کے مرتبے کی شایان شان ہیں، اور آپ ﷺ کو سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت عطا کی، اسی لئے اللہ نے آپ ﷺ کو زبان و بیان میں حکمت بالغہ عطا کی۔ رسول اللہ ﷺ کا کلام موجز ہوتا تھا؛ جس کے الفاظ تھوڑے اور معانی بہت زیادہ ہوتے تھے، یہ اللہ کی طرف سے نصرت وتائید تھی ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ ﴿٣﴾ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ ﴾[النجم: ٤-٣]

ترجمہ: «اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے»۔

رسول اللہ ﷺ نے اس فضل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمِ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ»

ترجمہ: مجھے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جامع کلام کرنے کا ملکہ دیا گیا ہے (۲) رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی (۳) مالِ غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا ہے (۴) روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنادیا گیا ہے (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے (۶) اور مجھ پرنبیوں کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے۔

جامع کلمات کے ساتھ مبعوث ہونے کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا»۔ جوامع الکلم کی تفسیر کرتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جوامع الکلم کی تعریف جو مجھ تک پہنچی وہ یہ ہے کہ پہلی کتابوں میں جو بہت سے امور بیان کئے گئے تھے انہیں اللہ تعالی آپ ﷺ کے لئے ایک یا دو باتوں میں جمع کر دیتا ہے۔

آثاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قَلَّت مَدائِحُ خَلقِ الله قاطِبَةً ... إِلَّا مَدائِحَهُ جَلَّت مِنَ الْعِظَمِ!
كَلامُهُ جامِعُ الخَيراتِ كَيفَ وَقَدْ ... أُوتِي جَوامعَ فَضلِ الله فِي الْكَلِمِ!
يُصَرِّفُ القَولَ بِالمَعروفِ مِنهُ كَما ... يُؤَلِّفُ اللَّفْظَ وَالمَعْنَى مِنَ الحِكَمِ
لَفظُ الكِتابِ وَلَفظُ الشَّارِعِ ائْتَلَفَا ... كَالشَّمْسِ وَالْبَدرِ فِي صُبْحٍ وَفِي ظُلَمِ
يَدعُو إِلَى الخَيرِ بِالتَّكْرارِ أُمَّتَهُ ... وَيَأْمُرُ الْأَهْلَ بِالمَعروفِ وَالهِمَمِ
الجُودُ وَالحُسنُ وَالخَيْرَاتُ قَدْ جُمِعَتْ ... فِيهِ مَعَ اللُّطْفِ وَالْإِحْسَانِ وَالهِمَمِ
وَقَدْ تَقَسَّمَ فِيهِ الْفَضلُ أَجْمَعُهُ ... ذَاتًا وَمَعْنًى وَأَفْعَالًا مَعَ الْكَلِمِ!

ترجمہ: اگر تمام مخلوق کی تعریفیں جمع کی جائیں تو کم پڑ جائیں کیوں کہ آپ کی تعریف بہت بلند و برتر ہے۔ آپ کا کلام تمام بھلائیوں کو جمع کرنے والا ہے، کیوں کر نہ ہو جب کہ اللہ تعالی نے آپ کو جوامع الکلم سے نوازا ہے۔ آپ بھلی باتیں کیا کرتے ہیں، نیز لفظ اور معنی حکمت سے پُر ہوا کرتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ اور آپ ﷺ کے الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے صبح کے وقت سورج اور رات کے وقت چودھویں کا چاند ہو۔ وہ اپنی امت کو بار بار خیر کی دعوت دیتے ہیں، اور لوگوں کو بھلائیوں اور حوصلہ بلند رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ نرمی، احسان اور ہمت کے ساتھ ساتھ سخاوت، حسن اور بھلائی آپ ﷺ میں جمع ہیں تمام کی تمام فضیلتیں آپ ﷺ کے ظاہر وباطن اور آپ ﷺ کے افعال اور کلام میں منقسم ہیں۔

توفیقِ الٰہی سے میں نے آپ ﷺ کے تیس جوامع الکلم کا انتخاب کیا ہے، اور انتخاب میں بڑے اہتمام سے کام لیا ہے، تاکہ خطبات کے لئے موزوں علمی مواد اکٹھا ہوجائے، اور ہر جمعہ کے خطبے میں ایک حدیث پر روشنی ڈالی جائے۔ اللہ کے فضل سے میرا یہ کام اختتام کو پہنچ گیا، اور میں نے یہ خطبات امیر مرحوم شیخ عیسی بن سلمان آل خلیفہ کی مسجد بمقام شہر رفاع، مملکت بحرین میں سنہ۱۴۳۷ہجری کو ایک سال کی مدت میں پورا کیا۔

اُس وقت خدائے واحد کی مدد سے میں یہ خطبات، میری نظر سے گذرنے والے مقالات، خطبات اور کتابوں کی مدد سے اپنے حافظے کی بنیاد پر زبانی دیا کرتا

تھا، تو بعض لوگوں نے مجھے ان خطبات کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کو کہا تاکہ ان تک رسائی اور استفادہ بآسانی ہوسکے۔

لہذا میں ان جوامع الکلم کے خطبات کا مجموعہ پیش کررہا ہوں اور خدا وندِ قدوس سے دعاء گو ہوں کہ لکھنے اور پڑھنے والوں کو اس سے فائدہ پہنچائے اور میرے اور میرے والدین کے لیے اسے صدقہ جاریہ بنائے اور اس کا ثواب دونوں جہاں میں ہمیں عطا فرمائے۔

از رحمتِ الٰہی کا امیدوار:

راشد بن محمد بن فطیس الہاجری

مغربی رفاع – مملکت بحرین

۱۴۳۹ھ _ ۲۰۱۸ء

(۱)

مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ

اے اللہ کے بندو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت آپ کی عظمت کا جیتا جاگتا مظہر اور آپ کے نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم واضح زبان والے، سیدھی بات والے، حکمت بالغہ والے، سچی بات کہنے والے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے معجزات کے حامل ہیں۔ اللہ تعالی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ ﴾[النجم: ٤-٣]

ترجمہ: «اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے»۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی تعریف کرتے ہوئے فرمایا-جیسا کہ صحیح بخاری میں منقول ہے-: «بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الكَلِمِ»[۱]، ترجمہ: مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء پر اپنی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد

---

(۱) بخاری (۷۰۱۳)۔

فرمایا- جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت ہے-:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ-----»

ترجمہ: مجھے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی: (ا) مجھے جامع کلام کرنے کا ملکہ دیا گیا ہے، پھر باقی چیزوں کو آپ نے شمار کیا۔[۲]

نبی کریم ﷺ کو عطا کی جانے والی فضیلتوں میں سے ایک «جوامع الکلم» ہیں۔ امام بخاری «جَوامِع الکلِم» کے معنی کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«وبلَغَني أن جوامعَ الكلِمِ: أن اللهَ يَجمعُ الأمورَ الكثيرةَ، الَّتي كانت تُكتَبُ في الكُتبِ قبلَه، في الأمرِ الواحدِأوالأَمْرَيْنِ»

ترجمہ: پہلی کتابوں میں جو بہت سے امور بیان کئے گئے تھے انہیں اللہ تعالی آپ ﷺ کے لئے ایک یا دو باتوں میں جمع کر دیتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ ایک جملہ کہتے اور اس کے تحت بہت سارے مسائل، احکام، ہدایات، سبق اور عبرت کی باتیں ہوتی تھیں۔

ان شاء اللہ، آج ہم جوامع الکلم کے ایک جملہ پر بات کریں گے اور پھر آنے والے ہر جمعے میں اسی طرح ایک ایک جملے پر بات کرتے رہیں گے۔

اس خطبہ میں ہمارا موضوع وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں منقول ہے، حضرت

---

(۲) مسلم (۵۲۳)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ»(۳)

ترجمہ: جو اعمالِ صالحہ میں سست رہا تو اس کا نسب اسے کچھ کام نہیں آئے گا۔

دیکھنے میں یہ چھوٹا سا جملہ ہے مگر جب اس کے معنی میں غور کریں، تو بہت بڑا بن جاتا ہے۔

اس میں بہت سے فوائد ہیں:

فائدہ اول:

سارے کے سارے لوگ اپنے اپنے راستے اللہ رب العزت کی طرف رواں دواں ہیں، اپنے اس سفر میں کچھ نے نیک عمل کو اپنی سواری بنایا ہے تو کچھ دیگر نے حسب و نسب کو۔

بہرحال جنہوں نے نیک عمل کو اپنی سواری بنایا ہے تو وہ خیر کی طرف گامزن ہیں، اور جس نے نیک عمل کے علاوہ حسب و نسب کو اپنی سواری بنایا ہے تو وہ شر اور برائی کی طرف جا رہا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو مالک اشعری سے مروی ہے ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو**» یعنی سارے لوگ چل رہے ہیں ،

---

(۳) مسلم (۲۶۹۹)۔

«فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا»(٤)

ترجمہ: کسی نے اللہ تعالی کے ساتھ اپنے نفس کا سودا کرکے اسے عذاب سے آزاد کرا لیا ہے، اور کسی نے اسے عذاب میں ڈال دیا ہے

ہر شخص چل رہا ہے، تو- اے اللہ کے بندے- اپنی سواری کو دیکھو، آیا وہ نیک عمل ہے یا پھر حسب و نسب۔

فائدہ دوم:

اللہ تعالی نے لوگوں کو پیدا فرمایا اور انہیں مختلف حسب و نسب، مختلف خاندان اور نسلوں سے بنایا، انہیں اس شکل و ہیئت کے ساتھ بنایا تاکہ وہ ایک دوسرے سے الفت و محبت رکھیں نہ کہ نفرت، تاکہ وہ رحم کا معاملہ کریں نہ کہ بغض و عداوت کا، تاکہ وہ اپنے درمیان اتفاق و اتحاد کی فضاء رائج کریں نہ کہ اختلاف کی، تاکہ وہ ایک دوسروے کو جانیں نہ کہ فرقہ بندی کریں۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ١٣﴾[الحجرات: ١٣]

ترجمہ: اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم

(۴) مسلم (۲۲۳)۔

کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان کر سکو۔ در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔

فائدہ سوم:

دینِ اسلام میں طرفداری ، تعصب، اور فرقہ واریت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنذِرۡ عَشِيرَتَكَ ٱلۡأَقۡرَبِينَ ﴿٢١٤﴾﴾[الشعراء: ٢١٤]

ترجمہ: اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللهِ»

ترجمہ: اے قریش کے لوگو! اپنی جانوں کا اللہ سے سودا کرلو، یعنی: اِنہیں اللہ کو بیچ ڈالو، اور ان کی قیمت جنت ہے۔

ارشاد فرمایا: «يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللهِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ

لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللهِﷺ سَلِينِي بِمَا شِئْتِ»
يعني: في الدنيا«لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا»(٥)

ترجمہ : اے قریش کی جماعت! تم! اپنی جانوں کو اللہ سے (اس کی اطاعت کے بدلے) خرید لو، میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے کچھ بھی نجات نہیں دلا سکتا، اے صفیہ! (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی) میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا، اے فاطمہ بنت محمد! تمہیں جو کچھ بھی مانگنا ہو مانگ لو، لیکن (یہ جان لو کہ) میں اللہ کے پاس تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، کیوں کہ اس دین میں طرفداری کا پہلو نہیں ہے۔

فائدہ چہارم:

بے شک قابلِ مدح و ثناء وہی ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول مدح و تعریف کریں، لہذا جس کی اللہ مدح و تعریف کرے وہ قابلِ مدح و ثناء ہے، اور جس کی اللہ اور اس کے رسول مذمت کریں وہ مذموم ہے۔

مسند احمد میں ابو نضرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ

(٥) مسلم (٢٠٦)، وبخاري (٣٥٢٧)۔

عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى، أَبَلَّغْتُ؟ قالوا: بلَّغ رسولُ اللهِ ﷺ»(٦)

ترجمہ: اے لوگو! سن لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقوی کی بنیاد پر، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ تو صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول نے پہنچادیا۔

ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی میں ایک بڑی پتے کی بات کہا، وہ فرماتے ہیں: مذکورہ بالا حدیث کے مضمون کے پیشِ نظر قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس میں نسب کی بنیاد پر کسی کی تعریف یا برائی کی گئی ہو، ہاں ایمان اور تقوی کی بنیاد پر تعریف کی گئی ہے، اور کفر، فسق اور نافرمانیوں کی بنیاد پر مذمت کی گئی ہے۔(٧)

علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنی کسی کتاب میں ایک جگہ فرمایا کہ: قرآن و حدیث میں پسندیدہ صفات جیسے اسلام، ایمان، نیکی، تقوی، علم، نیک عمل، احسان وغیرہ کی وجہ سے فضیلت ہے، محض عربی ہونے یا عجمی ہونے، گورے ہونے یا کالے ہونے، شہری ہونے یا دیہاتی ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔(٨)

---

(٦) احمد (٥/٤١١)۔

(٧) مجموع الفتاوی (٣٥/٢٣٠)۔

(٨) اقتضاء الصراط المستقیم (١/٤١٥)۔

اس فائدہ کا خلاصہ حضرت عمر کی زبانی کچھ یوں ہے: بخدا اگر عجمی (نیک) عمل لائیں اور ہم بغیر عمل کے آئیں تو وہ قیامت کے دن ہمارے نبی محمد ﷺ کے زیادہ قریب ہوں گے۔[۹]

فائدہ پنجم:

اس دین کی وجہ سے لوگ شان و شوکت پاتے ہیں، اور اس کے بغیر انہیں کوئی حیثیت نصیب نہیں ہوتی۔

ایک جلیل القدر عالم، امام مالک اور اوزاعی وغیرہ جیسے لوگوں کے استاذ امام ابن شہاب زہری امیر المومنین عبد الملک بن مروان کے پاس گئے اور اس نے ان سے پوچھا: «اے زہری! کہاں سے آئے ہو؟ تو انہوں نے کہا: مکہ سے، اس نے پوچھا: اپنے پیچھے مکہ والوں کی حکمرانی کے لیے کس کو چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے کہا: عطاء بن ابی رباح، اس نے پوچھا: عربی ہے یا غلام؟"۔

ذرا امیر المومنین کو دیکھو کیسے سوال کر رہا ہے، نہ تو علم کے بارے میں سوال کیا اور نہ ہی ان کے تقوی و دین داری کے بارے میں، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: کس چیز سے حکمرانی کرتا ہے؟ جواب دیا: دیانت اور روایت سے، تو امیر المومنین نے کہا: دیانت و روایت والوں کو تو حاکم بنانا ہی چاہیئے، اچھا اہل یمن پر کون حکمرانی کرتا

(۹) الطبقات الکبریٰ (۳/۲۹۶)۔

ہے؟ انہوں نے جواب دیا: طاوس بن کیسان، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: اہل مصر پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یزید بن حبیب، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: اہل شام پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: مکحول، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، یہ ایک غلام تھا جسے ایک عورت نے ہذیل سے خرید کر آزاد کردیا تھا، اس نے پوچھا: اہل جزیرہ پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میمون بن مہران، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: اہل خراسان پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ضحاک بن مزاحم، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: اہل بصرہ پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: حسن بن ابو الحسن، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: تیرا بھلا ہو، اچھا اہل کوفہ پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ابراہیم نخعی، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے جواب دیا: عرب میں سے، اس نے کہا: اے زہری! اب جا کر مجھے آرام ملا۔

امام زہری نے ایک ایسی عمدہ بات کہی ہے، جو میرے سارے مضمون کا خلاصہ ہے۔ اگر ہم صرف اسی بات کو ذہن نشین کرکے اس مجلس سے باہر نکلیں، تو یہ ہمارے لئے کافی ہے۔ انہوں نے کہا: اے امیر المومنین حکم اور دین تو اللہ کا ہے، اور جو اس کی پاسداری کرلے، وہی حاکم ہے اور جو اسے ضائع کردے وہ خائب و خاسر ہے۔[۱۰]

یہی دنیا اور دنیوی زندگی کا خلاصہ ہے، جسے حکمرانی، عزت، بلندی اور غلبہ چاہیئے، وہ اس دین کی حفاظت میں لگ جائے، ورنہ اس دین کو ضائع کرنے والے ہر شخص کے لئے خسارہ لازمی نتیجہ ہوگا۔

لعَمْرُكَ ما الإنسانُ إلَّا بدِينِهِ　　فَلا تَتْرُكِ التَّقْوَى وتَتَّكِلْ على النسَبْ
لَقَدْ رَفَعَ الإِسْلامُ سَلمانَ فارِسٍ　　وقَدْوضَعَ الشِّرْكُ الشَّقيَّ أَبالَهَبْ[۱۱]

ترجمہ: تیری عمر کی قسم! انسان اپنے دین کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے، لہذا تقوی کو چھوڑ کر نسب پر بھروسہ نہ کرنا، سلمان فارسی کو اسلام نے عزت بخشی اور شرک نے ابو لہب کو ذلیل و خوار کیا۔

(۱۰) تاریخ دمشق (۴۰/۳۹۴)، تہذیب الکمال (۲۰/۸۲)، وسیر اعلام النبلاء (۵/۸۵)۔

(۱۱) محاضرات الادباء (۱/۴۱۴) وتاریخ دمشق (۲۱/۴۲۶) ومطلع الانوار ونزہۃ البصائر والابصار (ص:۲۳۰)۔

(۲)

مَا نقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ

اے اللہ کے بندو! آج میری تقریر کا عنوان وہ دوسرا جملہ ہے جسے اس نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اپنی خواہش سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ»(۱۲)

ترجمہ: بندہ کا مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا۔ یہ کلمات تو تھوڑے ہیں مگر اس کے معانی بہت عظیم ہیں۔

جب بھی کوئی بندہ اپنے مال سے صدقہ نکالتا ہے تو اللہ کے ہاں یہ کم نہیں ہوتا ہے، نہ تو دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔

ہاں، ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ» یعنی بندہ کا مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا، سبب یہ ہے کہ تم -اے اللہ کے بندے- جب کبھی صدقہ کرتے ہو تو تمہارے دنیوی اکاؤنٹ سے نکل کر وہ آخرت کے اکاؤنٹ میں چلا جاتا ہے، دونوں اکاؤنٹ

---

(۱۲) ترمذی (۲۳۲۵)۔

تمہارے ہی ہیں اور دونوں رجسٹر تمہارے نام سے ہیں، اسی کا نام فقہ الحدیث ہے۔

جب بھی کوئی مسلمان صدقہ کرتا ہے، تو وہ اپنے مال کو اِس [دنیوی] اکاؤنٹ سے نکال کر اُس اخروی اکاؤنٹ میں جمع کرواتا ہے، اسی لئے اس کے مال میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

سلف صالحین نے یہی مفہوم سمجھا اور انہوں نے صحیح سمجھا؛ کیوں کہ جب تم میں سے کوئی فقیر کو آتا ہوا دیکھتا ہے تو کہتا ہے: خوش آمدید جو ہمارے مال کو دنیا سے لے کر آخرت کے لیے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، تو یہی تو ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ کی طرف منتقل کرنا ہے۔

لیکن قرآن و سنت میں غور کرنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں اس کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے بلکہ حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ صدقہ سے مال زیادہ ہوتا ہے، حق سبحانہ فرماتا ہے:

﴿مَّن ذَا ٱلَّذِي يُقۡرِضُ ٱللَّهَ قَرۡضًا حَسَنٗا فَيُضَٰعِفَهُۥ لَهُۥٓ أَضۡعَافٗا كَثِيرَةٗۚ وَٱللَّهُ يَقۡبِضُ وَيَبۡصُۜطُ وَإِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ﴾[البقرة: ٢٤٥]

ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے، تاکہ وہ اسے اس کے لئے کئی گنا بڑھا دے؟ اور اللہ ہی تنگی پیدا کرتا ہے اور وہی وسعت دیتا ہے، اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹایا جائے گا۔

سورہ بقرہ میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿مَّثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِى كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّاْئَةُ حَبَّةٍ ۗ وَٱللَّهُ يُضَٰعِفُ لِمَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾﴾ [البقرة: ٢٦١]

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے (اور) ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ جس کیلئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا (اور) بڑے علم والا ہے۔

اسی سورہ میں تیسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا تُنفِقُوا۟ مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾﴾ [البقرة: ٢٧٢]

ترجمہ:اور جو مال بھی تم خرچ کروگے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

چوتھی جگہ سورہ سبا میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن شَىْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُۥ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ﴾ [سبأ: ٣٩]

ترجمہ: اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، وہ اس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

نبی ﷺ صادق و مصدوق نے سچ ہی کہا: **«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ»**

ترجمہ: بندے کا مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا۔

مال کم بھی کیسے ہو! بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ العِبَادُ فِيهِ»

ترجمہ: کوئی بھی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں بندہ صبح کرے(سال بھر ہر دن) **« إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الآخَرُ: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»**(۱۳)

ترجمہ: مگر دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ دے اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روکنے والے کو برباد کردے۔

سنن ترمذی میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ نبی کے اہل بیت بکری کا گوشت تقسیم کر رہے تھے- یعنی وہ بکری ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کر رہے تھے اتنے میں نبی کریم ﷺ نے آکر عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: بانٹنے اور صدقہ کرنے کے بعد کچھ بچا بھی؟ تو انہوں نے کہا: صرف کاندھا بچا ہے- انہوں نے نبی ﷺ کے لیے اسے بچا لیا تھا کیوں کہ آپ کو کاندھا بہت پسند تھا- تو آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱۳) بخاری (۱۴۴۲)، ومسلم (۱۰۱۰)۔

«بَقِيَ كُلُّهَاغَيْرَ كَتِفِهَا»(١٤)

ترجمہ: کندھے کے علاوہ سب کچھ بچ گیا۔

نبی ﷺ نے صدقے کا یہی مفہوم سمجھا اور سمجھایا ہے کہ جو چلا گیا وہی باقی رہے گا، اور جو ہم کھا پی کر یا پہن کر اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں وہ فنا ہو جاتا ہے، اور جو ہم ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں وہ وارثوں کا مال ہے، اور جو مال ہم صدقہ کر دیتے ہیں، وہی باقی رہے گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

«بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا»

ترجمہ: کاندھے کے علاوہ سبھی بچ گیا۔

صحیح مسلم میں ابن مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تیار اونٹنی لے کر آیا اور کہا: یا رسول اللہ! اسے اللہ کے راستہ میں خرچ کردیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِئَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ»(١٥)

ترجمہ: قیامت کے دن تمہیں اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ملیں گی وہ سب کی سب تیار ہوں گی۔

(۱۴) احمد (۶/۵۰)، و ترمذی (۲۴۷۰)۔

(۱۵) مسلم (۱۸۹۲)۔

جب یہ شخص اس اونٹنی کو اپنی ملکیت والے ریوڑ میں سے نکال دیا، تو اس ریوڑ میں سے ایک عدد اونٹ کم ہو گیا، وہ یہ دیکھ رہا کہ سو کم ہوگئے، یہ دیکھ رہا کہ دس کم ہو گئے، لیکن ہمارے نبی ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں: کچھ کم نہیں ہوا۔ «**لَكَ بِهَا يَوْمَ القِيَامَةِ سَبْعُ مِئَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ**» ترجمہ: قیامت کے دن تمہیں اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ملیں گی، جو سب کی سب تیار ہوں گی۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث قدسی میں ہمارا پروردگار فرماتا ہے:

«**يَا ابْنَ آدَمَ أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ**»[١٦]

ترجمہ: اے ابنِ آدم! تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

بیہقی نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«**مَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ لِصَدَقَةٍ أَوْ صِلَةٍ إِلَّا زَادَهُ اللهُ بِهَا كَثْرَةً**»[١٧]

ترجمہ: کوئی شخص صدقہ یا صلہ رحمی کے لیے عطیہ کا جب بھی دروازہ کھولتا ہے، تو اللہ اسے خوب بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں۔

طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی

---

(١٦) بخاری (٤٦٨٤)، ومسلم (٩٩٣)۔

(١٧) شعب الایمان (٣١٤٠) و احمد (٢/٤٣٦)۔

اللہ عنہ کے پاس کھجور کا ڈھیر دیکھا، تو پوچھا: یہ کیا ہے، اے بلال؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے یہ تھوڑی سی کھجوریں آپ ﷺ کے لیے جمع کرر کھی ہیں، مگر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَنْفِقْ بِلَالُ، وَلَاتَخْشَ مِنْ ذِي العَرْشِ إِقْلَالًا» (١٨)

ترجمہ: اے بلال خرچ کرو اور عرش والے پروردگار کی طرف سے کمی کا خوف مت رکھو۔

جب مسلمان کے دل میں یہ مفہوم واضح ہوجائے گا، تو اس کے اندر خرچ کرنے کا جذبہ زیادہ ہوجائے گا، اور اس کو اللہ کے نزدیک صدقہ کی قدر معلوم ہوجائی گی کہ اس کی شان کتنی عظیم ہے، امام حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

«ذُكِرَ لِي أَنَّ الأَعْمَالَ تتبَاهَى» الصلاةُ، الصيامُ، الصدَقةُ «فَتَقُولُ الصَّدَقَةُ: أَنَا أَفْضَلُكُمْ» (١٩)

ترجمہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ اعمال آپس میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے، جن میں نماز ہوگی، روزہ ہوگا، صدقہ ہوگا، تو صدقہ کہے گا: میں تم میں سب سے افضل ہوں۔

---

(١٨) المعجم الکبیر (١/٣٤٢، ١٠٢٥)، و شعب الایمان (١٢٨٣)۔

(١٩) صحیح ابن خزیمہ (٢٤٣٣)، و مستدرک حاکم (١/٤١٦)۔

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اليَدُ العُلْيَا خَيْرٌ مِنَ اليَدِ السُّفْلَى، وَ اليَدُ العُلْيَا المُنْفِقَةُ، وَاليَدُ السُّفْلَى السَّائِلَةُ»(۲۰)

ترجمہ: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔

ہاں، صدقہ کی شان ہی عظیم ہے ، نبی ﷺ سے اس کے متعلق بہت سے آثار منقول ہیں، ان آثار میں سب سے زیادہ عظمت والی بات یہ ہے کہ: صدقہ گناہوں کو مٹانے اور غلطیوں کو دھونے کا بڑا ذریعہ ہے۔

اے اللہ کے بندو! کیا تم نے ارشاد خداوندی نہیں پڑھا:

﴿إِن تُبْدُوا۟ ٱلصَّدَقَٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا ٱلْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّـَٔاتِكُمْ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [البقرة: ۲۷۱]

ترجمہ: اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تب بھی اچھا ہے اور اگر ان کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور (صدقہ کی برکت سے) تم سے تمہارے بعض گناہمٹا دے گا؛ اور اللہ تمہارے کاموں سے پوری طرح با خبر ہے۔

---

(۲۰) بخاری (۱۴۲۹)، ومسلم (۱۰۳۳)۔

سنن ترمذی میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ المَاءُ النَّارَ»(۲۱)

ترجمہ: صدقہ گناہوں کو ایسے بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو۔

صدقہ کی عظمتِ شان کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ وہ صدقہ کرنے والے کے ساتھ اس کی قبر میں بھی جائے گا، اور قیامت کے دن اس کے سر پر سایہ فگن ہو گا۔ طبرانی نے اپنی کتاب المعجم الکبیر میں عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے ، اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صدقہ چاہے کم ہو یا زیادہ ، نبی کریم ﷺ کی اس عظیم وعدے کو دیکھو، آپ فرماتے ہیں:

«وَإِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ عَنْ أَهْلِهَا حَرَّ القُبُورِ، وَإِنَّمَا يَسْتَظِلُّ المُؤْمِنُ يَوْمَ القِيَامَةِ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ»(۲۲) ترجمہ: صدقہ کرنے والے سے صدقہ قبر کی گرمی کو بجھا دیتا ہے، اور قیامت کے دن مومن بندہ اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا۔

صدقہ تمام کاموں میں آسانی پیدا کرنے کی کنجی ہے، جب تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو صدقہ کرو اور اس فرمان خداوندی کو یاد کرو:

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝٥ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝٧ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝٨ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝٩ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝١٠﴾[اللیل: ۱۰-۵]

(۲۱) احمد (۵/۲۴۸)، و ترمذی (۲۶۱۶)، وابن ماجہ (۳۹۷۳)۔

(۲۲) المعجم الکبیر (۱۷/۲۸۶، ۷۸۸)۔

ترجمہ: تو جس نے (خدا کے رستے میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی، اور نیک بات کو سچ جانا، اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے، اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا، اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا، اسے سختی میں پہنچائیں گے۔{اللیل: ۵-۱۰ }

آسانی پیدا کرنے والے دروازوں میں سے ایک دروازہ صدقہ ہے جو اللہ کے بندے کرتے ہیں۔

تو پھر ہمارے نبی نے سچ ہی کہا:

«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ»

ترجمہ: صدقہ سے بندے کا مال کم نہیں ہوتا۔

ابن قیم نے اپنی کتاب (الوابل الصیب) کے باب الصدقہ میں کتنی خوبصورت بات کہی ہے، وہ صدقہ کے عظیم فوائد شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں: بلاؤں کو ٹالنے میں صدقہ کی عجیب تاثیر ہے، چاہے وہ فاجر یا ظالم نے ہی کیا ہو، بلکہ اگرچہ وہ کافر نے ہی کیوں نہ کیا ہو، اللہ تعالی اس سے بہت سی اقسام کی بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔(۲۳)

جس وقت انسان صدقہ کرتا ہے چاہے وہ فاجر ہو یا ظالم ہو یا کافر ہو، دنیوی بلاء اس سے اس صدقہ کے بقدر ہٹا دی جاتی ہے۔ صدقہ کی یہ عظیم شان ہے۔

لیکن ایک بات رہ گئی۔، جب انسان قرآن و حدیث میں وارد ان نصوص

---

(۲۳) الوابل الصیب (ص:۳۱) ۔

کی تصدیق کرتے ہوئے ان پر ایمان لاتا ہے، تو اس کے دل میں پائے جانے والی تصدیق کے بقدر اس کا دل صدقہ وخیرات کی طرف مائل ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص کو اپنے لئے جمع ہونے والے ذخیرہ آخرت پر سچا یقین ہوگا، وہی شخص خوب صدقہ کرتا ہے۔(۲۴) تو جو شخص کتاب و سنت میں وارد نصوص پر ایمان رکھتا ہے وہ صدقہ خوب کرے گا، کیوں کہ وہ اللہ کی طرف سے بہترین بدلہ کا منتظر ہوتا ہے۔

---

(۲۴) روضۃ العقلاء (ص:۲۴۲) و مسند الشہاب (۳۶۶) و تذکرۃ الموضوعات (ص:۶۴)۔

(۳)

الدِّینُ النَّصیحۃُ

اے اللہ کے بندو! بھائی چارگی محبت کا تقاضہ کرتی ہے اور محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ محبوب کو نصیحت کی جائے، اور کسی کو نصیحت کرنے کی شان بڑی عظیم ہے۔ اور ہم نے جو بابرکت تقریری سلسلہ شروع کیا ہے اس کے ضمن میں یہی آج کا موضوع بحث ہے، یہ حدیث جوامع الکلم میں شمار ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ»

ترجمہ: دین سراسر خیر خواہی ہے۔

دیکھنے میں تو یہ دو ہی لفظ ہیں ، (مگر اس میں مخفی) سبق آموز باتیں، عبرت اور فوائد و احکام بہت زیادہ ہیں:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ» اصل میں یہ حدیث تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ نے ارشاد فرمایا:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ» دین سراسر خیر خواہی ہے، ہم نے پوچھا: کس کے لیے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«للهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ المُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»(٢٥)

ترجمہ: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، ائمہ مسلمین کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔

خیر خواہی ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«حَقُّ المُسْلِمِ عَلَى المُسْلِمِ سِتٌّ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطِسَ فَحَمِدَ اللهَ فَسَمِّتْهُ» أَيْ: شمِّته فقُلْ: يرحمُك اللهُ «وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتْبَعْهُ» (٢٦)

ترجمہ: مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں، جب تو اس سے ملے تو سلام کر، جب وہ تجھے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کر، جب تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر، جب اسے چھینک آئے تو اس کیلئے » یرحمک اللہ » کہہ، جب وہ بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کر، اور جب انتقال کرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔

اس حدیث میں ہمارے موضوع سے متعلق دلیل آپ ﷺ کا یہ جملہ ہے: «وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ»۔

---

(٢٥) مسلم (٥٥) ۔
(٢٦) مسلم (٢١٦٢) ۔

نصیحت اور خیر خواہی کی شان بھی بڑی نرالی ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ بعض صحابہ سے ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی پر بیعت لیتے تھے، صحیح بخاری میں حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے:

«بَایعتُ النبيَّ ﷺ علی إِقامِ الصلاۃِ، وإِیتاءِ الزکاۃِ، والنصحِ لکُلِّ مسلِمٍ»(۲۷)

ترجمہ: میں نے نبی کریم ﷺ سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی پر بیعت کی۔

پورے معاشرے میں امن و امان اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک اس میں نصیحت کار فرما نہ ہو، نصیحت کرنے والا نصیحت کرے اور جس کو نصیحت کی جائے وہ اسے قبول کرے، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: **«وَبَنو آدَمَ لا یَعیشونَ إِلَّا باجْتِماعِ بعضِهم إلی بعضٍ، وإذا اجتَمَعَ اثنانِ فصاعِدًا فلا بُدَّ لهم مِنِ ائْتِمارٍ بأمرٍ وتَناهٍ عن أمرٍ»**(۲۸)ترجمہ: بنی نوع انسان ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ہی زندگی گزارتے ہیں، جب دو یا دو سے زائد لوگ ایک ساتھ رہیں تو کسی بات کا حکم اور کسی بات سے پرہیز ضروری ہے، یعنی ان کے اندر خیر خواہی اور نصیحت کا ہونا بہت ضروری ہے۔

---

(۲۷) بخاری (۵۷)۔

(۲۸) مجموع الفتاوی (۲۸/۱۶۸)۔

نصیحت دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے کا نام ہے، ناصح دوسرے کے لیے خیر خواہی کرتا ہے اور اسے اسکا پتہ دیتا ہے، یہ انبیاء و مرسلین کا عمل ہے، جو بھی نبی آیا وہ اپنی قوم کا خیر خواہ رہا، اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی شان میں یوں فرماتا ہے:

﴿ أُبَلِّغُكُمْ رِسَٰلَٰتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [الأعـراف: ٦٢]

ترجمہ: میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتوں کا علم ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے:

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسَٰلَٰتِ رَبِّي وَأَنَا۠ لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴾[الأعراف: ٦٨]

ترجمہ: میں اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا دیانتدار خیر خواہ ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے:

﴿ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ ٱلنَّٰصِحِينَ ﴾[الأعراف: ٧٩]

ترجمہ: اس موقع پر صالح ان سے منہ موڑ کر چل دیئے اور کہنے لگے: اے

میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر (افسوس کہ) تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے ۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے:

﴿ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَٰلَٰتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ ءَاسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَٰفِرِينَ ﴿٩٣﴾ ﴾[الأعراف: ۹۳]

ترجمہ: چنانچہ وہ (یعنی شعیب علیہ السلام)ان سے منہ موڑ کر چل دیئے اور کہنے لگے: اے قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے اور تمہارا بھلا چاہا۔ (مگر) میں اس ناشکر قوم پر کیا افسوس کروں ۔

خیر خواہی کی شان عظیم ہے، خیر خواہی کی شان کی عظمت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللَّهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ»(۲۹)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو کسی قوم کا حاکم بناتا ہے اور وہ خیر خواہی کے ساتھ اس کی حفاظت نہیں کرتا ہے، تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

---

(۲۹) بخاری (۷۱۵۰)، و مسلم (۱۴۲) ۔

میں اپنے گھر والوں کا نگہبان ہوں اور میرے گھر والے میری رعایا ہیں، تم میں سے ہر کوئی حکمران ہے اور ہر حکمران سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا، تو ہر حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے، ورنہ وہ گنہگار ہو گا۔

خیر خواہی کی شان بھی کتنی عظیم ہے، امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «**لا خيرَ في قومٍ ليسوا بناصِحينَ، ولا خيرَ في قومٍ لا يُحِبُّون الناصِحينَ**»[٣٠] ترجمہ: اس قوم میں کوئی خیر نہیں ہے جو خیر خواہ نہیں ہے، اور اس قوم میں بھی کوئی خیر نہیں ہے جو خیر خواہی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتی ہے۔

خیر خواہی کرنے کے اسباب درج ذیل ہیں:

اول: روئے زمین پر بندگی کے اصول کا تیقن ہو، تاکہ مخلوق اپنے خالق کی عبادت کرے، لوگوں کے ساتھ سب سے بہترین خیر خواہی انہیں اللہ کی طرف بلانا ہے، ان کے ساتھ یہ عہدو پیمان کرنا کہ وہ اللہ کی بندگی کے اس مقصد کو پورا کریں گے جس کے بارے میں قرآن حکیم فرماتا ہے:

« **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ**» [الذاريات:٥٦]۔

ترجمہ: میں نے جن و انس کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا

---

(٣٠) رسالة المسترشدين (ص:٧١)۔

کہ وہ میری عبادت کریں۔

خیر خواہی نام ہے احتساب کا اور خیر خواہی کرنے والا محتسب ہے، اور اسلام میں احتساب کا نام ولایت ہے اور اسلام میں تمام ولایات کا مقصد دین کا قیام ہے، جیساکہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: «**جميعُ الولاياتِ في الإسلامِ مقصودُها أن يكونَ الدِّينُ كلُّه لله، وأن تكونَ كلِمةُ الله هي العُليا**»[۳۱]
ترجمہ: اسلام میں تمام ولایتوں کا مقصد یہ ہے کہ پورے کا پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

دوم: انحراف کرنے والوں سے اس بات کا عہد لینا کہ معاشرے کو ان سے پاک کیا جائے؛ کیوں کہ کوئی معاشرہ اس وقت تک پر امن نہیں رہ سکتا جس وقت تک انحراف کرنے والوں سے خیر خواہی کا عہد نہ لیا جائے۔

ہاں یہاں ایک غلط ثقافت چل پڑی ہے: وہ یہ کہ لوگوں کے ذاتی امور میں مداخلت نہ کرو، کوئی کہتا ہے کہ میرے ذاتی مسئلے میں دخل اندازی نہ کرو، مجھے نصیحت نہ کرو، یہ غلط ثقافت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہو۔

نصیحت در اصل «المنصحة» سے ماخوذ ہے اور منصحۃ کہتے ہیں سلائی کرنے والی سوئی کو؛ کیوں کہ یہ انحراف کرنے والا اپنے دین و مذہب کے خلاف کھڑا ہوتا

---

(۳۱) مجموع الفتاوی (۲۸/۶۱)۔

ہے اور اے ناصح تم منصوح کے کپڑے میں اپنی اس سوئی سے اس پھٹن کو سلائی کرنے آئے ہو۔

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ خلیفہ راشد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (منبر پر) کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ عَلَيۡكُمۡ أَنفُسَكُمۡۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهۡتَدَيۡتُمۡ ﴾ [المائدة: ١٠٥]

ترجمہ: اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو مگر اسے اس کا صحیح مقام نہیں دیتے ہو: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر رہوگے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

آج جب تم کسی کو نصیحت کرنے کھڑے ہوتے ہو، اپنے بھائی میں کوئی غلطی دیکھتے ہو تو اسے نصیحت کرتے ہو، یا اپنے گھر والوں کی کسی غلطی پر مطلع ہوتے ہو تو تم انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہو: اے فلاں، تمہارے گھر والوں میں ایسا ایسا ہے۔ وہ کہتا ہے:

«عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ»،

اے بھائی! لوگوں کے ذاتی کاموں میں دخل اندازی نہ کرو۔ نہیں! ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: «يا أَيُّها الناسُ إنَّكم تَقرَؤُون هذه الآيةَ، وتَضَعونها

في غيرِ موضِعِها: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ عَلَيۡكُمۡ أَنفُسَكُمۡۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهۡتَدَيۡتُمۡۚ ﴾[المائدة:١٠٥]»

ترجمہ: اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو مگر اسے اس کی جگہ نہیں رکھتے: اے ایمان والو ! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر رہوگے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا المُنْكَرَ لَا يُغَيِّرُونَهُ، أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابِهِ»(٣٢)

ترجمہ: جب لوگ برائی دیکھ کر اسے تبدیل نہیں کرتے تو قریب ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عقاب عام کردے، اس لیے نصیحت کرنی چاہیے۔

انسان جب کسی کو غلطی کرتے ہوئے دیکھے تو اسے نصیحت کرے، یہ بھی واجب ہے۔

یہ نصیحت معاشرے کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ہے۔

اے اللہ کے بندو! یاد رکھو کہ ناصح پر نصیحت کرتے وقت نصیحت کے آداب و ضوابط کی پاسداری کرنا لازم ہے۔

نصیحت کا سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ تم اللہ کے لیے نصیحت کرو، اس لیے نصیحت نہ کرو کہ لوگ کہیں کہ ناصح ہے، اور نہ اس لیے کہ تمہاری طرف انگلی

(٣٢) احمد (١/٥)، وابوداود (٤٣٣٨)، وترمذی (٢١٦٨)، وابن ماجہ (٤٠٠٥) ۔

اٹھاکر اشارہ کیا جائے کہ تم ناصح امین ہو، اور نہ اس لیے کہ کتابوں میں تمہارے مقولے لکھے جائیں، اور نہ اس لیے کہ تمہارے پاس بہت زیادہ ووٹ جمع ہوجائیں، علانیہ نصیحت کرو، پوشیدگی میں تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی، اپنی نصیحت اللہ کے لیے کرو، اپنے دل کو غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ کرو۔

ادب دوم: نصیحت کرتے وقت تمہارے عمل اور نصیحت میں تضاد نہیں ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ تمہاری نصیحت ایک وادی میں اور تمہارا عمل دوسری وادی میں ہو، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿أَتَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبِرِّ وَتَنسَوۡنَ أَنفُسَكُمۡ وَأَنتُمۡ تَتۡلُونَ ٱلۡكِتَٰبَۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ﴾[البقرة: ٤٤]

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں۔

یہ عقل مندی کی بات بھی تو نہیں ہے کہ تم دوسرے کو صحیح بات کی نصیحت کر رہے ہو اور خود اس کی مخالفت کر رہے ہو، حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:

﴿وَمَآ أُرِيدُ أَنۡ أُخَالِفَكُمۡ إِلَىٰ مَآ أَنۡهَىٰكُمۡ عَنۡهُۚ إِنۡ أُرِيدُ إِلَّا ٱلۡإِصۡلَٰحَ مَا ٱسۡتَطَعۡتُۚ وَمَا تَوۡفِيقِيٓ إِلَّا بِٱللَّهِۚ عَلَيۡهِ﴾[هود: ٨٨]

ترجمہ: اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ میں جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں، تمہارے پیچھے جاکر وہی کام خود کرنے لگوں۔ میرا مقصد اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کے سوا کچھ نہیں ہے، اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفۡعَلُونَ ۝٢ كَبُرَ مَقۡتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُواْ مَا لَا تَفۡعَلُونَ ۝٣ ﴾[الصف: ٣-٢]

ترجمہ: اے ایمان والو ! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو ؟اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابل نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ المُعَلِّمُ غَيْرَهُ هَلَّا لِنَفْسِكَ كَانَ ذَا التَّعْلِيمُ
تَصِفُ الدَّوَاءَ لِذِي السِّقَامِ وَذِي الضَّنَا كَيْمَا يَصِحَّ بِهِ وَأَنْتَ سَقِيمُ
لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَتَأْتِيَ مِثْلَهُ عَارٌ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمُ(٣٣)

ترجمہ: اے وہ شخص جو دوسروں کو تعلیم دیتا پھر رہا ہے، پہلے خود کو تعلیم والا بنا، تم بیماروں کے لیے دوا تجویز کر رہے ہو، وہ صحیح کیسے ہوگا جب کہ تم خود بیمار ہو، اس عادت سے تم روکتے ہی کیوں ہو جب خود ویسا ہی کرتے ہو، اگر تم ایسا کرتے ہو تو تمہارے لئے بہت بڑی شرم کی بات ہے۔

(٣٣) ادب الدنیا والدین (ص:٣٤)، وجامع بیان العلم (١/٦٧٤)، وتاریخ دمشق (١٥٩/٣٤)، وشرح شذور الذھب (ص:٣١٠)۔

نصیحت کا ادب یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے چپکے سے کرے، تاکہ منصوح کے لیے تمہاری نصیحت حتی الامکان تنہائی میں رہے، چاہے تمہارا کوئی بیٹا ہی ہو، کیوں کہ نفس کو فطری طور پر علانیہ نصیحت اچھی نہیں لگتی، چاہے منصوح کوئی چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو، بقدر امکان نصیحت پوشیدگی سے ہونی چاہئے، ہمارے نبی ﷺ بسا اوقات جب کسی کو نصیحت کرنے کا ارادہ کرتے تو منبر پر کھڑے ہو کر یوں عرض کرتے:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يفْعَلُونَ كَذَا وَكَذَا؟!»[۳۴]

ترجمہ: قوم کو کیا ہوگیا وہ ایسا ایسا کرتے ہیں۔

فضیل بن عیاض نے بڑے پتے کی بات کہی، وہ کہتے ہیں کہ: «**المُؤمنُ يَسترُ ويَنصحُ، والفاجرُ يَهتِكُ ويَفضحُ**»[۳۵] ترجمہ: مومن نصیحت کرتے وقت ستر پوشی کرتا ہے اور فاجر شخص عزت اچھالتا ہے اور رسوا کرتا ہے۔ کچھ لوگ نصیحت تو کرتے ہیں مگر ان کا مقصد رسوا کرنا ہوتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کسی مجلس میں کریں گے، اور ایسا شخص بھی تمہاری غلطی سے آگاہ ہو جائے گا جسے کچھ پتہ نہیں تھا، لوگوں میں تمہیں نصیحت کرنے کا اس کا مقصد تمہاری رسوائی کرنا ہے، ایسا صرف فاجر لوگ کرتے ہیں، یہ فاجروں کا عمل ہے جن کا مقصد رسوا کرنا ہوتا ہے نہ کہ نصیحت۔

آج کل کی نصیحتوں کو دیکھیں کہ کہاں ہوتی ہیں؟ ویب سائٹس پر، وہ نیٹ ورکنگ سائٹس پر ایک دوسرے کو نصیحت کر رہے ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں

---

(۳۴) بخاری (۴۵۶)، ومسلم (۱۵۰۴)۔

(۳۵) جامع العلوم والحکم (۱/۲۲۵)۔

وہ ایک دوسرے کو رسوا کر رہے ہوتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **«مَنْ وعَظَ أخاهُ سِرًّا فقَدْ نصَحَه وزانَهُ، ومَن وعَظَه عَلانيةً فقَدْ فضَحَه وشانَهُ»**[٣٦] ترجمہ: جس نے تنہائی میں اپنے بھائی کو نصیحت کی اس نے اس کے ساتھ خیر خواہی کی اور جس نے علانیہ نصیحت کی اس نے اسے رسوا کیا۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

تَعَمَّدْني بِنُصْحِكَ فِي انْفِرَادِ ... وَجَنِّبْنِي النَّصِيحَةَ فِي الجَمَاعَهْ
فَإِنَّ النُّصْحَ بَيْنَ النَّاسِ ضَرْبٌ ... مِنَ التَّوْبِيخِ لَا أَرْضَى اسْتِمَاعَهْ
فَإِنْ خَالَفْتَنِي وَعَصَيْتَ أَمْرِي ... فَلَا تَجْزَعْ إِذَا لَمْ تُعْطَ طَاعَهْ[٣٧]

ترجمہ: مجھے تنہائی میں نصیحت کرو اور لوگوں کے درمیان نصیحت کرنی ہو تو مجھ سے دور رہو، کیوں کہ لوگوں کے درمیان نصیحت ایک قسم کی ڈانٹ ڈپٹ ہے جس کا سننا مجھے گوارا نہیں، اگر تم نے میری مخالفت کی اور میری بات نہ مانی تو پھر اس وقت بھی حیرت میں نہ پڑنا جب تمہاری کوئی اطاعت نہ کرے۔

ہاں، دین نصیحت اور خیر خواہی ہے، پورے دین کی بنیاد دوسروں کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت ہے۔

---

(٣٦) حلیۃ الاولیاء (٩/ ١٤٠)۔

(٣٧) دیوان الامام الشافعی (ص:٧٥)۔

(٤)

اسۡمَحۡ يُسۡمَحۡ لَكَ

درگزر کردینا پسندیدہ عادتوں میں نگینہ کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ کی طرف جانے والے مسافرین کے راہ میں ایک نور بن کر چمکتا ہے۔

درگزر کرنے کا بڑے کریمانہ اخلاق میں شمار ہوتا ہے، کاہل لوگوں کی ہمتیں جس سے عاجز ہیں۔

درگزاری خیر کا بادل ہے جو بارش والے پانی سے بھرا ہوا ہے۔

درگزاری نفس کے ظلم و بغاوت کے وقت فتح و قوت اور عزیمت ہے۔

درگزاری زندگی میں چلنے والے کو سایہ فراہم کرتی ہے۔

درگزاری ہی ہمارا آج کا موضوع ہے جو آپ ﷺ کے جوامع الکلم کی ایک مبارک کڑی ہے۔

ہمارا آج کا پسندیدہ موضوع مسند احمد میں منقول ایک حدیث ہے جسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ»(٣٨)

---

(٣٨) احمد (٢٤٨/١)۔

ترجمہ: درگزر کرو تمہارے لیے بھی چشم پوشی کی جائے گی۔

ہاں، جوامع الکلم میں سے «**اسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ**» ایک چھوٹا سا جملہ ہے، اس کے کلمات تھوڑے ہیں مگر معانی، سبق آموز باتیں اور ہدایات بہت زیادہ ہیں۔

درگزاری کے متعلق اگر تم کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں تلاش کروگے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ اس کی بہت عظیم شان ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: اللہ کے نزدیک کونسا دین سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «**الحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ**»[٣٩]

ترجمہ: درگزروالا راہ روی والا۔

درگزر کا مقصد دوسروں کے ساتھ معاملات میں سہولت، نرمی اور آسانی کرنا ہے۔

درگزر کا مقصد دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنا اور ان سے چشم پوشی کرنا ہے۔

درگزاری صرف طاقتور، متقی اور شریف لوگوں ہی سے ہوتی ہے، اسی لیے لوگ کہتے ہیں: درگزر کرنے والا کریم ہے، کیوں کہ اس نے اپنے حق کو معاف کر لوگوں کو ان کے حقوق دیا ہے؛ اس لیے کہ وہ ایک آنکھ سے دنیا اور دوسری آنکھ سے آخرت دیکھتا ہے۔

ہم آپس میں چشم پوشی کیوں کرتے ہیں؟ میں خود کو اور آپ کو چشم پوشی کرنے والوں کی صف میں کیوں دیکھنا چاہتا ہوں؟

---

(٣٩) احمد (١/٢٣٦)، والادب المفرد (٢٨٧) وبخاری (١/١٦)۔

جواب: اول: میں درگزراس لیے کرتا ہوں کیوں کہ اللہ نے ہم سب کو درگزرکرنے کا حکم دیا ہے۔

ہم سورہ نور میں پڑھتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلۡيَعۡفُواْ وَلۡيَصۡفَحُوٓاْۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغۡفِرَ ٱللَّهُ لَكُمۡۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٌ﴾ [النــور: ٢٢]

ترجمہ: انہیں چاہیے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے ؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

ہم سورہ تغابن میں پڑھتے ہیں:

﴿وَإِن تَعۡفُواْ وَتَصۡفَحُواْ وَتَغۡفِرُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٌ﴾[التغابن: ١٤]

ترجمہ: اور اگر تم معاف کردو اور درگزر کرو، اور بخش دو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

ہم سورہ مائدہ میں پڑھتے ہیں:

﴿فَٱعۡفُ عَنۡهُمۡ وَٱصۡفَحۡ﴾[المائدة: ١٣]

ترجمہ: لہذا (فی الحال) انہیں معاف کردو اور درگزر سے کام لو ۔

یہ اللہ کا حکم ہے!

میں چشم پوشی اس لیے کرتا ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میں رواداربنوں اور دوسروں کی غلطیوں سے چشم پوشی کروں۔

دوم: تاکہ میں اپنے رسول کے نقش قدم پر چلوں۔

جو بھی نبی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے تو تمام احوال میں اسے نبی کی اتباع کرنی چاہیے، اور آپ ﷺ کے احوال میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ درگزرکرنے والے تھے، ترمذی کی ایک حدیث میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: «**لم يَكُنْ فاحِشًا و لا مُتفحِّشًا ولا صخَّابًا بالأسواقِ، ولا يَجزِي بالسَّيِّئةِ السيِّئةَ، ولكِنْ يَعفو ويَصفَحُ**»[۴۰] ترجمہ: وہ سخت گو اور نازیبا کلام کرنےوالے نہیں تھے، وہ بازاروں میں چیخنے والے بھی نہیں تھے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیا کرتے بلکہ آپ ﷺ عفو و درگزر کیا کرتے تھے۔ یہ ہیں ہمارے ﷺ!

سوم: کیوں کہ قاعدہ ہے: درگزرکروگے تو تمہارے ساتھ بھی درگزر کیا جائے گا۔

یہی وہ حدیث ہے جس کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں: «**اسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ**»، جو شخص بھی دنیا میں درگزرکرے گا تو اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں اس سے درگزرگے، حدیث واضح ہے۔

---

(۴۰) احمد (۶/۱۷۴)، وترمذی (۲۰۱۶) ۔

لیکن اس حدیث مبارکہ کو دیکھو جسے ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں نقل کیا ہے: نبی ﷺ نے ایک طویل حدیث میں اہل جنت اور اہل جہنم کے احوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

«فَيَقُولُ اللهُ: انْظُرُوا فِي النَّارِ هَلْ تَلْقَوْنَ مِنْ أَحَدٍعَمِلَ خَيْرً اقَطُّ؟» رحمةُ الله تَشمَلُ حتَّى الذينَ في النارِ «قَالَ: فَيَجِدُونَ فِي النَّارِ رَجُلًا، فَيُقَالُ لَهُ: هَلْ عَمِلْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا، غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُسَامِحُ النَّاسِ فِي البَيْعِ وَالشِّرَاءِ، فَيَقُولُ اللهُ: أَسْمِحُوا لِعَبْدِيكَ إِسْمَاحِهِ إِلَى عَبِيدِي. فَأَخْرَجَهُ مِنَ النَّارِ»(۴۱)

ترجمہ: اللہ تعالی فرماتا ہے: جہنم میں دیکھو کہ کیا کسی کے پاس کوئی نیک عمل ہے؟ اللہ کی رحمت ان لوگوں کو بھی شامل حال ہو گی جو جہنم میں ہونگے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہیں جہنم میں ایک شخص ملے گا، اسے کہا جائے گا: کیا کبھی کوئی نیک کام کیا؟ تو وہ کہے گا: نہیں، سوائے اس کے کہ میں خرید و فروخت میں لوگوں سے درگزرکیا کرتا تھا، تو اللہ تعالی فرمائے گا: میرے بندے سے درگزرکرو کیوں کہ یہ میرے بندوں سے درگزر کیا رتا تھا، لہذا اسے جہنم سے نکال دو۔

---

(۴۱) احمد (۱/۴-۵)، وابن خزیمہ (۲/۷۳۵-۷۳۷)۔

اللہ تعالی نے اِس شخص کو درگزر کی بنیاد پر جہنم سے آزاد کردیا، اس لئے کہ وہ کمزور یا ناتواں ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ طاقت و قوت رکھتے ہوئے بھی لوگوں کے ساتھ نرمی، رواداری اور درگزر سے کام لیا کرتا تھا۔

چہارم: میں درگزر کرتا ہوں کیوں کہ میں اجر کی طرف دیکھ رہا ہوں، اس شخص کے پاس نہیں جس سے درگزر کرتا ہوں بلکہ اللہ کے پاس اجر طرف دیکھ رہا ہوں، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿فَمَنۡ عَفَا وَأَصۡلَحَ فَأَجۡرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ﴾[الشوری: ٤٠]

ترجمہ: پھر بھی جو کوئی معاف کردے، اور اصلاح سے کام لے تو اس کا ثواب اللہ نے ذمے لیا ہے۔

اس سے بدلہ کی امید مت رکھو جس کی تم نے درگزر کیا، اس انتظار میں مت رہو کہ اس سے کوئی اچھا بدلہ مل جائے گا، ہوسکتا ہے کہ وہ شخص فطری طور پر لئیم ہو، نہیں! اللہ سے اجر کی امید رکھو، اللہ فرماتا ہے:

«فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ»۔

پنجم: کیوں کہ چشم پوشی کرنے والا دوسروں کے مقابل تقوی کے زیادہ قریب ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَأَن تَعۡفُوٓاْ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰۚ وَلَا تَنسَوُاْ ٱلۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعۡمَلُونَ

بَصِيرٌ ﴾[البقرة: ٢٣٧]

ترجمہ: اور اگر تم رعایت کرو تو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے، اور آپس میں فراخ دلی کا برتاؤ کرنا مت بھولو۔ جو عمل بھی تم کرتے ہو، اللہ یقینا اسے دیکھ رہا ہے۔

ششم: کیوں کہ چشم پوشی کرنے والے پر رحمت ہوتی ہے، جو شخص لوگوں میں درگزر کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اس پر رحمت ہوتی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«رَحِمَ اللهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى»(٤٢)

ترجمہ: اللہ ایسے شخص پر رحم کرے جو خرید و فروخت کے وقت اور [اپنے قرض کا] تقاضہ کرتے وقت چشم پوشی کا معاملہ کرے۔

ہفتم: کیوں کہ مسامحت اور درگزرایسی سیڑھی ہے جس پر صرف بڑے اور سردار لوگ چڑھتے ہیں، تم دیکھتے ہو کہ چشم پوشی کرنے والا کمزور نہیں ہوتا اور نہ ہی سادہ مزاج ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کوئی معمولی شخص ہوتا ہے، بلکہ چشم پوشی کرنے والا بڑا ہوتا ہے، جو شخص بھی دوسروں کو معاف کردیتا ہے اور ان کی غلطیوں میں نہیں پڑتا تو ایسا کرنے والا بڑا اور عظیم انسان ہوتا ہے، شاعر کہتا ہے:

---

(٤٢) بخاری (٢٠٧٦)۔

وَإِنَّ الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَ بَنِي أَخِي وَبَيْنَ بَنِي عَمِّي لَـمُخْتَلِفٌ جِدًّا
فَإِنْ أَكَلُوا لَـحْمِي وَفَرْتُ لُـحُومَهُمْ وَإِنْ هَدَمُوا مَجْدِي بَنَيْتُ لَـهُمْ مَجْدَا
وَلَا أَحْمِلُ الحِقْدَ الدَّفِينَ عَلَيْهِمُ وَلَيْسَ رَئِيسُ القَوْمِ مَنْ يَحْمِلُ الحِقْدَا[٤٣]

ترجمہ: میرے اور میرے بھائیوں کے بیٹوں اور میرے چچا کے بیٹوں کے درمیان بہت اختلاف ہے، اگر وہ میرا گوشت کھاتے ہیں تو میں ان کے گوشت کی حفاظت کرتا ہوں اور اگر وہ میری عزت وشرافت کو ڈھاتے ہیں تو میں ان کے لیے شرافت بناتا ہوں، اور میں اپنے سینے میں بغض و کینہ چھپا کرنہیں رکھتا، وہ شخص قوم کا سردار نہیں ہوتا جو کینہ رکھے۔

وہ ان کی بے عزت کرنے کے درپے ہیں اور یہ ان کی عزت کی حفاظت میں لگا ہوا ہے، وہ ان کی چغلی کھاتے ہیں اور وہ ان کے عزت وناموس کی پاسداری کرتا ہے، ایسا کرنے والا شخص لوگوں میں بڑا اور عظیم ہوتا ہے۔

امام شعبی کے سامنے ایک شخص نے انہیں گالی دی اور برا بھلا کہا، تو امام شعبی نے کہا: «إِنْ كُنْتَ صادِقًا فغفَرَ اللهُ لي، وإِنْ كنتَ كاذبًا فغفَرَ اللهُ لكَ»[۴۴]
ترجمہ: اگر تو سچا ہے تو اللہ میری مغفرت فرمائے اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تیری مغفرت فرمائے۔انہوں نے کچھ کہہ کر اس کا رد نہیں کیا بلکہ دوسروں کی غلطیوں

---

(۴۳) روضۃ العقلاء (ص:۱۷۳-۱۷۴)، دیوان حماسہ (ص:۸۲۹)، وتاریخ بغداد (۱۲۰/۲۰)۔
(۴۴) الاشراف (۲۵۹)، والمجالسہ (۸۰۰، ۳۳۲۴)۔

سے سکوت اختیار کرکے انہیں عزت و شرف ملا۔

اسی لیے امام شافعی کہتے ہیں:

قَالُوا سَكَتَّ وَقَدْ خُوصِمْتَ قُلْتُ لَهُمْ — إِنَّ الجَوَابَ لِبَابِ الشَّرِّ مِفْتَاحُ
اَلصَّمْتُ عَنْ جَاهِلٍ أَوْ أَحْمَقٍ شَرَفٌ — وَفِيهِ أَيْضًا لِصَوْنِ العِرْضِ إِصْلَاحُ
أَمَا تَرَى الأُسْدَ تُخْشَى وَهْيَ صَامِتَةٌ — وَالكَلْبُ يَخْسَى لَعَمْرِي وَهْوَ نَبَّاحُ(۴۵)

ترجمہ: لوگوں نے کہا: لوگ آپ سے جھگڑتے رہے اور آپ خاموش ہو، میں نے کہا: جواب دینے سے شر کا دروازہ کھلتا ہے، جاہل اور احمق کی بات کا جواب نہ دینے میں ہی بھلائی ہے، اس میں بھی عزت کی حفاظت ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ شیر خاموش رہتا ہے پھر بھی لوگ ڈرتے ہیں اور کتا بھونکتا رہتا ہے مگر کسی کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔

ہشتم: کیوں کہ درگزر کرنے والے بڑی فضیلت والے عمل کے حامل ہیں۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کون سے اعمال افضل ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: «الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ»(۴۶)

ترجمہ: صبر اور درگزر۔

---

(۴۵) دیوان الشافعی (ص:۵۱)۔

(۴۶) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/۶۱۱)، وشعب الایمان (۹۲۶۰)۔

انسان اس وقت تک درگزر نہیں کر سکتا جب تک کہ اس میں صبر کا مادہ نہ پایا جائے۔

نہم: درگزر کرنے والا راحت میں ہے، جو شخص درگزر نہیں کرتا وہ غم و آلام کی زندگی جیتا ہے، اور درگزر کرنے والا راحت میں ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «**خدَمْتُ رسولَ الله تِسعَ سِنينَ، فما أَعلَمُه قالَ لي قَطُّ: لم فَعَلْتَ كَذا وكَذا؟ ولا عابَ عليَّ شيئًا قطُّ**»[۴۷] ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کی نو سال خدمت کی، مجھے نہیں معلوم کہ کبھی آپ نے کہا ہو: ایسا ایسا کیوں کیا؟ اور نہ ہی کبھی آپ نے مجھ پر کوئی عیب دھرا۔

جو شخص درگزر نہیں کرتا وہ سکون سے نہیں رہتا، وہ ہمیشہ دوسرے کے عتاب میں رہتا ہے، بیوی کو پریشان کرے گا کیونکہ اس نے کھانا لانے میں تاخیر کردی، دوست سے ناراض ہوجائے گا، کیونکہ اس نے مقررہ وقت سے پانچ منٹ تاخیر کردی، اور جب کوئی اِس کا ساتھی سب دوستوں کو اپنے بیٹے کی شادی کی دعوت دے، اور اس کو نہ بلائے، تو وہ اپنے ساتھی پر لعن طعن کرے گا۔ وہ لوگوں کے عتاب میں جئے گا، دوسروں کی غلطیاں نکالتا رہے گا، وہ مظلومیت کی زندگی جیتا رہے گا گویا کہ ہمیشہ اس پر ظلم ہی ہوتا ہے۔

خلیفہ راشد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے، وہ

---

(۴۷) مسلم (۲۳۰۹)۔

فرماتے ہیں: «إِذا سمِعتَ الكلِمةَ تُؤذيكَ فطَأْطِئْ لها حتَّى تَتخطَّاكَ»[۴۸]
ترجمہ: جب تم کوئی ایسی بات سنو جس سے تمہیں تکلیف ہو تو تم اس کے سامنے جھک جاو، تاکہ وہ تمہارے اوپر سے گذر کر پار ہوجائے۔ دوسروں کے ساتھ برتاو کرنے کا یہی اصول ہے۔

دوسروں کی غلطیوں کو چھیڑو نہیں، کیوں کہ تمہارے آس پاس کے لوگ تمہاری طرح انسان ہیں، ان سے خطا سرزرد ہوگئی ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ دوسرے لوگ تمہارے ساتھدرگزر کریں تو تم ان کے ساتھ درگزرکرو۔

ایک شاعر کہتا ہے:

لَـمَّا عفَوْتُ ولَـمْ أَحْقِدْعَلَى أَحَدٍ أَرَحْتُ نَفْسِي مِنْ هَمِّ العَدَاوَاتِ

ترجمہ: جب میں نے معاف کردیا اور کسی سے کینہ نہیں رکھا تو دشمنی کے غم سے اپنی جان کو راحت دی۔

إِنِّي أُحَيِّي عَـدوِّي عِنْدرُؤْيَتِهِ لِأَدْفَـعَ الشَّـرَّ عَنِّى بِالتَّحِيَّاتِ
وَأُظْهِرُ البِشْرَ لِلْإِنْسَانِ أُبْغِضُهُ كَأَنَّمَا قَدْ مَلَأَ قَلْبِي بِالْمَوَدَّاتِ[۴۹]

ترجمہ: جب میں اپنے دشمن کو دیکھتا ہوں تو انہیں سلام کرتا ہوں کیوں کہ سلام سے شر مجھ سے دور ہوتا ہے، اور جس انسان سے میں بغض رکھتا ہوں، اس

(۴۸) العقد الفريد (۲/۱۴۰)۔

(۴۹) روضة العقلاء (ص:۱۶۹)، والبصائر والذخائر (۸/۱۹۰)، وادب الدنيا والدين (ص:۱۸۲)۔

سے میں مسکرا کر ایسے ملتا ہوں، گویا کہ میرے دل میں محبت بھری ہوئی ہو۔

اگر اکثر و بیشتر عتاب کرتے رہوگے تو شاعر کی زبانی کچھ یوں ہو گا:

إذا كُنت في كلِّ الأُمورِ مُعاتبًا صَدِيقَكَ لَـمْ تَلْقَ الَّذِي لَا تُعَاتِبُهُ(٥٠)

ترجمہ: اگر ہر کام میں عتاب ہی کروگے تو تم اپنے ان دوستوں سے نہیں مل سکو گے جنہیں تم عتاب نہیں کرتے۔

ایسا انسان کہاں ملے گا جس سے غلطی نہیں ہوتی، لہذا درگزر کرو تمہارے ساتھ بھی درگزر کیا جائے گا۔

دہم: میں درگزر اس لیے کرتا ہوں کہ درگزر پر مرتب ہونے والا اجر مجھے ملے۔ ، سنن ابو داود میں سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دَعَاهُ اللهُ عزَّوَجَلَّ عَلَى رُؤُوسِ الخَلَائِقِ يَوْمَ القِيامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ مِنَ الحُورِ العِينِ مَاشَاءَ»(٥١)

ترجمہ: جو شخص غصہ پی جائے جب کہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر ہو تو اللہ تعالی قیامت کے دن اسے لوگوں کے سامنے بلائیں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جو بھی حور پسند ہو لے لو۔

---

(٥٠) دیوان بشار بن برد (١/٣٢٦)۔

(٥١) احمد (٣/٤٤٠)، وابوداود (٤٧٧٧)، وابن ماجہ (٤١٨٦)۔

وہ ایک بات کا جواب دس باتوں سے دینے پر قادر ہے اور ایک دن کے بدلے دس دن چھوڑنے پر قادر ہے لیکن وہ معاف کرتا رہتا ہے اور درگزر کرتا رہتا ہے کیوں کہ اسے اس اجر عظیم کی طلب ہے:

«مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دَعَاهُ اللهُ عزَّوَجَلَّ عَلَى رُؤُوسِ الخَلَائِقِ يَوْمَ القِيامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ مِنَ الحُورِ العِينِ مَاشَاءَ»

ایک شخص نے عمر بن ذر کو گالی دی اور ان کے بارے میں برا بھلا کہا تو سیدنا عمر نے کہا: «يا أَخي لا تُفرِطَنَّ في شَتْمنا، ودَعْ للصلحِ موضِعًا، فإنَّا لا نُكافئُ مَن عصَى اللهَ فينا إلَّا أَنْ نُطيعَ اللهَ فيه»[۵۲] ترجمہ: اے بھائی ہماری بہت زیادہ برائی نہ کرو اور صلح کی کوئی گنجائش باقی رکھو، کیوں کہ ہم اس شخص سے بدلہ نہیں لیتے جو ہمارے معاملے میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، مگر ہم اس کے معاملہ میں اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

اس جملہ کو اپنے دل میں دہراتے رہیں:

درگزر کرو تمہارے ساتھ بھی درگزر کیا جائے گا۔

---

(۵۲) حلیۃ الاولیاء (۵/۱۱۳)، وشعب الایمان(۸۱۰۶) ۔

(۵)

أَمسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ

ہمارا موضوع آج طبرانی کی المعجم الکبیر کی حدیث ہے، نبی ﷺ سے کسی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! نجات کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ ، وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ»(۵۳)

ترجمہ: اپنی زبان قابو میں رکھ ، تیرا گھر تیرے لئے وسیع ہو(یعنی گھر سے باہر کم نکلا کر) اور اپنے گناہوں پر ندامت کے ساتھ آنسو بہا۔ ہمارا موضوع پہلا جملہ یعنی «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ» ہے۔

اے نجات کو تلاش کرنے والے! دنیا کے اندر اور آخرت کے اندر نجات، زبان کو روکے رکھنے میں ہے، جب سائل نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ نجات کس میں ہے تو اس نے دنیا و آخرت کی قید نہیں لگائی ، بس یہ پوچھا کہ نجات کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ»

زبان ہی سے آدمی خوش بخت بھی بنتا ہے اور بد بخت بھی، اسی سے سلامتی بھی ملتی ہے اور اسی سے مار بھی کھاتا ہے، اسی سے جنت کے اعلی درجات ملتے ہیں اور اسی سے جہنم کی گہری کھائی بھی۔

---

(۵۳) المعجم الکبیر (۱۷/ ۲۷۰، ۷۴۱)۔

زبان جسم کا سب سے خطرے والا عضو ہے، جو آج بُوتا ہے وہ قیامت کے دن کاٹے گا، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿كَلَّاۚ سَنَكۡتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُۥ مِنَ ٱلۡعَذَابِ مَدّٗا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُۥ مَا يَقُولُ وَيَأۡتِينَا فَرۡدٗا ﴿٨٠﴾﴾[مریم: ٨٠-٧٩]

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں ! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے ہم اسے لکھ رکھیں گے، اور اس کے عذاب میں اور اضافہ کردیں گے۔ اور اس کے وارث ہم ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال اور اولاد کے) اور یہ ہمارے پاس تن تنہا آئے گا، یعنی اس کی بات کو ہم لکھ رہے ہیں اور اپنی پھر وہ اپنی کہی بات کو پا لے گا۔

حتی کہ اگر یہ بات چپکے سے پردے کے پیچھے کہے، حتی کہ اشاروں کی آڑ میں کہی جائے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَمۡ يَحۡسَبُونَ أَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوَىٰهُمۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُونَ﴾ [الزخرف: ٨٠]

ترجمہ: کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے ؟ کیسے نہیں سنتے ؟ نیز ہمارے فرشتے ان کے پاس ہیں، وہ سب کچھ لکھتے رہتے ہیں۔

زبان سے نکلنے والا ہر ہر لفظ لکھا جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾[ق: ١٨]

ترجمہ: انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اس پر ایک نگراں مقرر ہوتا ہے۔

ترمذی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے، حضرت معاذ نے اخیر میں فرمایا: نبی ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: اسے قابو میں رکھو، میں نے کہا: یا نبی اللہ ﷺ! کیا ہماری بات پر ہماری پکڑ ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا:

«ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ، وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ-أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ- إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ»(٥٤)

ترجمہ: تمہاری ماں تم پر روئے اے معاذ! کیا لوگوں کو دوزخ میں منہ یا نتھنوں کے بل زبان کے علاوہ بھی کوئی چیز گرائے گی۔

جو بھی نجات کا طلب گار ہے اور اس کے طریقے ڈھونڈتا ہے، تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ نجات زبان قابو رکھنے میں ہے۔

اگر آپ سوال کریں: کیوں؟

میرا جواب ہوگا: اول: کیوں کہ جنت کا مثالی راستہ زبان کو قابو میں رکھنا ہے۔

صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(٥٤) احمد (٥/٢٣١)، وترمذی (٢٦١٦)، وابن ماجہ (٣٩٧٣)۔

«مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ»أَيْ: لِسانه«وَمَ ابَيْنَ رِجْلَيْهِ»أَيْ: فرجه«أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ»[55] ترجمہ: جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان (زبان) ہے اور اس چیز کی ضمانت دے جو اس کی دو رانوں کے درمیان ہے (شرمگاہ) تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے خلیفۃ الرسول!یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس چیز نے مجھے کن کن بربادیوں تک پہنچایا۔ یہ ابو بکر اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں: اس چیز نے مجھے کن کن بربادیوں تک پہنچایا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الجَسَدِ إِلَّا وَيَشْكُو مِنْ ذرب اللِّسَانِ»[56]

ترجمہ: جسم کو کچھ نہیں ہے مگر وہ زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے۔

تیز زبان: یہ فحش گو زبان ہے، یہ وہ زبان ہے جس سے صرف شر نکلتا ہے، یہ کہنا کہ فلاں کی زبان تیز ہے یہ غلط ہے، تم اس کی برائی کر رہے ہو حالانکہ تمہارا مقصد اس کی مدح ہے، تو تیز زبان فحش گو اور بیہودہ گفتگو کرنے والی زبان کو کہتے ہیں۔

---

(۵۵) بخاری (۶۴۷۴)۔

(۵۶) شعب الایمان (۴۵۹۶)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الجَسَدِ إِلَّا وَيَشْكُو مِنْ ذربِ اللِّسَانِ»

ترجمہ: جسم کو کچھ نہیں ہے مگر وہ زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے، یعنی اس کے شر، فحش اور شدت کی شکایت کرتی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب کے باب الادب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا، انہوں نے فرمایا: «ما على الأرضِ شيءٌ أحوجُ إلى طولِ سِجنٍ مِنْ لِسانٍ»[۵۷] ترجمہ: روئے زمین پر زبان لمبی قید سے زیادہ ضرورت کسی چیز کی نہیں ہے، یعنی وہ زیادہ ضرورت ہے کہ اسے قید وبند میں رکھا جائے۔

یہ نبی ﷺ کی وصیت ہے: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ»

وَاحْفَظْ لِسَانَكَ وَاحْتَرِزْ مِنْ لَفْظِه فَالمَرْءُ يَسْلَمُ بِاللِّسَانِ وَيَعْطَبُ
وَزِنِ الكَلامَ إِذَا نَطَقتَ وَلَا تَكُنْ ثَرْثَارَةً فِي كُلِّ وَادٍ تَخْطُبُ[۵۸]

ترجمہ: اپنے زبان کی حفاظت کرو اور اس کو کھولنے سے احتراز کرو، کیوں کہ انسان زبان سے سلامت بھی رہتا ہے اور ہلاک بھی ہوتا ہے۔ بولتے وقت بات کو ناپ تول لیا کرو، اور ہر بات میں فضول گوئی مت کیا کرو۔

(۵۷) ابن ابی شیبہ (۲۲۱)، والمصنف (۱۳/۴۸۹)، و ابو داود (۱۴۹)، المعجم الکبیر (۹/۱۴۹، ۸۷۴۴)۔
(۵۸) مجانی الادب فی حدائق العرب (۴/۹۱)، و مجموعۃ القصائد الزھدیات (۲/۴۸۰) ۔

بعض لوگ بس بولنا جانتے ہیں، جہاں بھی جس بھی مجلس میں دیکھو بس بک بک کررہے ہوتے ہیں، ہر وقت ہرچیز کے بارے میں فضول گوئی کرتے ہیں، اسی لیے یونس بن عبید فرماتے ہیں: «خِصْلتانِ إذا صلَحَتا مِنَ العَبدِ صلَحَ ما سِواهُما مِنْ أَمرِه: صلاتُه ولِسانُه»[٥٩] ترجمہ: دو عادتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ بندے سے صحیح ہو جائیں تو باقی سارے امور صحیح ہو جائیں: نماز اور زبان۔

موطأ امام مالک میں مروی ہے : ذکر کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا خنزیر کے پاس سے گرز ہوا تو آپ نے خنزیر سے فرمایا: سلامتی سے گزر جا، پوچھا گیا: اے اللہ کے نبی! آپ خنزیر سے کیا کہہ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: «إنِّي أَكرَهُ و أخافُ أَنْ أُعوِّدَ لِسانِي النُّطقَ بالسُّوءِ»[٦٠] ترجمہ: مجھے ناپسند ہے اوریمں ڈرتا ہوں کہ میری زبان سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔ کیوں کہ ان کا ارادہ اپنے نفس کی تربیت کرنا تھا کہ زبان سے صرف حق اور اچھی بات نکلے۔

نجات زبان کو قابو میں کرنے میں ہی ہے؛ کیوں کہ جس کی زبان پھسلی وہ حق سے دور ہوگیا اور وہ قیامت کے دن نبی ﷺ کی مجلس سے دور ہو جائے گا۔ ترمذی کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(٥٩) حلیۃ الاولیاء (٣/٢٠)۔

(٦٠) الموطا (٢/٩٨٥، ٤)۔

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ القِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ القِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ»

ترجمہ: بے شک تم لوگوں میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں ،اور بے شک قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور فضول گوئی کرنے والے اور گھمنڈ کرنے والے لوگ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ سے دور اور مخلوق میں مبغوض ہوں گے،

« وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ القِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ وَالمُتَشَدِّقُونَ وَالمُتَفَيْهِقُونَ»،قالوا: يا رسولَ الله، قد علِمْنا الثَّرثارين والمُتشدِّقين فما المُتفيهِقونَ؟قال: «المُتكَبِّرُونَ»[٦١]

ترجمہ: میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے دور وہ لوگ ہوں گے جو فضول گو، بلا احتیاط بولنے والے اور متفیہقون ہیں، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم نے ثرثارون (باتونی)، متشدقون (بلا احتیاط بولنے والا) کو تو جان لیا لیکن متفیہقون کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: تکبر کرنے والے۔

نجات زبان کو قابو میں کرنے اور اس کو شر سے روکنے میں ہی ہے کیوں کہ زبان پورے بدن کی قیادت کرتی ہے، اگر وہ صحیح رہی تو پورا جسم صحیح رہے گا اور

(٦١) ترمذی (٢٠١٨)۔

اگر وہ کج رو ہوگئی تو پورا جسم کج رو ہو جائے گا۔ سنن ترمذی میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ» في كلِّ صباحٍ **«فَإِنَّ الأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ»**، أي: تَخضَعُ له وتَذِلُّ **«تَقُولُ: اتَّقِ اللهَ فِينَا، فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا»**[٦٢]

ترجمہ: انسان روزانہ صبح جب بیدار ہوتا ہے تو تمام اعضاء زبان سے مخاطب ہوکر اسے تاکید کرتے ہیں کہ دن میں درستی اور صداقت پر قائم رہنا اور بیہودہ گوئی سے بچے رہنا، کیوں کہ اگر تُو درست اور ٹھیک رہے گی، تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تُو کج روی کے راستے پر چلے گی، تو ہم بھی کج روی کے راستے پر چل پڑیں گے۔

مسند احمد میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَسْتَقِيمُ إِيمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ، وَلَا يَسْتَقِيمُ قَلْبُهُ حَتَّى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ»[٦٣]

ترجمہ: بندے کا ایمان صحیح نہیں رہتا جب تک کہ دل صحیح نہ ہو اور دل صحیح نہیں رہتا جب تک کہ زبان صحیح نہ ہو۔

جب زبان صحیح ہوگی تو دل بھی صحیح ہوگا اور ایمان بھی۔

---

(٦٢) احمد (٣/٩٦)، وترمذی (٢٤٠٧)۔

(٦٣) احمد (٣/١٩٨)۔

جوامع الکلم میں سے یہ ایک زندہ جاوید نصیحت ہے: نجات چاہئے تو زبان قابو میں رکھو۔

سفیان بن عبد اللہ ثقفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے ملے اور دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ: میرے بارے میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کو کس چیز کا اندیشہ ہے؟رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا: «هَذَا»(٦٤) یہ ہے، یعنی یہی وہ چیز ہے جس سے میں سب سے زیادہ ڈرتا ہوں، کیوں کہ اس کی وجہ سے انسان کے ساری نیکیاں چلی جاتی ہیں، نماز، روزہ، حج اور صدقات سب کی نیکیاں اس زبان کی وجہ سے جاتی رہتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت کا ذکر کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ: فلاں عورت رات کو قیام کرتی ہے اور دن میں روزہ رکھتی ہے اور صدقہ کرتی ہے مگر اپنی پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس میں کوئی بھلائی نہیں، وہ جہنمی ہے۔ یعنی پوری رات نماز پڑھتی ہے، غیر رمضان میں روزہ رکھتی ہے، شوال کے چھ روزے رکھتی ہے، عرفہ کے روزہ رکھتی ہے اور کبھی کبھی ایام بیض کے روزے رکھتی ہے، اس کے پاس صیام و قیام ہے اور صلاح و تقوی ہے، لیکن اپنے ایک عضو زبان سے مجبور ہے، اسی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے تو آپ نے فرمایا: اس میں کچھ بھی

---

(٦٤) احمد (٣/٤١٣)، وترمذی (٢٤١٠)، وابن ماجہ (٣٩٧٢)۔

بھلائی نہیں۔ صیام و قیام کہاں ہیں؟ اچھے اچھے کام کہاں ہیں؟ صدقات کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں کوئی خیر نہیں، وہ جہنمی ہے۔

اسی حدیث میں ہے، صحابہ کرام - رضوان اللہ علیہم اجمعین- نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ! فلاں عورت صرف فرض نمازیں ادا کرتی ہے حتی کہ اس کے پاس سنن و رواتب بھی نہیں صرف فرض نمازیں ادا کرتی ہے اور پنیر کے ٹکڑوں کا صدقہ کرتی ہے، لیکن کسی کو تکلیف نہیں دیتی، (اس کے بارے میں کیا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هِيَ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ»(٦٥) ترجمہ: یہ جنتی عورت ہے۔

لہذا کسی کو اپنی نماز، روزہ، صلاح اوردینداری سے دھوکے میں نہیں رہنا چاہئے، کسی کے بارے میں کچھ بولنے سے پرہیز کرنا چاہئے؛ کیوں کہ بعض لوگ صلاح، دینداری اور پرہیزگاری دیکھ کر سمجھیں گے کہ دوسروں کے بارے میں بات کرنا نیک عمل ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے، مصیبت یہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کے بارے میں بات کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس بات سے وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں دین کی وجہ سے لوگوں کے بارے میں بات کرتا ہوں، میں دعوت کی وجہ سے لوگوں کے متعلق گفتگو کرتا ہوں، میں صلاح کی وجہ سے لوگوں کے بارے میں بات کرتا ہوں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے غرور کو خوش کر رہے ہیں، وہ اپنے خواہش نفس کی وجہ سے بات کر رہے ہیں۔

---

(٦٥) احمد (٢/٤٤٠)، والادب المفرد (١١٩) ۔

ابن قیم نے کتنی اچھی بات کہی ، انہی کی بات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

عجیب بات ہے کہ انسان کے لیے حرام کھانے ، ظلم، زنا، چوری، شراب پینے، اور حرام چیزوں کو دیکھنے سے بچنا آسان ہے، یہ سب اس کے لیے آسان ہیں، وہ نہ تو شراب پیتا ہے، نہ ہی زنا کرتا ہے، نہ چوری کرتا ہے، نہ حرام کھاتا ہے اور نہ ہی ظلم کرتا ہے۔ اور فرمایا: مگر اس کے لیے زبان کو حرکت دینے سے بچنا مشکل ہے، حتی کہ ایسا شخص جس پر دینداری ، زہد اورر عبادت کا لیبل لگا ہوا ہے وہ اللہ کو ناراض کرنے والے ایسے کلمات بول دیتا ہے، جو اس شخص کو مشرق اور مغرب کے درمیان پائے جانے والی دوری سے بھی زیادہ دور پھینک دیتے ہیں، ، تم نے کتنے ہی لوگوں کو دیکھا ہوگا جو فحش اور ظلم سے تو بچتے ہیں،جبکہ ان کی زبان سے زندہ و مردہ اشخاص کی عزت محفوظ نہیں اور انہیں اپنے قول کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔(٦٦) یہ بڑی مصیبت ہے۔

دریافت کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ ! نجات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھنا۔

میرے بھائی! کسی مجلس میں تم سے یہ کہا جانا کہ اے فلاں ، تم نے کیوں نہیں بولا ؟ یہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ تم سے کہا جائے: اے فلاں تو کیوں بولا؟

---

(٦٦) الداءوالدواء (ص:١٥٩)۔

(٦)

مَنْ یُحرَمِ الرفقَ یُحرَمِ الخیرَکلَّه

دوستو!

نرمی اچھی عادت ہے، اللہ اسے پسند کرتا ہے۔

نرمی ہر چیز کے لئے خوبصورتی ہے، یہ ہر چیز کو خوبصورت بناتی ہے۔

نرمی خیر ہی خیر لاتی ہے۔

نرمی کرنے والا دنیا اور آخرت کے خیر پاتا ہے۔

نرمی دل کی کنجی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَبِمَا رَحۡمَةٖ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمۡۖ وَلَوۡ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلۡقَلۡبِ لَٱنفَضُّواْ مِنۡ حَوۡلِكَۖ فَٱعۡفُ عَنۡهُمۡ وَٱسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي ٱلۡأَمۡرِۖ فَإِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُتَوَكِّلِينَ ﴾[آل عمران: ١٥٩]

ترجمہ: ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بناء پر (اے پیغمبر) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے

تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہوجاتے۔ لہذا ان کو معاف کردو، ان کے لیے مغفرت کی دعاء کرو، اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقینا توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے «جوامع الکلم» سے متعلق ہماری گفتگو جاری ہے، اور آج ہمارا موضوع جوامع الکلم کی وہ حدیث ہے جسے سنن ابو داود میں نقل کیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الخَيْرَ كُلَّهُ»(٦٧) ترجمہ: جو نرمی سے محروم ہے وہ تمام خیر سے محروم ہے۔

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جو نرمی سے محروم ہے وہ تمام خیر ہی سے محروم ہے، یہ ایسا شخص ہے جو نرمی کا راستہ ہی نہیں جانتا، جس کے نفس پر رفق کا دروازہ نہیں کھلتا وہ ہر بھلائی سے محروم ہے، اسی لیے ہمارے نبی ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ جب رفق کسی چیز میں داخل ہو جاتی ہے تو اسے خوبصورت بنا دیتی ہے، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں مروی ہے:

---

(٦٧) ابوداود (٤٨٠٩)، ومسلم (٢٥٩٢) ۔

«إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُرْفَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ»(٦٨)

ترجمہ: نرمی کسی چیز میں ہو تو اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور کسی چیز سے اٹھ جائے تو اسے خراب کر دیتی ہے۔

ہر وہ چیز جس میں رفق داخل ہو جائے تو اسے خوبصورت بنا دیتا ہے اور ہر وہ چیز جس سے نرمی اٹھالی جائے تو خراب ہو جاتی ہے، مسند احمد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ ارْفُقِي، فَإِنَّ اللهَ إِذَا أَرَادَ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا دَلَّهُمْ عَلَى بَابِ الرِّفْقِ»(٦٩)

ترجمہ: اے عائشہ! نرمی کیا کرو، کیوں کہ جب اللہ تعالی کسی اہل خانہسے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو انہیں نرمی کے دروازہ کا پتہ دے دیتا ہے۔

اسی لیے جس گھر میں نرمی کثرت سے ہوتی ہے اس گھر پر رحمت ہوتی ہے اور جس گھر میں سختی، شدت اور غلظت ہوتی ہے وہ گھر محروم ہوتا ہے، جب کہ پہلے والے پر رحمت ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب گھر ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(٦٨) مسلم (٢٥٩٤)۔

(٦٩) احمد (٦/١٠٤)۔

«إِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ أَهْلَ بَيْتٍ أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ»(۷۰)

ترجمہ: بیشک جب اللہ کسی گھر والوں کو پسند کرتا ہے تو ان پر نرمی عطا کر دیتا ہے۔یہ گھر کتنا ہی قابل ستائش ہے، یہ ایک تنظیم ہے، قابلِ رہاش جگہ ہے، ایک ایسی مجلس ہے، جس میں سب بھائی رہتے ہیں۔ جب اللہ ان سے محبت کرتا ہے انہیں نرمی عطا کر دیتا ہے، لہذا اگر دیکھو کہ کسی گھر میں نرمی نہیں ہے تو جان لو کہ وہ گھر اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے۔

اے اللہ کے بندو! نرمی کے میدان بہت زیادہ ہیں، اگر شمار کرنے لگیں تو بہت لمبا ہو جائے گا، لیکن عقلمند کو ایک یا دو مثال کافی ہے، اس کے باوجود چار نمونے عرض کر دیتے ہیں؛ کیوں کہ ہمیں نرمی کے لیے مثال کی ضرورت ہے:

نرمی کا میدانِ اول: ہمیں مخالف کے ساتھ نرمی کی ضرورت ہے، اختلاف امر طبعی ہے، دوروالوں سے پہلے قریب والوں سے اختلاف ہو جاتا ہے، دشمن سے پہلے محبوب سے اختلاف ہو جاتا ہے، کافر سے پہلے مسلمان سے اختلاف ہو جاتا ہے، اس اختلاف میں نرمی ہونی چاہئے؛ کیوں کہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اسے خوبصورت بنا دیتی ہے، اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان اختلاف کو تصور کیجئے لیکن یہ اختلاف خوبصورت ہو جاتا ہے جب اس میں نرمی داخل ہو جاتی ہے۔

صحیح بخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ

---

(۷۰) کنز العمال (۳/۵۲، ۵۴۴۹)۔

یہودی -یہود ونصاری کافر ہیں اس کے باوجود نرمی دیکھو- نبی ﷺ کے پاس آئے اور 'السام علیکم' کہا جس کے معنی موت کی دعاء کرنا ہے۔ مجھے ان کا مطلب سمجھ آگیا، اس لیے جواب دیا: 'وعلیکم السام واللعنۃ'، تم پر بھی موت آئے اور لعنت ہو (بندروں اور خنزیروں کے بھائیو)۔ آپ نے فرمایا: رکو عائشہ، اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی پسند کرتا ہے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ان کے کلمات نہیں سنے؟ فرمایا:

«أَوَ لَمْ تَسْمَعِي أَنِّي أَرُدُّ ذَلِكَ عَلَيهِمْ، فَأَقُولُ: وَعَلَيْكُمْ»[۷۱]

ترجمہ: تم نے میرا جواب 'وعلیکم' نہیں سنا، یعنی تم پر بھی۔ بات یہاں پر ختم ہوگئی۔

اس نرمی سے بھاگتے کیوں کیوں ہو؟

یہ دعوت ہے، اس کے ذریعے سے میں خود اپنے آپ کو اور تمہیں متوجہ کرتا ہوں، جب اختلاف ہو تو نرمی سے دور مت جاؤ، یہ پیغام ہے جس کے ذریعہ سے میں خطیبوں، صحافیوں اور مصنفین وغیرہ کو متوجہ کرتا ہوں کہ مخالف کو گالم گلوج، برا بھلا کہنے اور اس کی تحقیر سے باز آجاؤ اگرچہ تمہیں یقین ہی ہو کہ وہ غلطی پر ہے، آپ کو ایسا کرنے کی چنداں ضرورت نہیں خاص طور پر ایسے زمانے میں جس میں ہم آج جی رہے ہیں، یہ آزمائش کا دور ہے، اس طرح کی باتوں سے صرف تقسیم ہوگی، ہمیں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اتحاد کی دعوت دے نہ کہ جنگ و جدال کی، ہم ایسے زمانے میں ہیں جس میں ہمیں ایسی چیزوں کی طرف دعوت دینی چاہئے، جو ہمیں

---

(۷۱) بخاری (۶۳۹۵)، ومسلم (۲۱۶۵)۔

ایک دوسرے سے ملاکر کامل و مکمل بناتی ہوں، نہ کہ ایسی چیزوں کی طرف دعوت دی جائے، جو ہمیں لڑائی اور جھگڑی کی طرف گھسیٹتی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں: اے عائشہ! رکو، یہود کو جواب نہیں دیا، عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے عائشہ! رکو، اللہ رفیق ہے اور وہ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ ان کے 'السام علیکم' کے جواب میں بس 'وعلیکم' کہنا کافی ہے، یہ ترازو ہے جس کے مطابق ہمیں جینے کی ضرورت ہے صرف منبر پر نہیں بلکہ اپنی زندگی میں۔

بیوی کے ساتھ نرمی کریں جب بھی آپ کا اس سے اختلاف ہو، اور اولاد کے ساتھ نرمی کریں جب بھی اس کا آپ سے اختلاف ہو،ہمیں اسی کی ضرورت ہے جب کبھی کسی سے ہمارا اختلاف ہو جائے، مخالف کے ساتھ نرمی کریں۔

دوسرا میدان: سردار کا اپنی رعیت کے ساتھ نرمی کرنا، حاکم کا اپنے محکوم کے ساتھ ، وزیر کا اپنی وزارت میں، جنرل کا اپنی فوج میں، والد کا گھر میں، ہمیں نرمی کی ضرورت ہے، ہم جو شدت، سختی اور غلظت دیکھتے ہیں یہ نبی ﷺ کے منہج سے بہت دور کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالی ہر راہنما کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ وَٱخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴾[الشعراء: ٢١٥]

ترجمہ: اور جو مومن تمہارے پیچھے چلیں، ان کے لیے (انکساری کے ساتھ اپنی شفقت کا) بازو جھکا دو۔

ابو داود کی ایک حدیث میں جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس شخص کو دیکھو جو یہ بول رہا ہے کہ آپ ﷺ انہیں اپنے قول و عمل سے ہدایات دیا کرتے تھے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں:

«كانَ رَسولُ اللهِ ﷺ يتخلَّفُ في المَسيرِ» يَعني في القافِلةِ «فيُزجِي الضعيفَ، ويُردفُ، ويَدعو لهُم»(٧٢)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ قافلہ میں پیچھے چلتے، کمزور (اونٹنی) کو ہانکتے اور (کمزور کو) پیچھے بٹھاتے اور (سب کے لیے) دعائیں کرتے۔

آپ قافلہ میں پیچھے چلتے، سواری کو ہانکتے اور اسے مارتے، تاکہ تیز چلے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اسے اپنے پیچھے بٹھا لیتے، پھر سب کے لیے دعائیں کرتے۔

بلکہ آپ اس شخص کے لیے بھی دعاء کرتے جسے اس امت کا والی بنایا جائے اور وہ ان کے ساتھ نرمی کیا کرے، تو آپ فرماتے کہ اللہ اس کے ساتھ نرمی کرے، دیکھئے کیا دعاء کی ہے آپ ﷺ نے:

«اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ»(٧٣)

ترجمہ: اے اللہ! جو میری امت کا والی مقرر ہو وہ ان پر سختی کرے تو تو بھی

---

(٧٢) ابوداود (٢٦٣٩)۔

(٧٣) مسلم (١٨٢٨)۔

اس پر سختی میں ڈال اور جو میری امت کا والی مقرر ہو اور وہ ان پر نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی کر۔

یہ ولایت کوئی سی بھی ہو، آپ اپنے گھر میں ولی ہیں، اور امام اپنے محراب میں ولی ہے، اسے نرمی کرنا ضروری ہے، خطیب اپنے منبر پر ولی ہے اسے نرمی کرنا ضروری ہے، سب کے سب حکمران اور ولی جب امت پر سختی کریں گے تو نبی کی بد دعاء انہیں جا پہنچے گی اور جب وہ نرمی کریں گے تو نبی کی دعاء ان کے حق میں جائے گی۔

نرمی کا تیسرا میدان: خود کے ساتھ نرمی کرو، اس نفس کا حق ہے،

«وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا»(۷۴)

ترجمہ: تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔

لہذا اس کے ساتھ نرمی کرو، اور ایک بات میں خاصکر اپنے نوجوان بچوں کے لئے کہنا چاہتا ہوں، کہ اس نفس کے ساتھ نرمی کرنا ضروری ہے، نفس کے ساتھ نرمی کرنے کی ایک بڑی صورت یہ ہے کہ تم اسے اللہ کے تابع بنادو اور نفس کے ساتھ سختی کرنے کی بڑی صورت اسے راہِ خدا سے دور کرنا اور اللہ تعالی کی نافرمانی میں ڈالنا ہے اور اسے اس چیز کے تابع بنانا ہے جسے اللہ نے حرام کردیا ہے؛ لہذا

(۷۴) ابوداود (۱۳۶۹)۔ وبخاری (۱۹۶۸)۔

جو شخص اس کو شراب و غیرہ کی لت لگا کر عذاب دینے کی جرات کرتا ہے وہ اپنے نفس کے ساتھ نرم دل نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ»

ترجمہ: جو پہاڑ سے گر گیا،

ہمارے بعض نوجوان بچے جو اپنی گاڑیوں سے پہاڑ پر چڑھتے ہیں وہ کبھی گر کر مر جاتے ہیں حالانکہ انہوں نے مرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا لیکن یہ ایک ممکن بات ہے، نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهَا، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا»

ترجمہ: جس شخص نے خود کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کیا تو وہ دوزخ میں جائے گا، ہمیشہ اس میں گرتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔

یا لاپرواہی میں لال بتی [ریڈ سگنل] پار کرتے ہوئے خود کو قتل کردے یا دوسرے کا قتل کردے یا قانونی رفتار سے تجاوز کرجاے، تو وہ درحقیقت خود کو مار رہا ہے، یا اس طرح وہ شخص جو نشے کا عادی بن جاتا ہے۔ ہم روز مرہ ایسی اموات کے بارے میں سنتے ہیں جو نشے کی وجہ سے ہوتی ہیں، ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

«وَمَنْ تَحَسَّيسمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَسَمُّهُ فِي يَدِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ يَتَحَسَّاهُ، فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا»(۷۵)

ترجمہ: اور جس شخص نے زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کیا تو وہ زہر قیامت کے دن بھی اس کے ہاتھ میں ہو گا جسے وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو لوہے کے ہتھیار سے قتل کیا تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہو گا جسے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمْۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًاۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ ﴾ [النساء: ٣٠-٢٩]

ترجمہ: اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔ اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا، تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے، اور یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

نرمی کے پہلو: کمزور کے ساتھ نرمی، یہ کمزور آپ کے گھر کا خادم ہو سکتا ہے،

---

(۷۵) بخاری (۵۷۷۸)، ومسلم (۱۰۹)۔

آپ کے کارخانہ کا ملازم ہو سکتا ہے ، بیوی ہو سکتی ۔ بیوی کمزور ہوتی ہے- بیٹا ہو سکتا ہے، ان سب کے ساتھ نرمی مطلوب ہے۔

میں جس وقت یہ بات بیان کر رہا ہوں میرے اور آپ کے ذہن میں سختی کی وہ صورت ہونی چاہیے جسے ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں، باپ کے دل میں ذرہ برابر بھی رحم و شفقت نہیں ہوتی اس لیے وہ اپنے بیٹے کو مار مار کر مار ڈالتا ہے، میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ ایک باپ اور اس کی بیوی نے اپنی بیٹی پر ظلم کرتے کرتے اسے مار دیا، یہ ہمارے معاشرے میں بعید نہیں ہے، ایسی صورتیں ہمارے شہر میں موجود ہیں، اسی قبیل سے بنائے گئے کچھ مراکز کا جائزہ لیجئے، آپ باپ کی اولاد کے ساتھ سختی کی عجیب داستانیں سنیں گے، تو یہ ہیں وہ لووگ جو نرمی نہیں کرتے۔

یا بعض نوجوان سڑکوں پر کام کرنے والے مزدور پر ظلم کرتے ہیں اور وہ اس ظلم کی تصویریں نبا کر فخر سے اسے نشر کرتے ہیں کہ یہ مردانگی ہے، اس میں مردانگی نام کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ ان کی مردانگی اسی وقت ختم ہوگئی تھی جب انہوں نے ایسا کام کیا اور ان کی مروت چلی گئی۔

یہ ہے وہ انسان جو اپنی بیوی پر اس وقت بھی ظلم کرتا ہے جب وہ کہہ رہی ہوتی ہے کہ اس شہر میں اللہ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے، نہ باپ ہے اور نہ ہی بیٹا ہے، اور شوہر اسے مار مار کر اس پر ظلم کرتا ہے جبکہ اسے پتہ ہے کہ وہ کمزور ہے، مگر یہ لوگ نرمی جانتے ہی نہیں۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: میں اپنے ایک غلام کو کوڑا لے کر مار رہا تھا۔ تو مجھے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی: » ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیئے «۔ غصے کی شدت کی وجہ سے میں توجہ نہ کرسکا کہ یہ کس کی آواز ہے۔ جب وہ قریب آگئے تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ ہیں، جو فرمارہے ہیں: » ابو مسعود ! تجھے معلوم ہونا چاہیئے «۔ آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ أن اللَّـهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ»(٧٦)

ترجمہ: « ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ تجھے اس غلام پر جس قدر اختیار حاصل ہے، اللہ تعالی تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے »۔

تجھے اس غلام پر جس قدر اختیار حاصل ہے، اللہ تعالی کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے، اس وقت تم طاقت میں ہو لیکن اللہ تم سے زیادہ طاقتور ہے، کسی دن تم ضعیف ہو جاوگے اور وہ تم پر کسی ایسے کو مسلط کردے گا جو تم سے زیادہ طاقتور ہو گا۔

ہر طاقتور اپنی قوت، سلطنت، منصب، زبان، مرتبہ اور مال سے دھوکہ کھاتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب ختم ہوجائے گا، اللہ کی قوی ذات باقی رہے گی۔ وہ اس کمزور کے لیے اس کا حق آخرت سے پہلے اس دنیا میں لے گا، وہ اس

---

(٧٦) مسلم (١٦٥٩)۔

کمزور کے لیے اس دنیا میں اس کا حق لے گا، وہ کمزور اسے ایسے دیکھے گا جیسے اس نے دیکھا ہی نہ ہو، لیکن تاریخ ہمارے لیے سبق ہے کہ وہ لوگ جنہیں اپنی طاقت پر غرور تھا ان کا کیا ہوا، ان کے دل میں ان کمزوروں سے نہ تو نرمی ہے اور نہ ہی رحمت۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سچ فرمایا ہے:

«مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الخَيْرَ كُلَّهُ»

ترجمہ: جو نرمی سے محروم رہا وہ تمام خیر سے محروم رہا۔

(۷)

تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُم

اے لوگو! ہمارا آج کا موضوع ترمذی کی وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ»(۷۷) ترجمہ: تم اپنے نسبوں کو سیکھو، تاکہ اپنے رشتہ داروں کو پہچان کر ان سے صلہ رحمی کر سکو۔

صلہ رحمی کی شان بھی عظیم ہے، یہ ایک شرعی ضرورت اور فطری ومعاشرتی ضرورت ہے، اللہ نے اپنی کتاب میں اس کا حکم دیا اور اس کی ترغیب دی ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کی تعریف کی۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يَصِلُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ وَيَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ وَيَخَافُونَ سُوٓءَ ٱلۡحِسَابِ﴾[الرعد: ۲۱]

ترجمہ: اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں۔

---

(۷۷) احمد (۲/۳۷۴)، وترمذی (۱۹۷۹)۔

اور اللہ تعالی نے قطع رحمی سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَٱلَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهۡدَ ٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ مِيثَٰقِهِۦ وَيَقۡطَعُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ وَيُفۡسِدُونَ فِي ٱلۡأَرۡضِ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوٓءُ ٱلدَّارِ﴾[الرعد: ٢٥]

ترجمہ: اور (دوسری طرف) جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے حصے میں لعنت آتی ہے، اور [اصلی وطن میں] برا انجام انہی کا ہے۔

صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللهَ خَلَقَ الخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ قَامَتِ الرَّحِمُ، فَقَالَتْ: هَذَا مَقَامُ العَائِذِ مِنَ القَطِيعَةِ. قَالَ: نَعَمْ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَنْ أَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلَى، قَالَ: فَذَاكَ لَكِ»، ثُم قالَ رسولُ اللهِ ﷺ: «اقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ إِن تَوَلَّيۡتُمۡ أَن تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَتُقَطِّعُوٓاْ أَرۡحَامَكُمۡ ٢٢ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَعَنَهُمُ ٱللَّهُ فَأَصَمَّهُمۡ وَأَعۡمَىٰٓ أَبۡصَٰرَهُمۡ ٢٣ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلۡقُرۡءَانَ أَمۡ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقۡفَالُهَآ ٢٤﴾[محمد: ٢٤-٢٢]»(٧٨)

ترجمہ: جب اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو رحم [رشتہ] نے کھڑے ہو کر

(٧٨) مسلم (٢٥٥٤)۔

کہا: [اے اللہ] یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحمی سے تجھ سے پناہ مانگے ؟ اللہ تعالی نے فرمایا: ہاں کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں اس سے تعلق جوڑوں جو تجھ سے تعلق جوڑے اور اس سے قطع تعلق کرلوں جو تجھے قطع کرے ، رشتے [رحم] نے کہا کیوں نہیں [یعنی راضی ہوں] اللہ تعالی نے فرمایا: پس یہ تیرے لئے ہوگیا یعنی ایسا ہی ہو گا پھر رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو [اسکی تائید میں یہ آیات قرآنی] پڑھ لو: پھر اگر تم نے (جہاد سے) منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے ؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ، اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کردیا ہے، چناچہ انہیں بہرا بنا دیا ہے اور ان کی آنکھیں اندھی کردی ہیں۔ بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

صحیح بخاری میں ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے میں جنت میں داخل ہو جاوں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ»[۷۹]

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔

---

(۷۹) بخاری (۵۹۸۳)، ومسلم (۱۳) ۔

صلہ رحمی کی شان بہت بڑی ہے اور صلہ رحمی کرنے والے کی شان اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے، اسی طرح قطع رحمی بہت بڑا گناہ ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ صلہ رحمی کی وجہ سے تمہیں عزت ملتی ہے، اور اس کے بالمقابل قطع رحمی سے سر جھک جاتے ہیں، تمہیں یہ منظر دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔

صلہ رحمی وہ تصویر نہیں ہے جسے ہم گھروں کی دیواروں اور مجلسوں میں جسپاں کرتے ہیں، جس میں اول تا آخر خاندان کا شجرۂ نسب لکھا ہوتا ہے۔

اس بات کی خواہش رکھنا کہ تم اور تمہاری اولاد اس شجرۂ نسب میں شامل ہوں، یہ صلہ رحمی نہیں ہے۔

صلہ رحمی اپنے رشتوں کو جوڑنا ہے، اس سے پہلے تمہیں نسبوں کو جاننا ہوگا، یہ معلوم کرو کہ تمہارے چچا زاد بھائی کون ہیں اور قبیلہ کے کون لوگ ہیں، تاکہ تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو نہ کہ اسلئے کہ تم ان پر فخر کرو، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ» ترجمہ: اپنے نسب سیکھو،ان پر تفاخر نہ کرو اور اکڑو نہیں، بلکہ «مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ» ترجمہ: تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

قطع رحمی کرنے والا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم کا مرتکب ہے، اور روئے زمین پر اس گناہ کا اثر ہوتا ہے میں تمہیں اور خود کو کچھ آثار یاد دلاتا ہوں:

قطع رحمی کا پہلا اثر: لعنت، بہرا پن اور اندھا پن کا ہونا۔

لعنت کا ہونا، یعنی رحمت خداوندی سے دور ہونا، اور بہرہ پن کا ہونا، چنانچہ حق بات نہیں سنے گا اپنے ارد گرد کی سنے گا لیکن حق بات نہیں سن سکے گا، اور حق دیکھنے سے عاجز ہو جائے گا، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾﴾[محمد: ٢٣-٢٢]

ترجمہ: پھر تم سے یہی توقع ہے کہاگر تمہیں حکومت مل جائے، تو زمین میں فساد برپا کرو گے، اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنی لعنت کی، پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کردیں۔

جو بھی قطع رحمی کرتا ہے اس اثر میں مبتلا ہوگا، تو سوچو جب ماں یا باپ جیسے قریبی رشتے داروں سے قطعِ تعلق کرلیا جائے، توکیا ہوتا ہوگا؟، تمہیں تعجب ہوگا جس وقت بیٹا اپنے والد کو چھوڑ کر اس سے قطع رحمی کرلیتا ہے، اور کہتا ہے: میں باپ سے بات نہیں کروں گا، اور ماں سے بات نہیں کروں گا، اپنے حقیقی بھائی سے بات نہیں کروں گا، اپنے چچا زاد بھائی سے بات نہیں کروں گا، ایسا شخص اللہ کی رحمت سے دور زندگی گزار رہا ہے۔

دوسرا اثر: عمل کا قبول نہ ہونا

یہ بڑی مصیبت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے، مسند احمد میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«إِنَّ أَعْمالَ بَنِي آدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الجُمُعَةِ»

ترجمہ: ہر جمعرات جمعہ کی رات کو بنی آدم کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، یہ حدیث حسن ہے، اسے شعیب ارناووط نے مسند احمد میں حسن قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا: «إِنَّ أَعْمالَ بَنِي آدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الجُمُعَةِ، فَلَا يُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ»(۸۰) ترجمہ: ہر جمعرات جمعہ کی رات کو بنی آدم کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، تو قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔چاہے وہ رشتہ قریبکا ہو یا دور کا ، لہذا صلہ رحمی کرو چاہے سلام ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو، بعض رشتے داروں سے قریب ہونے پر مشکلیں بڑھتی ہیں، اس کے باوجود ان سے قریب رہو، اس رشتہ کو جوڑو اگرچہ سلام کے ذریعے سے ہی صحیح تاکہرشتہ ٹوٹ نہ جائے،اور آپ کا عمل قبول ہو جائے۔

تیسرا اثر خطرناک ہے: قطع رحمی کرنے والا کو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی عقوبت جھیلنا پڑتا ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ عقوبت کیسی ہو، تنگ دستی عقوبت ہوسکتی ہے، غم و آلام عقوبت ہو سکتے ہیں، اور معاملات کی مشکلات عقوبت ہوسکتے ہیں۔

---

(۸۰) احمد (۲/۴۸۴)۔

ہمیں نہیں معلوم کہ عقوبت کیا ہوگی، ہمیں جو معلوم ہے وہ یہ کہ -جیسا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے - نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرَى أَنْ يُعَجِّلَ اللهُ لِصَاحِبِهِ العُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، مَعَ مَا يُدَّخَرُ لَهُ فِي الآخِرَةِ، مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَالبَغْيِ»[۸۱]

ترجمہ: کوئی دوسرا ایسا گناہ نہیں ہے جس کے کرنے والے کو دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں سزا ملے سوائے قطع رحمی اور زنا کے۔

کتنے ہی لوگوں نے قطع رحمی کی، یہ بات میرے اور آپ سب کے لیے ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس رشتے کو اس کے صحیح مقام پر رکھا جائے، ورنہ ہم سب سزا کے مستحق ہوں گے۔

صحیح مسلم میں بہت خطرناک سزا ذکر کی گئی ہے، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ»[۸۲]

ترجمہ: قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

---

(۸۱) الادب المفرد (۶۷)، و احمد (۵/۳۶)، وابوداود (۴۹۰۲)، وترمذی (۲۵۱۱)، وابن ماجہ (۴۲۱۱) ۔

(۸۲) بخاری (۵۹۸۴)، ومسلم (۲۵۵۶) ۔

ان چار آثار کو جب کوئی عقل مند سنے گا تو کہہ اٹھے گا: اللہ میری توبہ، کیوں کہ یہ گناہ ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے، اور عقلمند خطا کار وہ ہے جو اپنے اور توبہ کے درمیان رکاوٹ پیدا ہونے [یعنی موت آنے] سے پہلے پہلے اس زندگی میں ملنے والے موقع کو ہی غنیمت سمجھ کر اپنے آپ کو سنبھال لے۔

میں اس نقطہ پر رکنا نہیں چاہتا، میں چاہتا ہوں کہ اس بات کو تم جیسے اچھے کام کرنے والوں تک پہنچاوں، میں چاہتا ہوں کہ اسے تم جیسے صلہ رحمی کرنے والوں تک پہنچاوں، جنہوں نے صلہ رحمی کی، اپنے اقارب سے بھلائی کے ساتھ پیش آئے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا، وہ ضرور سنیں کہ اللہ نے ان کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے۔ اور بعض ایسے بھی لوگ ہیں، جو قطع رحمی کے گناہ میں مبتلاء ہیں، لیکن اللہ کا فضل کہ یہاں اکثر وہی لوگ ہیں جو صلہ رحمی کرتے ہیں۔

اللہ نے صلہ رحمی کرنے والوں کے لیے جو ثواب تیار کر رکھا ہے، اسے سنکر انہیں اپنا سر فخر سے بلند کرنا چاہیئے

فائدہ اول: اے صلہ رحمی کرنے والے! تمہارے لیے:

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں برکت ڈال دیں گے اور تمہارے لیے اس دنیا میں برکت کے فیصلے کریں گے، بیہقی نے شعب الایمان میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صِلَةُ الرَّحِمِ، وَحُسْنُ الخُلُقِ يُعَمِّرْنَالدِّيَارَ، وَيَـزِدْنَ فِي الأَعْمَارِ»(۸۳)

ترجمہ: صلہ رحمی اور حسن اخلاق سے ملک آباد ہوتے ہیں اور عمر بڑھتی ہے۔

یہ بڑی بات ہے، اے صلہ رحمی کرنے والے! دنیا کو آباد کرنے والوں کی طرف دیکھو، اِن میں سے تو بعض لوگ یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ گھر کی آبادی گھروں اور منزلوں کی تعداد کا بڑھنا ہے، حالانکہ فرحت و سرور کے ساتھ دل کی کشادگی اصل آبادی ہے۔

دوسرا بڑا فائدہ:

صلہ رحمی کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالی نرمی کا معاملہ کرتے ہیں، اسے قوت، عطیات اور لطف و رحم عطا کرتے ہیں، امام بخاری نے ہماری ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الرَّحِمُ شَجْنَةٌ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ»(۸۴)

ترجمہ: رشتہ داری شاخ ہے، جو اسے جوڑتا ہے میں اسے جوڑتا ہوں اور جو اسے توڑتا ہے میں اسے توڑتا ہوں،

تو معلوم یہ ہوا کہ صلہ رحمی کرنے والے کی رسّی اللہ کی ذات سے جڑی ہوئی ہے۔

---

(۸۳) شعب الایمان (۷۵۹۹)۔

(۸۴) بخاری (۵۹۸۹)۔

تیسرا فائدہ یہ بہت ہی بڑا ہے:

نیک کاموں میں سب سے جلدی ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے، ابن حبان نے اپنی کتاب الصحیح میں ابو بکرہ سے روایت کیا ہے ۔اس عظیم حدیث پر غور کرو، کیوں کہ اس میں تدبر و تامل کی ضرورت ہے، ضرورت ہے کہ تم اس حدیث کی حقیقت کو سمجھو، یہ بہت قیمتی بات ہے- کہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ أَعْجَلَ الطَّاعَةِ ثَوَابًا صِلَةُ الرَّحِمِ، حَتَّى إِنَّ أَهْلَ البَيْتِ لَيَكُونُوا فَجَرَةً»

ترجمہ: طاعت میں سب سے جلدی ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے چاہے گھر والے فاجر ہی کیوں نہ ہوں، یعنی مومن نہ ہوں، صالح نہ ہوں کیوں کہ اکثر انہیں پر فجور کا اطلاق ہوتا ہے،

«فَتَنْمُو أَمْوَالُهُمْ وَيَكْثُرُ عَدَدُهُمْ إِذَا تَوَاصَلُوا، وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُونَ فَيَحْتَاجُونَ»(۸۵)

ترجمہ: جب وہ صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے مال بڑھتے ہیں، ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، ایسا کوئی گھر نہیں ہوسکتا جس میں رہنے والے صلہ رحمی کرتے ہوں اور وہ محتاج بھی ہوں۔اس «وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُونَ فَيَحْتَاجُونَ» کو اپنا اصول بنالو،اس لیے تم دیکھوگے کہ صلہ رحمی کے بندھن سے جڑے ہوئے خاندان

---

(۸۵) صحیح ابن حبان(۴۴۰) ۔

مسلسل بھلائی، ترقی، اور عزت کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں، اور اگر اس خاندان کا کوئی ایک فرد الگ راہ اپنا لیتا ہے، تو یہ خاندان برباد ہوجاتا ہے اور اس پر زندگانی تنگ ہوجاتی ہے۔ «وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُونَ فَيَحْتَاجُونَ»صلہ رحمی کرنے والے کے لیے یہ بہت عظیم فائدہ ہے۔

صلہ رحمی سے حاصل ہونے والا چوتھا فائدہ:

گناہوں کی معافی، ہم اس فائدہ کے کتنے محتاج ہیں، سنن ترمذی میں بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوگیا کیا میرے لیے توبہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: تمہاری کوئی خالہ ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: «فَبِرَّهَا»[۸۶] ترجمہ: اس کے ساتھ حسن سلوک کر۔

گناہوں کے معاف کرانے کا راستہ اپنی خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرنا یعنی صلہ رحمی کرنا ہے، اپنی پھوپھی کے ساتھ صلہ رحمی کر کے حسن سلوک کرنا ہے، اپنے بڑے بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے، جس نے تمہاری دیکھ بھال کی ہے اور تم پر مہربان رہا ہے، تمہاری پرورش کی یہاں تک کہ تم بڑے ہوکر یونیورسٹی سے فارغ ہوگئے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اپنے فلاں فلاں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اس صلہ رحمی سے تمہارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

---

(۸۶) ترمذی (۱۹۰۴/م۱)۔

(۸)

وَيُعۡجِبُنِي الفَأۡلُ الحَسَنُ

اے اللہ کے بندو! ہمیں ایسی حدیث کی کتنی سخت ضرورت ہے جس کے ذریعہ ہم اللہ کی رحمت سے بیچارے نا امید بندوں کو مخاطب کریں!

ہمیں ایسی حدیث کی کتنی سخت ضرورت ہے جس کو ہم ہر اُس شخص تک پہنچائیں، جو مصیبت کا مارا ہو، اور جس کو دنیا کے مصائب نے گھیر رکھا ہو !

ہمیں ایسی حدیث کی کتنی سخت ضرورت ہے جو اپنے اندر پریشانی کے بعد راحت اور تنگی کے بعد آسانی کی حامل ہو!

ہمیں کتنی سخت ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم تمام یقین کے ساتھ یہ فرمانِ خداوندی دہراتے رہیں: ﴿فَإِنَّ مَعَ ٱلۡعُسۡرِ يُسۡرًا ۝٥ إِنَّ مَعَ ٱلۡعُسۡرِ يُسۡرًا ۝٦﴾ [الشرح: ٦-٥]

ترجمہ: چناچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ یقینا مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔

ہم یقین کے ساتھ دہرائیں: ﴿سَيَجۡعَلُ ٱللَّهُ بَعۡدَ عُسۡرٖ يُسۡرٗا﴾ [الطلاق: ۷]

ترجمہ: کوئی مشکل ہو تو اللہ اس کے بعد کوئی آسانی بھی پیدا کردے گا۔

ہمیں بھی وہی بات کہنے کی کتنی ضرورت ہے جو پہلے والوں نے کہا:

وَلَـرُبَّ نَازِلَةٍ يَضِيقُ بِهَا الفَتَى ذَرْعًا وَعِنْدَ اللهِ مِنْهَا المَخْرَجُ
ضَاقَتْ فَلَمَّا اسْتَحْكَمَتْ حَلَقَاتُهَا فُرِجَتْ وَكُنْتُ أَظُنُّهَا لَا تُفْرَجُ!(۸۷)

ترجمہ: بہت سی مصیبتیں ایسی ہیں کہ جن سے نوجوان پریشان ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے پاس اس مصیبت سے نکلنے کا راستہ ہوتا ہے۔ (بعض مرتبہ) مصیبت سخت ہوگئی اور جب اس کے حلقے بہت مضبوط ہوگئے تو ان میں کشادگی ہوگئی (مصیبت کا گھیرا ٹوٹ گیا) حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ (مصیبت کے بند ٹوٹیں گے نہیں اور) کشادہ نہیں ہوں گے۔

دورِ حاضر میں جبکہ بد فالی اور مایوسی رکھنے والوں کی کثرت ہے، ہمیں اس بات کی کتنی ضرورت ہے کہ ہم امید کی لہر چلائیں، اور نیک فالی کا چرچا کریں!

ہمیں آج کل امید کی بولی بولنے والی زبان کی سخت ضرورت ہے، کیوں کہ نا امیدی کا بول بولا ہے!

اے اللہ کے بندو! ہمارا آج کا موضوع جوامع الکلم کی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں منقول ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «**وَيُعْجِبُنِي الفَأْلُ الحَسَنُ**»(۸۸) ترجمہ: نیک فالی یعنی کلمہ صالحہ مجھے پسند ہے۔

یہ اُس نیک فالی کی دعوتِ اشاعت ہے جو اللہ سبحانہ کے ساتھ حسن ظن اور

---

(۸۷) فرج بعد الشدۃ (۵/۱۵)، ومعجم الادباء (۱/۸۱)، وخزانۃ الادب (۶/۱۱۹)۔

(۸۸) بخاری (۵۷۵۶)، ومسلم (۲۲۲۴)۔

اس پر بہترین توکل سے جڑی ہوئی ہے ۔

نیک فالی کی دعوت؛ اس لیے کہ یہ جان ہمارے جسم کے اندر اس معدن کی طرح ہے جو اپنے ماحول سے متاثر ہو جاتا ہے، اسی لئے رنج و غم یہ سے زنگ آلود اور تنگ ہو جاتی ہے، جبکہ امید و نیک فالی سے یہ پھلتی پھولتی ہے۔

سیرت نبوی میں غور کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کتنے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ ان کی طرف اس نیک فالی لینے والے شخص کی نظر سے دیکھتے تھے جو اللہ سے حسن ظن رکھتا ہے، ابو بکر رضی اللہ عنہ اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں – مشرکین غار ثور کے اوپر تھے اور نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ غار میں تھے- وہ فرماتے ہیں: اگر کوئی اپنے قدموں کے نیچے نظر کرتا تو ہمیں دیکھ لیتا۔ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر کوئی اپنے قدموں کے نیچے نظر کرے گا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «**مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا**» ترجمہ: اے ابو بکر! تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے بارے میں جن میں تیسرا اللہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے امید کے دروازے اُس وقت کھول رہے ہیں، جب کہ مشرکین آپ کے سر پر کھڑے تھے، آپ ﷺ نیک فالی کی راہ اپنا رہے ہیں، جبکہ آپ کا پیچھا کرنے والے آپ کے سر کے اوپر ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: «**مَا ظَنُّكَ يَا**

أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا»(٨٩) ترجمہ: اے ابو بکر! تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے بارے میں جن میں تیسرا اللہ ہو۔

باری تعالی ارشاد فرتا ہے: ﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ ٱللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ثَانِيَ ٱثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي ٱلْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَٰحِبِهِۦ لَا تَحْزَنْ﴾ يا أَيُّها المُكتئِبُ المَهمومُ لا تَحزَنْ ﴿إِنَّ ٱللَّهَ مَعَنَاۖ فَأَنزَلَ ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُۥ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱلسُّفْلَىٰۗ وَكَلِمَةُ ٱللَّهِ هِيَ ٱلْعُلْيَاۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝٤٠﴾[التوبة: ٤٠]

ترجمہ: اگر تم ان کی (یعنی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) مدد نہیں کرو گے تو (انہیں کچھ نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ ان کی مدد اس وقت کرچکا ہے جب ان کو کافر لوگوں نے ایسے وقت (مکہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ چناچہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی، اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور کافر لوگوں کا بول نیچا کردکھایا، اور بول تو اللہ ہی کا بالا ہے، اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔

---

(٨٩) بخاری (٣٦٥٣)، مسلم (٢٣٨١) ۔

نیک فالی انسان کے اندر فطری و طبعی ہوتی ہے، یہ چھ ارکان پر مشتمل ہے جسے ہم اختصاراً بیان کررہے ہیں:

نیک فالی کا رکن اول:

ہم یہ یقین رکھیں کہ جو مقدر ہے وہ یقینی طور پر ہو کر رہے گا، تاکہ دلی سکون حاصل ہوجائے، کیونکہ تقدیر میں لکھی ہوئی چیز کو نہ کوئی غم ختم کرسکتا ہے، نہ مایوسی اس کا علاج بن سکتی ہے، اور نہ ہی غصہ و شکایت اس کو اپنے سے بھگا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ سورۂ حدید میں ہم سے مخاطب ہے: ﴿مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ إِلَّا فِي كِتَٰبٖ مِّن قَبۡلِ أَن نَّبۡرَأَهَآۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٞ ٢٢﴾ [الحدید: ٢٢]

ترجمہ: کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں نازل ہو یا تمہاری جانوں کو لاحق ہو، مگر وہ ایک کتاب میں اس وقت سے درج ہے جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا، یقین جانو یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ تو اے ہمارے رب، ہم کیا کریں؟ وہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿لِّكَيۡلَا تَأۡسَوۡاْ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُواْ بِمَآ ءَاتَىٰكُمۡۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٖ فَخُورٍ ٢٣﴾ [الحدید: ٢٣]

ترجمہ: اس لیے کہ جو چیز تم سے جاتی رہے، اس پر تم غم میں نہ پڑو، اور جو چیز اللہ تمہیں عطا فرمادے، اس پر تم اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اتراہٹ میں مبتلا ہو، شیخی بگھارنے والا ہو۔

ہم یہ یقین رکھیں کہ جو مقدر میں ہے وہ ہوکر رہے گا، یہی بات ہمارے نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سکھایا، سنن ترمذی میں منقول ہے اور یہی بات ہم نے کم عمری اور جوانی میں سیکھی، اور آج تک یہی بات ہمارے کانوں سے ٹکراتی رہتی ہے: «**وَاعْلَمْ أَنَّ الأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍلَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍلَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ**»(۹۰) ترجمہ: یہ بات جان لو کہ اگر پوری امت تمہیں کسی چیز کا فائدہ پہنچانے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو وہ تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی مگر جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ اس بات پر اکٹھی ہو جائے کہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر جو اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے، قلم اٹھالئے گئے ہیں اوردفاتر خشک ہو گئے ہیں۔

اس بات پر یقین کرنے سے تمہارے دل میں نیک فالی کے پودے اگیں گے۔

رکن دوم:

ہم اس بات کا یقین رکھیں کہ یہ دنیا گزرگاہ ہے، جائے قرار نہیں، اور اس دنیا میں گزرتے وقت مصائب و آلام اور پریشانیوں کا سامنا ہوگا۔ یہ لازمی بات ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿الٓمٓ ۝١ أَحَسِبَ ٱلنَّاسُ أَن يُتۡرَكُوٓاْ أَن يَقُولُوٓاْ ءَامَنَّا

(۹۰) احمد (۱/۲۹۳)، والترمذی (۲۵۱۶)۔

وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَلَيَعْلَمَنَّ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ صَدَقُوا۟ وَلَيَعْلَمَنَّ ٱلْكَٰذِبِينَ ﴿٣﴾﴾ [العنکبوت: ۳-۱]

ترجمہ: الٓم کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ: ہم ایمان لے آئے۔ اور ان کو آزمایا نہ جائے؟ حالانکہ ہم نے ان سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ لہذا اللہ ضرور ظاہر کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے کام لیا ہے اور وہ یہ بھی ظاہر کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ دنیا کی فطرت میں داخل ہے۔

طُبِعَتْ عَلَى كَدَرٍ وَأَنْتَ تُرِيدُهَا صَفْوًا مِنَ الأَقْذَاءِ وَالأَكْدَارِ
وَمُكَلِّفُ الأَيَّامِ ضِدَّ طِبَاعِهَا مُتَطَلِّبٌ فِي المَاءِ جَذْوَةَ نَارِ[91]

ترجمہ: دنیا کی فطرت ہی گندگی ہے اور آپ اسے آلائشوں سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ زمانے کو اس کی طبیعت کے خلاف آمادہ کرنا گویا پانی میں آگ لگانا ہے۔

رکن سوم:

ہم اس بات کا یقین رکھیں کہ ہر حال کے لیے بندگی ہے، لہذا خوشی اور مسرت کی حالت میں شکر کرنا بندگی ہے اور مصیبت و پریشانی کی حالت میں صبر کرنا بندگی ہے، چنانچہ ہر حال کے لیے بندگی کی ایک شکل ہے، لہذا اس بندگی کا اثر تم پر ظاہر

(۹۱) تاریخ بغداد (۳۸/۱۹)، ودیمۃ القصر (۱۴۰/۱)، وفیات الاعیان ابن خلکان (۳۸۰/۳)۔

ہونا چاہئے، جب تمہارے پاس دنیا آئے تو شکر کرو اور جب وہ تم سے منہ موڑ لے تو صبر کرو، اور جس کی تمہیں چاہت ہے اگر تمہیں وہ مل جائے تو شکر کرو اور اگر نہ ملے تو صبر کرو، اللہ تعالی ہم سے ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾ ﴾[النحل: ۱۲۸-۱۲۷]

ترجمہ: اور اگر صبر ہی کرلو تو یقینا یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے۔ اور (اے پیغمبر) تم صبر سے کام لو، اور تمہار صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کافروں) پر صدمہ نہ کرو، اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو۔ یقینا اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾ ﴾[الحجر: ۹۹-۹۷]

ترجمہ: یقینا ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں، ان سے تمہارا دل تنگ ہوتا ہے۔ تو (اس کا علاج یہ ہے کہ) آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجا لانے والوں میں شامل رہو۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔

یہاں بھی عبودیت و بندگی اور وہاں بھی بندگی، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ**»[۹۲]ترجمہ: مومن کا معاملہ بھی کیا ہی خوب ہے، اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، مومن کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ خوبی نہیں ہے، جب اسے کوئی خوشی ہوتی ہے اور وہ شکر کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور اس پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔ یہی مومن بندے کا حال ہے کہ اس کے لیے ہر ایک حال میں بندگی ہے۔

رکن چہارم:

نا امید اور مایوس لوگوں سے حتی الامکان دو رہو، کیوں کہ یہ لوگ تمہارے پاس منفی سوچ لے کر آتے ہیں، لہذا ان کے ساتھ بیٹھنے، ان کی باتیں سننے سے نا امیدی پیدا ہوتی ہے، اس لیے بقدر امکان نہ تو ان کی بات سنو اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھو اور نہ ہی ان کی خبروں کو سنو۔

آج کل نا امیدی کی بات ہر جگہ اور ہر مجلس میں سنی جاتی ہے، ٹیلی ویژن پر آپ مشاہدہ کرتے ہوں گے، فون پر آپ سنتے ہوں گے، اخباروں میں آپ پڑھتے

(۹۲) مسلم (۲۹۹۹) ۔

ہوں گے، سب نا امیدی کی زبان ہے اس سے اپنے حاضر اور مستقبل کے بارے میں تمہارے اندر بد شگونی پیدا ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ﴾ ترجمہ: وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں۔ ڈرانے والا یہ اندازِ بیاں دیکھو، یہ سورہ آل عمران کی آیت ہے، مشرکین و منافقین صحابہ میں مستقبل کے متعلق خوف و ڈر پھیلا رہے ہیں، تمہارا شہر چلا جائے گا اور اسلام کمزور ہو جائے گا اور تم نقصان اٹھاو گے، ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ﴾ ترجمہ: وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں۔ تو پھر ہم کیا کریں؟ ارشاد باری ہے: (فَاخْشَوْهُمْ)۔ لہذا ان سے ڈرتے رہنا۔ وہ کافر چاہتے ہیں کہ ہم خوف زدہ، کمزور اور بزدل ہوجائیں۔ تو صحابہ نے کیا کیا: ﴿فَزَادَهُمْ إِيمَٰنًا وَقَالُوا۟ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ فَٱنقَلَبُوا۟ بِنِعْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ وَٱتَّبَعُوا۟ رِضْوَٰنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٤﴾ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾﴾ [آل عمران: ١٧٥-١٧٣]

ترجمہ: تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کردیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی

نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہذا اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو۔

تو ان کی نہ سنو اور حتی الامکان ان سے دور رہو، اللہ تعالی سورۂ احزاب میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَدْ يَعْلَمُ ٱللَّهُ ٱلْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ﴾[الأحزاب: ۱۸]

ترجمہ: اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رکاوٹ ڈالتے ہیں ۔ یہ نفسیاتی و فکری الجھنیں رکھنے والوں کا مشغلہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ رکاوٹوں کی اشاعت ہے، ﴿قَدْ يَعْلَمُ ٱللَّهُ ٱلْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَٱلْقَآئِلِينَ لِإِخْوَٰنِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ ٱلْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ۱۸﴾[الأحزاب: ۱۸]

ترجمہ: اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ: ہمارے پاس چلے آؤ اور خود لڑائی میں آتے نہیں، اور آتے ہیں تو بہت کم۔ اِن کافر لوگوں کو تم کبھی امت کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے نہیں دیکھوگے، کیونکہ یہ لوگ خوف کے مارے واپس لوٹ آتے ہیں؛ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِذَا قَالَ الرَّجُلُ: هَلَكَ النَّاسُ، فَهُوَأَهْلَكُهُمْ**»أو «**فَهُوَ أَهْلَكَهُمْ**»[۹۳] ترجمہ: جب کوئی شخص کہے کہ لوگ برباد

---

(۹۳) مسلم (۲۶۲۳)۔

ہوگئے تو اسی نے انہیں برباد کیا، یعنی ان کی بربادی کا وہی سبب بنا۔

بعض لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، ان کے مُنہ سے صرف آپ یہ سنیں گے کہ: «لوگ برباد ہو گئے، ہم پر مصیبت آن پڑی، مستقبل خطرناک ہے، مستقبل تاریک ہے، اللہ ہماری اہل وعیال کی مدد کرے، یورپ منصوبہ سازی کررہا ہے، اور عنقریب یورپ ایسا ایسا کرنے والا ہے»، تم ان سے صرف یہی باتیں سنو گے۔

لیکن نبی ﷺ کی وہ وصیت پر عمل کرو جو نیک فالی کی دعوت دیتی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: «احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلَا تَعْجِزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ كَانَ كَذَا كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ: قَدَّرَ اللهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»[۹۴] ترجمہ: نفع بخش کام کرنے کے حریص رہو، اور اللہ کی مدد طلب کرو اور عاجز نہ بنو۔ اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو یہ نہ کہو کہ اگر ایسا ہوتا تو ایسا ایسا ہوتا، بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ نے مقدر کیا تھا وہ ہوا، کیونکہ «اگر» شیطانی راستہ کھولتا ہے۔

رکن پنجم:

خیر کی امید رکھو، وہ خیر تمہیں مل کر رہے گی، یہ نہ کوئی حدیث اور نہ ہی کوئی قرآنی آیت ہے، بلکہ عوام الناس میں یہ کہاوت مشہور ہے: خیر کی امید رکھو، وہ تمہیں مل کر رہے گی؛ کیوں کہ اللہ تعالی حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے: «أَنَا

---

(۹۴) مسلم (۲۶۶۴)۔

عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي»(۹۵)ترجمہ:میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں۔ اگر وہ خیر کا گمان کرتا ہے تو خیر ہے اور اگر شر کا گمان کرتا ہے تو شر ہے، خیر کی امید رکھو خیر ملے گی، بیٹھ کر یا سستی کے ساتھ نہیں، بلکہ کام کے ساتھ ساتھ خیر کی امید رکھو، خیر کی امید رکھو اور اللہ سے حسن ظن رکھو اور اللہ پر سچا توکل رکھو، جب نبی کریم ﷺ کسی حاجت کے لیے نکلتے تو یہ سن کر انہیں اچھا لگتا: اے راشد [صحیح راستے پر چلنے والے]، اے نجیح [کامیاب] (۹۶)۔ جب کوئی کسی کو ان ناموں سے بلاتا تو آپ کو سن کر بہت اچھا لگتا اور آپ ان ناموں سے نیک فالی لیا کرتے تھے۔

جب حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے دادا آئے تو نبی ﷺ نے دریافت کیا: آپ کا کیا نام ہے؟ تو انہوں نے کہا: میرا نام حزن (غم) ہے – اس نام میں منفی اثر ہے، جو اس پر اور اس کے گھر والوں پر اثر انداز ہوتا ہے- آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم سہل (آسانی)ہو – آپ نے ان کا نام حزن سے بدل کر سہل رکھ دیا- آپ نے فرمایا: تم سہل ہو، تو انہوں نے کہا: میں وہ نام نہیں بدل سکتا جسے میرے والد نے رکھا ہے – انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کا انکار کردیا- ان کے پوتے سعید بن مسیب فرماتے ہیں: یہ غم کی تاثیر آج تک ہمارے اندر باقی ہے(۹۷)۔ ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ لہذا جب خیر کی امید رکھو گے تو اللہ سے

---

(۹۵) بخاری (۷۴۰۵)، ومسلم (۲۶۷۵)۔

(۹۶) ترمذی (۱۶۱۶)۔

(۹۷) بخاری (۶۱۹۰)۔

ضرور خیر ہی پاؤ گے۔

زندگی کے اندر تفاول کے ارکان میں سے چھٹا وہ رکن ہے جس کے ذریعہ زندگی کی مصیبتوں پر غلبہ پایا جاسکتا ہے:

ربانی تعلیمات سے بہرہ ور ہوکر زندگی کے امور سے بخوبی واقفیت رکھنے والی ذات نے تمہیں اس طرف متوجہ کیا ہے، اور وہ ذات یقینا رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چنانچہ مسند احمد میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حَزَنٌ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِي قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ القُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي. إِلَّا أَذْهَبَ اللهُ حُزْنَهُ وَهَمَّهُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَحًا**»[۹۸] ترجمہ: کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جسے کوئی پریشان کُن فکر یا غم لاحق ہوجائے اور وہ کہے: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں، اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، اور میرے لیے تیرا حکم نافذ ہو کر ہی رہنے والا ہے، تیرے فیصلوں میں انصاف ہے، میں تجھ سے ہر اُس نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو تُو نے خود اپنی ذات کو دِیا، یا جو تُو نے

(۹۸) احمد (۱/۳۹۱)۔

اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا جو نام تُو نے اپنی کتاب میں نازل کیا، یا جس نام کو تُو نے اپنے پاس غیب کے علم میں اپنے لیے مخصوص کر لیا ہو، کہ تُو قران کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کی روشنی ، میرے غم کو دُور کرنے والا، اور میری پریشانیوں کو بھگانے والا بنا دے، (تو جب کوئی بندہ یہ کلمات کہے گا تو)اللہ اُس کی پریشانی کو ضرور دُور فرمائے گا، اور اس کے غم کو خوشی میں بدل دے گا۔

ان الفاظ کے ساتھ دعاء کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ: «**إِلَّا أَذْهَبَ اللهُ حُزْنَهُ وَهَمَّهُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَحًا**»ترجمہ: تو اللہ اُس کی پریشانی کو دُور فرمائے گا اور اس کے غم کو خوشی میں بدل دے گا۔ صرف پریشانی دور نہیں ہوگی بلکہ اس کی جگہ اسے خوشی بھی ملے گی، اس دعاء سے ہم کتنی دور ہیں! یہ دعاء یاد کرلو اور اپنے گھر میں لٹکا لو۔ جب بھی تمہارے نفس میں نا امیدی، غصہ اور تنگ دلی پیدا ہو تو یہ دعاء دہرا لو، اسے یاد کر لو، اسے صلکھ لو اور دوسروں کو بتاو، تم سے پریشانیاں اور غم دور ہوں گے اور خوشی آئے گی۔

يَا صَاحِبَ الهَمِّ إِنَّ الهَمَّ مُنْفَرِجٌ　　أَبْشِرْ بِخَيْرٍ فَإِنَّ الفَارِجَ اللهُ
اليَأْسُ يَقْطَعُ أَحْيَانًا بِصَاحِبِهِ　　لَا تَيْأَسَنَّ فَإِنَّ الكَافِيَ اللهُ
إِذَا بُلِيتَ فَثِقْ بِاللهِ وَارْضَ بِهِ　　إِنَّ الَّذِي يَكْشِفُ البَلْوَى هُوَ اللهُ(۹۹)

---

(۹۹) حاشیۃ احسان عباس علی نفح الطیب (۳۱۶/۴) محاسن والاضداد (ص:۱۵۷)، وادب الدنیا والدین (ص:۲۹۷)۔

ترجمہ: اے پریشانی میں مبتلاء شخص، پریشانی تو ختم ہو جائے گی، تجھے خیر کی بشارت ہووکیوں کہ غم دور کرنےوالا اللہ ہے۔نا امیدی کبھی کبھار نا امید شخص کو توڑ دیتی ہے اس لیے کبھی مایوس نہ ہونا کیوں کہ اللہ کی ذات کافی ہے۔ اگر کسی مصیبت میں مبتلاء ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو، اور اس کے فیصلوں سے خوش رہو، کیوں کہ پریشانیوں کو دور کرنے والا اللہ ہی ہے۔

(۹)

لاَ یَدْخُلُ الجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ

اے اللہ کے بندو! ہمارا موضوع پچھلے جوامع الکلم سے ہی مربوط ہے، آج کا موضوع مسند احمد میں کعب بن عجرہ سے مروی وہ حدیث ہے جس میں ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ»[(۱۰۰)] ترجمہ: جنت میں نہیں جائے گا وہ گوشت جو حرام سے پروان چڑھا ہو۔

یہ حدیث جامع ہے، لہذا جس شخص یا اس کی اولاد کا جسم حرام سے پروان چڑھا تو اس پر جنت میں نہ جانے کا حکم لگا رہی ہے۔وہ شخص جس نے حرام معاملات میں لین دین کیا، حرام مال کھایا، اُس نے اپنے اور اپنے بچوں کے جسم کی حرام مال سے پرورش کی ہے،تو ایسا شخص ہمارے نبی ﷺ کا یہ ارشاد غور سے سنے: «لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ» ترجمہ: جنت میں نہیں جائے گا وہ گوشت جو حرام سے پروان چڑھا ہو۔

اللہ نے مال کی شان کو بڑھایا اور حلال مال کی ترغیب دی، لہذا ارشاد فرمایا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقۡنَٰكُمۡ وَٱشۡكُرُواْ لِلَّهِ إِن كُنتُمۡ إِيَّاهُ تَعۡبُدُونَ ۝١٧٢﴾ [البقرة: ۱۷۲]

---

(۱۰۰) مسند احمد (۳/۳۲۱)۔

ترجمہ: اے ایمان والو ! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں، ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر واقعی تم صرف اسی کی بندگی کرتے ہو۔

ارشاد باری ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَـٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَـٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾﴾ [البقرة: ١٦٨]

ترجمہ: اے لوگو ! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، یقین جانو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس کے بالمقابل حرام مال کی حقیقت بیان کی اور حرام مال سے ڈرایا، ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلْيَتَـٰمَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِى بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾﴾ [النساء: ١٠]

ترجمہ: بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی دہکتی آگ میں داخل ہونا ہو گا۔

دوسری جگہ پر ارشاد باری ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَـٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾﴾ [البقرة: ١٨٨]

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ

ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو۔

صحیح مسلم میں حضرت عدی الکندی روایت کرتے ہیں کہ ہمارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ**»ترجمہ: تم میں سے جس کو ہم نے کسی کام پر لگایا، یعنی ملازمت پر رکھا، چاہے وہ حکومتی ادارہ ہو، یا قومی، وہ چاہے ذمہ دار شخص ہو یا نہ ہو، چاہے وہ کام کسی بھی نوعیت کا ہو، «**فَكَتَمَنَا مَخِيطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**»[۱۰۱]ترجمہ: پھر اس نے کوئی سوئی یا اس سے بھی چھوٹی چیز چھپا لی، تو وہ خیانت کرنے والا شمار ہو گا، جسے وہ قیامت کے دن اپنے ساتھ لائے گا۔

«**فَكَتَمَنَا مَخِيطًا**»یعنی سوئی کی مقدار کے برابر، سوئی کی قیمت کے بقدر یا اس سے کم کھا لیا تو وہ چور ہے، قیامت کے روز ایسے آئے گا جیسے کوئی چور۔ جس نے مال غنیمت میں سے چوری کر لیا ہو، تو «**كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**»ترجمہ: وہ چوری ہے جسے وہ قیامت کے دن اپنے ساتھ لائے گا۔

صحیح مسلم میں ابو امامہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الجَنَّةَ**»ترجمہ: جس نے کسی مسلمان کا حق مارا تو اللہ نے اس کے لیے جہنم

---

(۱۰۱) مسلم (۱۸۳۳)۔

واجب کر دی ہے اور جنت کو حرام کردیا ہے۔ کسی نے پوچھا: چاہے وہ حق معمولی ہی ہو اے اللہ کے رسول ﷺ ؟ - یعنی اگرچہ اس نے چھوٹی سی کوئی چیز لے لی ہو- تو آپ نے فرمایا: «وَإِنْ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ»[۱۰۲] ترجمہ: چاہے وہ مسواک کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اگر مسواک کا ٹکڑا بھی ہو تو اللہ نے اس کے لیے جہنم واجب کر کے جنت حرام کردی ہے، جس نے مسواک لیا حالانکہ وہ اس کا حق نہیں تھا، بلکہ دوسروں کا حق تھا، چاہے وہ حقوق عامہ میں سے ہو یا حقوق خاصہ میں سے، تو اللہ نے اس کے لیے جہنم واجب کرکے جنت حرام کردی ہے۔

اسی لیے امت کے سلفِ صالحین حرام مال سے بہت ڈرتے تھے، اور اس چیز سے بھی پرہیز کرتے تھے جس میں شبہ ہو؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «كُنَّا» يَعنِي: وہ اپنے زمانے کی بات سناتے ہوئے فرماتے ہیں: «نَدَعُ تِسعةَ أعشارِ الحلالِ مَخافةًمنَ الوقوعِ في الحرامِ»[۱۰۳] ترجمہ: «ہم نوّے فیصد حلال چیز کو حرام میں پڑنے کے ڈر سے چھوڑ دیتے تھے»۔ وہ لوگ حرام سے اس قدر ڈرتے تھے کہ جو چیز نوّے فیصد حلال ہے، اس کو بھی اس لئے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں حرام میں نہ پڑ جائیں۔

ہاں، تم نے ایسے لوگوں کو بھی سنا ہوگا جو تمہارے لیے حرام کو جائز ٹھہراتے

---

(۱۰۲) مسلم (۱۳۷)۔

(۱۰۳) مصنف عبد الرزاق (۸/ ۱۵۲)، انساب الاشراف (۱۰/ ۳۲۸)۔

ہیں اور تمہیں حرام لینے کی ہمت دیتے اور تمہارے لیے اس کے دروازے کھولتے ہیں اور کہتے ہیں: «حرام لے کر صدقہ کردو، حرام لے کر اللہ سے تقرب حاصل کرو، دو پلڑوں کے درمیان توازن برقرار رکھو»، یہ سوچ ہی الٹی ہے، کس نے تمہیں دیا ہے کہ اس مال سے جو تم نے صدقہ کیا ہے، وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہے؟ یاد رکھو اللہ پاک ہے اور پاک مال ہی قبول کرتا ہے۔

ابن مبارک نے کتنی خوبصورت بات کہی، وہ فرماتے ہیں: «**لأَنْ أَرُدَّ درهمًا مِنْ شُبهةٍ**»**مِنْ شُبهةٍ ليس مِنْ حرامٍ** «**أَحبُّ إليَّ مِنْ أَنْ أَتصدَّقَ بمِئةِ ألفٍ ومِئةِ ألفٍ ومِئةِ ألفٍ**» **حتَّى بلغَ سِتَّ مِئةِ ألفٍ**[۱۰۴] ترجمہ: شبہہ (شبہہ کا نہ کہ حرام) کا ایک درہم لوٹانا میرے نزدیک سات لاکھ صدقہ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

یہ ان لوگوں کے لیے پیغام ہے جو حرام کھاتے ہیں اور کہتے ہیں: میں نیک عمل سے اسے پاک کر لیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں: یہ الٹی سوچ ہے، متنبہ ہو جاو، جو حرام کھاتا ہے چاہے وہ سب لوگوں حق ہو یا کسی خاص شخص کا اور کہتا ہے: میں صدقہ کرتا ہوں، حج کے ایام میں دس لوگوں کو یا بیس لوگوں کو حج کراتا ہوں، تو مجھے سفیان ثوری کا قول یاد آتا ہے ۔ ابن الحجر ہیتمی کی کتاب الزواجر میں منقول ہے- انہوں نے کہا: «**مَنْ أنفقَ الحرامَ في الطاعةِ فهو كمَنْ طهَّرَ الثوبَ**

(۱۰۴) الورع ابن ابی الدنیا (۲۰۶) صفۃ الصفوۃ (۲/۳۲۶) ۔

بالبولِ»[۱۰۵] ترجمہ: جس نے حرام مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کیا تو اس کی مثال اس شخص کی ہے، جس نے کسی کپڑے کو پیشاب سے دھویا ہے۔

کچھ لوگ دوسروں کا مال ناحق کھاتے ہیں، جبکہ اس مال میں کچھ اِن کے حقوق بھی ہیں اور کچھ دوسروں کے حقوق بھی ہیں، مثال کے طور پر موسم حج میں حج کرنے کے لیے مال چوری کرتا ہے، پرانے زمانے میں آباء و اجداد میں سے کوئی جب حج کا ارادہ کرتا تو لوگوں کے پاس جاکر ان سے اپنے حقوق معاف کرنے کی فرمائش کرتا، ان کے دروازے کھٹکھٹاتا، ان کی مجلسوں میں جاتا اور ان سے کہتا: میں حج کو جانے والا ہوں مجھے حلال کردو، یعنی اگر تمہارا کوئی حق میرے پاس رہ گیا ہے، تو اس کو میرے لئے حلال کردو، ، لیکن آج کل یہ عالم ہے کہ انسان حج کی نیت سے مال چراتا ہے،، جبکہ دوکاندار اِس سے اپنے مال کا مطالبہ کررہا ہوتا ہے، اور گھر کا مالک اس سے کرائے کا مطالبہ کررہا ہوتا ہے، اور اُس دوکان کا مالک، جو کئی دنوں سے اس کا منتظر ہے، وہ بھی اس سے مال کا مطالبہ کررہا ہوتا ہے، تو یہ لوگ اس سے کہتے ہیں: اپنے اوپر جو حقوق ہیں، وہ پہلے ادا کردو، پھر حج کو جانا، تو یہ شخص حقوق کے ادا کرنے سے انکار کرتے ہوئے مزید یہ کہتا ہے: تم لوگ مجھے حج کرنے سے روک رہے ہو میں اللہ کے گھر پہنچ کر تمہارے لیے بد دعاء کروں گا، حالانکہ اسے پتہ ہی نہیں ہے کہ صحابہ سے اس بارے میں کیا مروی ہے: «أَطِبْ

---

(۱۰۵) زواجر ابن حجر ہیتمی (۱/۳۸٦)۔

مَطْعَمَكَ تُسْتَجَبْ دَعْوَتُكَ»[١٠٦] ترجمہ: اپنی غذاء پاکیزہ رکھو تمہاری دعاء قبول ہوگی۔ اور اس کی غذاء تو حرام ہے لہذا اس کی دعاء قبول نہیں ہوگی۔

حرام کھانے کے اسباب:

سبب اول:

اللہ سے حیاء کا نہ ہونا، بندہ جب اللہ سے حیاء نہیں کرتا ہے تو حرام میں پڑ جاتا ہے۔ ترمذی میں ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اسْتَحْيُوا مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ»ترجمہ: اللہ سے حیاء کرو جتنا کہ حیاء کا حق ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس سے حیاء کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ ذَاكَ، وَلَكِنِ الاِسْتِحْيَاءُ مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعَى، وَالبَطْنَ وَمَا حَوَى، وَلْتَذْكُرِ المَوْتَ وَالبِلَى، وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ»[١٠٧] ترجمہ: ایسے نہیں بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ تم اپنے سر اور جو کچھ اس میں ہے اس کی حفاظت کرو، پھر پیٹ اور اس میں جو کچھ جمع کیا ہوا ہے اس کی حفاظت کرو اور پھر موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو یاد کیا کرو اور جو آخرت کی کامیابی چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے

(١٠٦) اوسط طبرانی (٦٤٩٥)۔

(١٠٧) احمد (١/٣٨٧)، ترمذی (٢٤٥٨)۔

اللہ سے حیاء کرنے کا حق ادا کر دیا۔

آفس میں کام کرنے والا صحیح طریقے سے اپنی ڈیوٹی ادا نہیں کرتا ہے، اور جب اس کو ڈانٹا جاتا ہے، اور اس سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے، تو وہ اپنے آفیسر یا ذمہ دار شخص سے یہ کہنے لگتا ہے کہ: تم میری اور میرے بچوں کی روزی روٹی چھین رہے ہو۔ تو آفیسر کہتا ہے کہ: تم اپنی ملازمت صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے ہو، اور اس میں کوتاہی کرتے ہو حرام کھاتے ہو، اور تم اپنی ملازمت کا پورا پورا حق ادا نہیں کرتے ہو۔ ان سب باتوں کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ سے حیاء نہ رہی۔

سبب دوم:

وہ لوگ حرام کھاتے، کیوں کہ وہ جلدی مال کمانا چاہتے ہیں، اور حالات بھی اس کے مدد گار ہیں، اعلانات جلد از جلد مالداری حاصل کرنے اور اپنی آمدنی کو دوگُنا کرنے کی دعوت دیتے ہیں، مالی ادارے، جیسے بینک وغیرہ کی طرف سے پیش کئے جانے والے بعض پروگرام جلد از جلد مالدار بن جانے کی دعوت دیتے ہیں، اور بیچارہ انسان جلد کمانے کے چکر میں حرام میں پڑ جاتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے اسی مناسبت سے ایک عظیم ہدایت دیتے ہوئے ہمیں چند نصیحتیں کی ہیں، مستدرک حاکم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جلد کمانے کی رغبت رکھنے والوں سے فرمایا – کم وقت میں زیادہ مال کمانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص سود کھائے، یا کسی لاٹری «یا نصیب» میں خریدے، یا لوگوں

کو دھوکہ دے، یا سادہ لوح انسانوں کو وَھمی یا خیالی منصوبوں کا جھانسہ دے، اور کم وقت میں مالدار بننے کا خواب دیکھے، ایسا شخص اصل حدیث سے غافل ہے: «لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ» وہ گوشت جنت میں داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پروان چڑھا ہو۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم میں سے کوئی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنا مکمل رزق حاصل نہ کر لے۔ یہ تو آپ ﷺ کی طرف سے تو وضاحت ہے، اور آ پ کی وصیت یہ ہے،فرمایا: «فَلَا تَسْتَبْطِئُوا الرِّزْقَ، وَاتَّقُوا اللهَ أَيُّهَا النَّاسُ، وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ،وَخُذُوا مَا حَلَّ، وَدَعُوا مَا حَرَّمَ»(۱۰۸) ترجمہ: تو رزق کے ملنے میں تاخیر کو غلط نہ سمجھو،، اے لوگو اللہ سے ڈرو اور طلب کرنے میں میانہ روی اختیار کرو، جو حلال ہے اسے لےلو اور جو حرام ہے اسے چھوڑ دو۔ اس حدیث میں وضاحت بھی ہے اور وصیت بھی۔

ڈرو نہیں لیکن بیٹھو بھی نہیں بلکہ حرکت کرو، اس منہج کے ضمن میں حرکت کرو: مانگنے میں میانہ روی اختیار کرو اور حرام کو چھوڑ دو۔

سبب سوم:

وہ لوگ لا پرواہی کی وجہ سے حرام کھاتے ہیں، یہ ایک لاعلاج بیماری ہے کہ انسان اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس نے یہ مال کہاں سے لیا۔ صحیح بخاری میں

---

(۱۰۸) مستدرک (۲/۴)، ابن ماجہ (۲۱۴۴)۔

نبی ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: «**لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ بِمَا أَخَذَ المال، أَمِنْ حَلَالٍ أَمْ مِنْ حَرَامٍ؟!**»[۱۰۹] ترجمہ: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جب آدمی یہ پرواہ کرنا چھوڑ دے گا کہ کس سے مال لیا، آیا وہ حلال تھا یا حرام؟!

آخر میں اس ہدایت اور حکم نبوی کے خاتمے کے طور پر میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کرتا ہوں جس میں انہوں نے فرمایا: «جس کسی نے حرام مال کھایا اس کے اعضاء گنہگارہ ہوگئے، چاہے وہ اس بات کو مانے یا نہ مانے، اور چاہے وہ اس سے واقف ہو یا نہ ہو»۔ تو جو بھی حرام لقمہ پیٹ میں داخل ہوتا ہے وہ ان اعضاء کو حرام کی طرف بلاتا ہے، «**ومَنْ كانَتْ طعمتُه حلالًا أطاعَتْه جوارحُه ووُفِّقَتْ للخيراتِ**»[۱۱۰] ترجمہ: جس کی غذاء حلال ہوتی ہے اس کے اعضاءاس کی اطاعت کرتے ہیں اور اسے خیر کی توفیق ملتی ہے۔

---

(۱۰۹) بخاری (۲۰۸۳)۔

(۱۱۰) احیاء علوم الدین (۲/۹۱)۔

(۱۰)

لا إيمانَ لِمَنْ لا أمانةَ لهُ

اللہ نے امانت ادا کرنے کا حکم دیا، ارشاد باری ہے: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ ٱلْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِٱلْعَدْلِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ ﴾[النساء: ۵۸]

ترجمہ: (مسلمانو) یقینا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

اللہ نے مومنین کی صفات شمار کرتے ہوئے امانت کی حفاظت کو ان میں ذکر کیا، ارشاد فرمایا: ﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِأَمَٰنَٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَٰعُونَ ﴿٨﴾ ﴾[المؤمنون: ۸]

ترجمہ: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔

خیانت سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَخُونُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓاْ أَمَٰنَٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ ﴾[الأنفال: ۲۷]

ترجمہ: اے ایمان والو ! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا۔

آج ہمارا موضوع مسند احمد کی وہ حدیث ہے جسے حضرت انس نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ**»(۱۱۱) ترجمہ: اس شخص کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں جو امانتدار نہیں۔

یہ حدیث جامع ہے اور امانتوں کی ادائیگی ہی ایمان کے وجود کی سچی دلیل اور ایمان اور امانت کے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے، لہذا جو امانت ادا کرتا ہے، یہ اس کی ایمانی قوت کا واضح ثبوت ہے اور ہم جسے امانت میں کمزور دیکھیں تو؛ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا ایمان کمزور ہے۔

ترمذی کی حدیث میں ہمارے نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: «**المسلِمُ مَنْ سَلِمَ المسلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ**»(۱۱۲) ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے مال اور جان کے حوالے سے مامون ہوں۔

یہ ہے ایمان اور امانت کے درمیان ربط، اس خلق عظیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یہ ایمان سے مربوط ہے۔

معلوم ہوا کہ ایمان کا امانت سے گہرا تعلق ہے، اسی لیے حضرت عمر رضی

---

(۱۱۱) مسند احمد (۳/۱۳۵)۔

(۱۱۲) احمد (۲/۳۷۹)، ترمذی (۲۶۲۷)، نسائی (۴۹۹۵)۔

اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَا تَنْظُرُوا إِلَى صِيَامِ أَحَدٍ وَصَلَاتِهِ، وَلَكِنِ انْظُرُوا إِلَى صِدْقِ حَدِيثِهِ إِذَا حَدَّثَ، وَأَمَانَتِهِ إِذَا ائْتُمِنَ، وَوَرَعِهِ إِذَا أَشْفَى»(۱۱۳) ترجمہ: کسی کے صوم و صلوٰۃ کی طرف نہ دیکھو، بلکہ اس کی سچائی کی طرف دیکھو جب وہ بولے، اس کے امانتداری کی طرف دیکھو جب اسے امانت دی جائے، اور اس کے ورع و تقویٰ کی طرف دیکھو جب اسے سلطنت حاصل ہو یعنی جب اسے بادشاہت حاصل ہو اور اس کے لیے خزانے کھول دیئے جائیں اور اسے تصرف کا حق حاصل ہو، یعنی جب اسے بادشاہت حاصل ہو توتم اسے متقی پاوگے۔

اگلی سطور سے ہمیں یہ معلوم ہوجائے گا کہ امانت صرف مال کی حفاظت تک محدود نہیں ہے، چنانچہ مال کی حفاظت کرنے والے کو خزانے کا امین کہتے ہیں، اسی طرح امانت کی صورتیں کئی ایک ہیں: حاکم اپنی حکومت کا امین ہے اور حکومت ایک امانت ہے، صاحبِ منصب اپنے منصب کا امین ہے اور منصب ایک امانت ہے، ملازمت کرنے والا اپنی ملازمت کا امین ہے اور ملازمت ایک امانت ہے، قلم کار اپنی تالیف کا امین ہے اور تالیف بھی ایک امانت ہے، اسی طرح ہم میں سے ہر شخص اپنے گھر کا امین ہے اور اپنے گھر کی نگہداشت کرنا بھی امانت ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عامل نہیں بنائیں گے – میں چاہتا

---

(۱۱۳) الزهدابو داود (٦٤)، الورع (٢١٤)، حلیۃ الاولیاء (٣/٢٧)، سنن کبریٰ(٦/٢٨٨)۔

ہوں کہ مجھے کوئی منصب تفویض کر دیں، یعنی کسی صوبے کا مجھے والی بنادیں وہ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے میرے کندھے پر اپنے ہاتھ سے مارا اور فرمایا: «**يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّك ضَعِيفٌ**»ترجمہ: اے ابو ذر! تم کمزور ہو۔ ابو ذر ایسے صحابی ہیں جن کیا آپ ﷺ کی زبان پر ذکر خیر ہوتا تھا، «**وَإِنَّها أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ القِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا**»(۱۱۴) ترجمہ: یہ امانت ہےاور یہ قیامت کے دن شرمندگی و ندامت کا سبب بنے گی، سوائے اس شخص کے جس نے اس کو حق کے ساتھ لیا اور پوری وفاداری کے ساتھ اپنے واجبات کو ادا کیا۔

اے مومن بندے کسی بھی ذمہ داری سے خوش نہ ہو، کیوں کہ یہ ایک بھاری امانت ہے، لہذا جب تم سے یہ چھین لی جائے تو خوش رہو اور خود کو خوش بخت سمجھو، کیوں کہ تمہارے کندھے سے ایک عظیم بوجھ ہٹا لیا گیا ہے۔

امانت «ربانی عادت» ہے، جس کے ذریعہ مخلوق کے ساتھ ایسا برتاو کرو کہ خالق راضی ہو جائے۔ خود سے یہ کہہکر جواز نہ ثابت کرو کہ فلاں نے میرے ساتھ خیانت کی اس لیے میں بھی خیانت سے کام لوں، کیوں کہ پورا معاشرہ خیانتوں سے بھرا پڑا ہے، اس لئے میں بھی ان میں شامل ہوجاوں!! ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**أَدِّ الأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ،وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ**»(۱۱۵)ترجمہ: جس

---

(۱۱۴) مسلم (۱۸۲۵) ۔

(۱۱۵) ابو داود (۳۵۳۵)، ترمذی (۱۲۶۴) ۔

نے تمہیں امانت دی ہے اسے واپس کر دو، اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کیا اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو۔

یہ مومن کی عادت نہیں ہے، اگر تمہارے ساتھ خیانت کا معاملہ کیا گیا تو تم ایسا نہ کرو، «**أَدِّ الأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ،وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ**»[(١١٦)] ترجمہ: جسنے تمہیں امانت دی ہے اسے واپس کردو، اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کیا اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو۔

دین سے سب سے پہلے اٹھائی جانے والی چیز امانت ہے، اور ہم سب کو یہ معلوم ہے کہ دینی احکام یکے بعد دیگرے اٹھالئے جائیں گے۔ معجم طبرانی کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: «**إِنَّ أَوَّلَ مَا تَفْقِدُونَ مِنْ دِينِكُمُ الأَمَانَةُ**»[(١١٧)] ترجمہ: تم لوگ سب سے پہلی چیر جو اپنے دنی سے کھو دوگے وہ امانت ہے۔

جب امانت ضائع کی جائے گی تو معاشرہ میں اس کے ضیاع کا اثر ہوگا اور معاشرے میں اس کے ضیاع کا اثر محسوس ہوگا، امانت ضائع کرنے کا پہلا اثر یہ ہوگا کہ ایمان کمزور ہو جائے گا، اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ نے ارشاد فرمایا: «**لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ**»ترجمہ: اس شخص کا کوئی ایمان

---

(١١٦) ابو داود (٣٥٣٥)، ترمذی (١٢٦٤)۔

(١١٧) المعجم الکبیر (٧/ ٢٩٥، ٧١٨٢) عبد الرزاق (٣/ ٣٦٣)، وابن ابی شیبہ (١٩/ ٥٥٥)، حاکم (٤/ ٥٠٤)۔

نہیں ہے جو امانتدار نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس کے پاس ایفائے عہد نہیں۔ یہی آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے؛ معاشرہ میں جب بھی خیانت کی کثرت ہو جائے تو سمجھ لو کہ ایمان کمزور ہو گیا۔

امانت ضائع کرنے کا دوسرا اثر:

نفاق جیسی آفت کا پھیلنا، یہ سب سے خطرناک آفت ہے، جب امانت ضائع کی جاتی ہے تو معاشرہ میں منافقین کی کثرت ہو جاتی ہے، جب بھی تم منافقین کی کثرت دیکھو ، تو جان لو کہ امانت ضائع ہو رہی ہے، بخاری کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»[(۱۱۸)] ترجمہ: چار چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں پائی جائیں وہ پورا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو اس میں نفاق کی اتنی ہی خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے نہیں چھوڑ دیتا: جب امانت دی جائے تو وہ خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب معاہدہ کرے تو توڑ دے اور جب لڑے تو گالی دے۔ جب معاشرے میں امانتیں ضائع ہونے لگیں گی، تو یہ آفت پیدا ہو جائے گی، اور یہ نفاق کی آفت ہے۔

(۱۱۸) بخاری (۳۴)، ومسلم (۵۸) ۔

تیسری علامت – سب سے خطرناک -:

گزشتہ دونوں اثروں کے وجود کا یہ حتمی نتیجہ ہے، جب ایمان کمزور ہوجائے اور نفاق کی کثرت ہونے لگے تو یہ تیسرا اثر رونما ہوتا ہے، وہ ہے مفہوموں کا خلط ملط ہونا، جب امانتیں ضائع کی جاتی ہیں تو مفہوم خلط ملط ہو جاتے ہیں اور حقائق بدل دیئے جاتے ہیں اور معقول بات غیر معقول بن جاتی ہے اور غیر معقول بات معقول بن جاتی ہے، تو اس طرح سے مفہوم تبدیل ہو جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نےارشاد ہے: «سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ يُصَدَّقُ فِيهَا الكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ»،قيلَ: وماالرُّوَيْبضةُ يا رَسولَ اللهِ؟قال: «الرَّجُلُ التَّافِهُ يَتَكَلَّمُ فِيأَمْرِالعَامَّةِ»[۱۱۹] ترجمہ: لوگوں پر بہت سے سال ایسے آئیں گے جن میں دھوکا ہی دھوکا ہوگا۔ اس وقت جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا، بددیانت کو امانت دار تصور کیا جائے گا اور امانت دار کو بددیانت اور رویبضہ (گرے پڑے نااہل لوگ) قوم کی طرف سے نمائندگی کریں گے۔ عرض کیا گیا: رویبضہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ نااہل اور بے قیمت آدمی جو جمہور کے اہم معاملات میں رائے دیں گے۔ یہ مفہوموں کا خلط ملط ہونا ہی تو ہے کہ مشہور جھوٹے کو سچا سمجھا جا رہا ہے اور سچے خیر خواہ کو جھوٹا گردانا جارہاہے،

(۱۱۹) احمد (۲/۲۹۱)، وابن ماجہ (۴۰۳۶) ۔

وہ خیانت کرنے والا جس کی خیانت روز روشن کی طرح عیاں ہے اسے امین سمجھا جارہاہے، اور امین کو خیانت کرنے والا شمار کیا جارہاہے، عوام کی نا اہل لوگ کر رہے ہیں، کیوں کہ انہیں ہی بولنے کا ڈھنگ آتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «**إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ**»، قيلَ: يا رسولَ اللهِ، وكيفَ إضاعتُها؟ قالَ: «**إِذَا أُسْنِدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ**»(۱۲۰) ترجمہ: جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! امانت ضائع کرنے کی شکل کیا ہوگی؟ فرمایا: جب حکومت کسی نا اہل کو دے دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ یہ مفہوم کے خلط ملط ہونے کا نتیجہ ہی تو ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے حدیث جامع میں ارشاد فرمایا: «**لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ**» ترجمہ: اس شخص کے لیے ایمان نہیں جس کے لیے امانت نہیں، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ معاشرے میں دو باتیں پروان چڑھیں گی، جب ایمان مضبوط ہو گا تو امانت پروان چڑھے گی اور معاشرے میں پائی جائے گی۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس مال غنیمت لایا گیا اور ان کے سامنے اسے جمع کیا گیا تو کیا دیکھتے ہیں ان مال غنیمت میں کسریٰ کا تاج اور اس کے دو کنگن تھے جو سونے اور جواہرات سے مرصع تھے، تو انہیں تعجب

---

(۱۲۰) بخاری (۶۴۹۶)۔

ہوا کہ اِس مال غنیمت میں یہ بھی ہے، انھوں نے صحابہ کے حضور فرمایا: «وَاللهِ إِنَّ الَّذِي أَدَّى إِلَيْنا هَتذا لَأَمينٌ»، يَعنِي: الَّذي جاءَ لنا بهذا التاجِ وهو قادرٌ على إخفائِه، وسرِقته، والاحتِفاظِ به لنفسِه. فقالَ رجلٌ: يا أميرَ المُؤمِنين، أنتَ أمينُ اللهِ، يُؤدُّون إليكَ ما أَدَّيْت إلى اللهِ، فإذا رتَعْتَ رتَعوا[۱۲۱] ترجمہ: بخدا جس نے یہ ہمیں لا کر دیا وہ امین ہے یعنی جو اس تاج کو لے کر آیا وہ اسے چھپانے اور چرانے پر قادر تھا اور اس بات پر قادر تھا کہ اسے اپنے پاس رکھ لے۔ ایک شخص نے کہا: اے امیر المومنین، آپ اللہ کے امین ہیں، اور جب تک آپ اللہ کی امانت پوری پوری ادا کرتے رہیں گے، یہ لوگ بھی آپ کی امانت پوری پوری ادا کرتے رہیں گے، اور اگر آپ عیش پسند ہو جائیں گے وہ بھی عیش پسند ہو جائیں گے۔ یہی اصول ہے : جب آپ عیش پسند ہوجاوگے تو لوگ بھی عیش پسند ہو جائیں گے۔

(۱۲۱) امام شافعی (۵/۳۵۲-۳۵۴)، سنن کبری (۶/۳۵۷)۔

(١١)

مَن لا یَرحمُ لا یُرحَمُ

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ»[١٢٢] ترجمہ: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ یہ حدیث جامع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی رحمت اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، تو جو چاہتا ہے کہ وہ رحمت سے سرفراز ہو تو اسے چاہئے کہ وہ مخلوق پر رحم کرے، جتنا تم رحم کروگے اسی قدر تم پر رحم کیا جائے گا، جو رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے یعنی جس قدر تم رحم کروگے اسی قدر تم پر رحم کیا جائے گا؛ یہ حدیث جامع ہے جسے امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔

آپ سب جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اوپر رحم کرنا لازم کر رکھا ہے، چنانچہ سورہ انعام میں کئی جگہ ارشاد فرمایا: ﴿قُل لِّمَن مَّا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ قُل لِّلَّهِۚ كَتَبَ عَلَىٰ نَفۡسِهِ ٱلرَّحۡمَةَۚ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ إِلَىٰ يَوۡمِ ٱلۡقِيَٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيهِۚ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ١٢﴾[الأنعام: ١٢]

---

(١٢٢) بخاری (٥٩٩٧)، ومسلم (٢٣١٨)۔

ترجمہ: (ان سے) پوچھو کہ : «آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟» (اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ: «اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ (اس لیے توبہ کر لو تو پچھلے سارے گناہ معاف کردے گا) وہ تم سب کو ضرور بالضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، (لیکن) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لیے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ (اس حقیقت پر) ایمان نہیں لاتے۔

دوسرے مقام پر وہ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا جَآءَكَ ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَـٰتِنَا فَقُلْ سَلَـٰمٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُۥ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوٓءًۢا بِجَهَـٰلَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُۥ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥٤﴾[الأنعام: ٥٤]

ترجمہ: اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو: سلامتی ہو تم پر! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کرلیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

باری تعالی نے اپنی صفت رحمت کو بیان کیا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿وَرَبُّكَ ٱلْغَنِىُّ ذُو ٱلرَّحْمَةِ﴾[الأنعام: ١٣٣]

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار ایسا بے نیاز ہے جو رحمت والا بھی ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ﴾ [الأنعام: ١٤٧]

ترجمہ: پھر بھی اگر یہ (کافر) تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ: تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے اور اس کے عذاب کو مجرموں سے ٹالا نہیں جاسکتا۔

پروردگار عالم نے بتا دیا کہ رحمت اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی اپنے بندوں پر رحمت کی بارش برساتا ہے، بلکہ تمام بنی نوع انسان پر رحمت کی بارش کرتا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿مَّا يَفْتَحِ ٱللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ۝٢﴾ [فاطر: ٢]

ترجمہ: جس رحمت کو اللہ لوگوں کے لیے کھول دے، کوئی نہیں ہے جو اسے روک سکے اور جسے وہ روک لے تو کوئی نہیں ہے جو اس کے بعد اسے چھڑا سکے۔ اور وہی غالب ہے اور حکمت کا مالک ہے۔

اللہ تعالی نے اپنے نبی کی زبانی بیان فرمایا کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی، اس کی رحمت اس کے غضب سے سبقت لے گئی، یہ دونوں روایتیں صحیح بخاری میں منقول ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**لَمَّا قَضَى اللهُ الخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ العَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي**»، وفي رِوايةٍ: «**إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي**»[١٢٣] اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو

---

(١٢٣) بخاری (٣١٩٤)، ومسلم (١٤/٢٧٥١)۔

عرش کے اوپر اپنے پاس لکھ کر رکھ لیا: بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی، دوسری روایت میں ہے: بیشک میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی ہے۔

رحمت کی شان میں سب سے زیادہ قابل ذکر چیز یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کا بڑا حصہ اپنے پاس ذخیرہ کر رکھا ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے اور اس نے زمین پر رحمت کا صرف ایک حصہ اتارا ہے اور اسی ایک حصے کی وجہ سے دنیا میں لوگ آپس میں رحمت کا معاملہ کرتے ہیں ۔

صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «**إِنَّ للهِ مِئَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الجِنِّ وَالإِنْسِ وَالبَهَائِمِ وَالهَوَامِّ، فَبِهَا يَتَعَاطَفُونَ، وَبِهَا يَتَرَاحَمُونَ، وَبِهَا تَعْطِفُ الوَحْشُ عَلَى وَلَدِهَا**»(١٢٤) ترجمہ: بیشک اللہ کی رحمت سو حصے ہیں ان میں سے انس وجن اور چوپایوں اور جانوروں کے درمیان صرف ایک حصہ نازل کیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے شفقت ورحمت کا معاملہ کرتے ہیں اور اس سے وحشی جانور اپنے بچوں پر مہربان ہوتے ہیں۔اللہ کی رحمت سوحصے ہیں اس نے آسمانوں اور زمین کی خلقت سے لے کر تا قیام قیامت رحمت کا صرف ایک حصہ نازل کیاہے، چنانچہ انس و جن، جانور، چوپائے، اور سارے مخلوق کے درمیان ہم جو باہمی رحم کے معاملات دیکھتے ہیں، وہ سب صرف اسی رحمت کے ایک حصے کی بنیاد پر ہے۔

---

(۱۲۴) صحیح مسلم (۲۷۵۲) و بخاری (۶۰۰۰) ۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ فرمان بشارت ہے اس پر خوشی مناو اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ فرمایا: «وَأَخَّرَ اللهُ تِسْعًا وَ تِسْعِينَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ القِيَامَةِ» ترجمہ: اللہ نے رحمت نناوے حصوں کو موخر کر رکھا ہے جن کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ یہ رحمت کا ایک ہی حصہ ہے جو ہمیں دنیا میں دکھائی دیتا ہے، تو ہمارا دل اس ایک رحمت سے مچل جاتا ہے اور ہماری آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، جب کہ اللہ نے اپنے پاس نناوے رحمتیں جمع کر رکھا ہے جس کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔

اے اللہ اے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں رحمتیں ہی رحمتیں ہیں دنیا اور آخرت میں ہمیں اپنی رحمت میں شامل رکھنا! آمین

اس رحمت کے حصول کے اسباب بہت زیادہ ہیں اور عقلمند وہی ہے جو ان اسباب کو اپنائے تاکہ یہ رحمتیں اسے حاصل ہوں، میں خود کو اور تم لوگوں کو چھ کام بتاتا ہوں، یہ کام رحمت کی کنجیاں ہیں۔

رحمت کے اسباب:

سبب اول:

ایمان و تقوی کا پایا جانا، جس قدر تمہارے پاس ایمان و تقویٰ ہوگا اسی قدر تمہیں اللہ کی رحمت سے حصہ ملے گا، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ وَمَن

ٱلۡأَعۡرَابِ مَن يُؤۡمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَٰتٍ عِندَ ٱللَّهِ وَصَلَوَٰتِ ٱلرَّسُولِۚ أَلَآ إِنَّهَا قُرۡبَةٞ لَّهُمۡۚ سَيُدۡخِلُهُمُ ٱللَّهُ فِي رَحۡمَتِهِۦٓۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ﴿٩٩﴾ [التوبة: ٩٩]

ترجمہ: اور دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ (اللہ کے نام پر) خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کے پاس قرب کے درجے حاصل کرنے اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں یہ ان کے لیے یقینا تقرب کا ذریعہ ہے۔ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

چونکہ انہوں نے ایمان و تقویٰ کو یقینی بنایا، اس لئے عنقریب اللہ تعالی ان پر رحم کرے گا، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَيُدۡخِلُهُمۡ رَبُّهُمۡ فِي رَحۡمَتِهِۦۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡمُبِينُ ﴿٣٠﴾ ﴾ [الجاثية: ٣٠]

ترجمہ: چناں چہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، توانکو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی واضح کامیابی ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَءَامِنُواْ بِرَسُولِهِۦ يُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَيۡنِ مِن رَّحۡمَتِهِۦ وَيَجۡعَل لَّكُمۡ نُورٗا تَمۡشُونَ بِهِۦ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ﴿٢٨﴾ ﴾ [الحديد: ٢٨]

ترجمہ: اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو، اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے، اور تمہارے لیے وہ نور پیدا کرے جس کے ذریعے تم چل سکو، اور تمہاری بخشش فرمادے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

رحمت کا ایک اور سبب:

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ، آپ کے اقوال کی پیروی اور آپ کی سنت کی اتباع ہے، یہ بھی رحمت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے، لہذا جب تم سے کسی چیز کے متعلق کہا جائے کہ یہ سنت ہے تو اسے اختیار کر لو اور چھوڑو نہیں، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾﴾ [آل عمران: ١٣٢]

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کی بات مانو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾﴾[النور: ٥٦]

ترجمہ: اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ تو آپ ﷺ کے ارشادات کی اطاعت رحمت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

رحمت کا ایک اور سبب:

ابتداءِ خطبہ میں جو حدیث پیش کی گئی، اس میں پوری وضاحت کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ مخلوق پر رحم کرو، یہ بھی رحمت پانے کا ایک ذریعہ ہے چنانچہ رحمدل بن جاو، اپنے گھر والوں کے ساتھ ، اپنی بیوی کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ اور اپنے خدمت گاروں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، اپنے پڑوسیوں پر رحم کرو، راہ چلتے لوگوں پر رحم کرو، خرید و فروخت کرتے وقت رحم کرو، اس وقت بھی رحم کرو جب فیصلہ کر رہے ہو، اپنے کارخانہ میں، اپنے کھیت میں، اپنی آفس میں رحیم بنو، تم سے رحمت ہی پھیلے جب تم رحم کرو گے تو تم پر بھی رحم کیا جائے گا، یہ بھی رحمت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، مخلوق کے حوالہ سے تمہارے پاس جتنا رحم ہو گا اتنا ہی تمہارے ساتھ رحم کیا جائے گا۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ**»[۱۲۵] ترجمہ: بیشک اللہ اپنے رحمدل بندوں پر رحم کرتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «**الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، ارْحَمُوا أَهْلَ الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ**»[۱۲۶] ترجمہ: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

---

(۱۲۵) بخاری (۱۲۸۴)، ومسلم (۹۲۳)۔

(۱۲۶) احمد (۲/۱۶۰)، ابو داود (۴۹۴۱)، ترمذی (۱۹۲۴)۔

مسلم نوجوانوں اور میرے دینی بھائیوں، یہ ہے اسلام کا پیغام، یہ ہے اسلام، روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں پر رحم کرو، اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا، جس قدر تم اہل زمین پر رحم کروگے آسمان والا اسی قدر تم پر رحم کرے گا۔

یہ رحم صرف انسانوں میں محدود نہیں ہے بلکہ تمام مخلوق کو محیط ہے، ان چوپایوں کو بھی شامل ہے جنہیں اللہ نے ہمارے لیے مسخر کردیا ہے، ان چوپایوں کو بھی شامل ہے جو ہمارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ذرا اس شخص کو دیکھو کہ اس سے کتنی رحمت اُمڈ رہی ہے، یہ اپنے آپ میں بڑی حرج محسوس کررہا تھا، اور بڑی تکلیف میں مبتلاء تھا - اس شخص نے عرض کی: یارَسولَاللہ! ﷺ میں بکری ذبح کرتا ہوں تو بھی اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرتا ہوں، - گوشت اسکا خود کھا رہا ہے، اپنے بچوں کو کھلارہا ہے،اوراپنے مہمانوں کو بھی کھلارہاہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللهُ**»(١٢٧) ترجمہ: اگر تم نے بکری پر رحم کیا تو اللہ تم پر رحم کرے گا۔

دیکھو تو سہی ذبح کرتے ہوئے! چراتے اور چارا دیتے ہوئے نہیں بلکہ ذبح کرتے

---

(١٢٧) احمد (٣/٤٣٦)۔

وقت، چھری کو اس کی گردن پر چلاتے وقت بھی! اگر تم اس پر رحم کروگے تو اللہ تم پر رحم کرے گا، ذرا مجھے بتاو تو سہی کہ اس دین سے بڑھ کر اور کوئی دین ہے؟

یہ مغرب والے کافر ہمارے دین کو بد نام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دہشت گردی کا دین ہے، یہ باتسراسر جھوٹ ہے، ہمارا دین تو دینِ رحمت ہے۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں ایک حدیث نقل کی ہے ، حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گھر آئی، یہ فقیر عورت تھی، مسکین تھی، کچھ مانگنے کے لئے آئی تھی، اس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا، اپنے ساتھ دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی لائی جو بھوک سے بلک رہے تھے، سبھی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گھر کے دروازہ پر رکے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نکلیں، انہیں اپنے گھر میں تین کھجوروں کے علاوہ کچھ نہ ملا – نبی کے گھر میں صرف تین کھجوریں ہی موجود تھیں- تو انہوں نے اس غریب مانگنے والی کے ہاتھ میں دے دیں، تو اس نے ایک ایک کھجور دونوں چھوٹے بچوں کو دیا، تیسری کھجور اپنے منہ کے پاس لے کر گئی ہی تھی کہ کیا دیکھتی ہے اس کے بچے اپنی کھجور کھا کر اپنی ماں کو دیکھ رہے تھے گویا زبان حال سے کہہ رہے تھے: اپنے ہاتھ والی بھی دے دو۔ اس رحمدل ماں کا دل دیکھو ، اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچوں کو دے دیا اور بغیر کھائے ہی چلتی بنی۔ جب نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لائے تو سیدہ عائشہ نے سارا ماجرا سنایا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «وَمَا يُعْجِبُكِ مِنْ ذَلِكَ؟!» ترجمہ: اس

میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یعنی تعجب کی بات یہ نہیں بلکہ تعجب کی بات تو اور ہے۔ «**لَقَدْ رَحِمَهَا اللهُ بِرَحْمَتِهَا صَبِيَّيْهَا**»(۱۲۸) ترجمہ: اپنے دونوں بچوں پر رحم کرنے کی وجہ سے اللہ نے اس عورت پر رحم کر دیا۔

وہ رحم جو باپ اپنے بچے پر کرتا ہے وہ اللہ کی رحمت کا سبب بنتا ہے، اسی لیے جب ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس نے دیکھا کہ آپ اپنے بیٹوں کو بوسہ دے رہے ہیں تو اس نے کہا: کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟ بخدا، میرے دس بیٹے ہیں، میں نے انہیں کبھی بوسہ نہیں دیا، آپ نے ارشاد فرمایا: «**أَوَأَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ!**»(۱۲۹) ترجمہ: کیا تمہارے دل سے اللہ کی رحمت نکال لی کا مجھے حق حاصل ہے!

چوتھا سبب یہ ہے کہ جس قدر رحم کرو گے اسی قدر رحم کیا جائے گا، اور یہ مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ ہے۔

سبب پنجم:

اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن کریم کو پڑھنے پڑھانے، سننے اور سنانے کے لئے اکٹھا ہونا بھی رحمت کا ایک ذریعہ ہے، صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ،**

---

(۱۲۸) الادب المفرد (۸۹)۔

(۱۲۹) مسلم (۲۳۱۷)بخاری(۵۹۹۷)، ومسلم (۲۳۱۸)۔

يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ المَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»[۱۳۰] ترجمہ: جب کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہے اور اسے آپس میں سیکھتی اور سکھاتی ہے تو ان پر سکون اور اطمنان نازل ہوتا ہے، ان پر رحمت چھا جاتی ہے، ملائکہ انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور اللہ اپنے مقربین میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ یہ کا بھی رحمت کا سبب ہے۔

مولائے کریم سے اس کے اسمائے حسنی اور صفات علیا کا واسطہ دے کر دعاء کرتا ہوں کہ وہ مجھے، تم کو اور ہمارے والدین کو اپنی رحمت اور فضل عطا فرمائے۔

اسباب رحمت کا چھٹا سبب

مصیبت پر صبر کرنا اور اس سے چھٹکارا پانے کیلئے اللہ تعالی کے حضور حاضر ہونا ۔ ہم میں ایسا کون ہے جسے مصیبت آتی؟ ہم میں کون ہے جسے کوئی تکلیف نہیں آتی؟ ہم میں کون ہے جسے کوئی مصیبت نہیں آتی؟ یہ مصیبت چھوٹی ہو یا بڑی۔ لیکن عقلمند وہی ہے جو اس بلاء ومصیبت کے آنے کے بعد یہ امید رکھتا ہے کہ اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اس لیے وہ صبر سے کام لیتا ہے اور ارشاد باری کو یاد کرکے ثابت قدم رہتا ہے

(۱۳۰) مسلم (۲۶۹۹)۔

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ” ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں، اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں۔

بہرحال معلوم یہ ہوا کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا اور جو جس قدر رحم کرے گا اسی قدر اس پر رحم کیا جائے گا، تو اے رحمتوں کے تلاش کرنے والے، تم پر لازم ہے کہ تم اپنے علاوہ مخلوق خداوندی کے ساتھ بھی رحم کا معاملہ کرو۔

(١٢)

أَكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ: لا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ

شرعی اذکار کا دین میں بہت بلند مقام ہے اور مومنین کے دلوں میں اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے، شرعی اذکار بہت زیادہ قربِ الٰہی پیدا کرنے والے اعمال اور بڑی شان والی عبادتوں میں شمار ہیں ؛ اسی لیے مولائے کریم نے خوب کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾﴾[الأحزاب: ٤٢-٤١]

ترجمہ: اے ایمان والو ! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَٱلذَّٰكِرَٰتِ أَعَدَّ ٱللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾﴾ [الأحزاب: ٣٥]

ترجمہ: اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ كَمَثَلِ الحَيِّ

وَالمَيِّتِ»[۱۳۱] ترجمہ: اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔

ہمارا آج کا موضوع عظیم اذکار میں سے ایک ذکر کے بارے میں ہے، نبی ﷺ نے ہمیں خوب ذکر کرنے کا حکم دیا، اس ذکر کو میں سابقہ جوامع الکلم کے ساتھ جوڑتا ہوں۔

یہی وہ ذکر ہے جسے ہمیں خوب کثرت سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **«أَكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ»**[۱۳۲] ترجمہ: لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو کیوں کہ یہ جنت کے خزانے میں سے ایک خزانہ ہے۔

«لا حولَ ولا قُوةَ إلَّا بالله» یعنی اللہ کی مدد اور اس کی توفیق کے بغیر کوئی قوت نہیں ہے۔

«لا حولَ ولا قُوةَ إلَّا بالله» کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **لا تَحوُّلَ بِنا إلى العملِ بالطاعةِ إلَّا باللهِ، ولا تَحوُّلَ عَنْ تركِ المَعصيةِ إلَّا باللهِ**[۱۳۳] ترجمہ: طاعت پر عمل کی طرف ہماری طاقت نہیں ہے مگر اللہ کی مدد

---

(۱۳۱) بخاری (۶۴۰۷)۔

(۱۳۲) احمد (۲/۳۳۳)۔

(۱۳۳) در المنثور یسوطي (۵/۳۹۳)۔

سے اور معصیت چھوڑنے کی طاقت بھی نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے۔

یہ طاقت و قوت اللہ کی مدد سے ہے۔

«**لا حولَ ولا قُوةَ إلَّا بالله**» شر کو دور نہیں کیا جاسکتا مگر اللہ کی مدد سے اور خیر کو حاصل نہیں کیا جاسکتا مگر اللہ کی مدد سے، جیسا کہ ابن عباس نے اس کی تفسیر کی(۱۳۴)۔

«**لا حولَ ولا قُوةَ إلَّا بالله**» یہ ایسا کلمہ ہے جس کے ذریعہ اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

«**لا حولَ ولا قُوةَ إلَّا بالله**» بہت سارے لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ اسے مصیبت کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ یہ غلط ہے، لوگ اسے مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت پڑھتے ہیں، جبکہ مصیبت کے نازل ہونے کے وقت **إنَّا لله وإنَّا إليهِ راجِعونَ** پڑھا جاتا ہے۔ وہ کلمہ استرجاع ہے، اور یہ مدد مانگنے کی دعاء ہے، اس لیے «**لا حولَ ولا قُوَّةَ إلَّا بالله**» کو مدد طلب کرتے وقت پڑھا جائے نہ کہ مصیبت کے نازل ہونے کے وقت۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں «**لا حولَ ولا قُوَّةَ إلَّا بالله**» کو خوب کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا ہے کیوں کہ اس کے بہت سے فضائل ہیں، کچھ فضائل کو میں یہاں ذکر کرتا ہوں:

---

(۱۳۴) شرح صحيح مسلم نووي (۱۷/۲۶-۲۷)۔

فضیلت اول

یہ گناہوں کے کفارہ کا سبب ہے، مسند احمد میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا عَلَى الأَرْضِ رَجُلٌ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ الله، وَالحَمْدُ لله، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بالله، إِلَّا كُفِّرَتْ ذُنُوبُهُ وَلَوْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِالبَحْرِ»(۱۳۵) ترجمہ: روئے زمین پر بسنے والا جو شخص یہ دعاء پڑھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ الله، وَالحَمْدُ لله، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِالله تو اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہو، کیا تمہیں یہ فضیلت معلوم تھی؟ یہ اللہ کا فضل عظیم ہے، یہ ہے فضیلت کہ اس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

دوسری فضیلت

یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، لہذا بخاری میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عبد اللہ بن قیس، یہ ابو موسی اشعری کا نام ہے، «قُلْ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ»(۱۳۶) ترجمہ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ پڑھا کرو کیوں کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ یہ ایسا خزانہ ہے جو اللہ کے پاس جنت میں تمہارے لیے جمع کیا گیا ہے،

---

(۱۳۵) احمد (۲/۱۵۸)، ترمذی (۳۴۶۰)۔

(۱۳۶) بخاری (۶۳۸۴)، ومسلم (۲۷۰۴)۔

جب تم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ پڑھتے ہو، تو تم ایک اجر اور ایک عمدہ عبادت اپنے لئے جنت میں جمع کرواتے ہو، جو جنت کے خزانوں کے مشابہ ہوتی ہے

تیسری فضیلت

یہ جنت کی کھیتی ہے، تو ہم میں سے جو کوئی بھی دنیا میں کھیتی اور بوائی کرتا ہے تو وہ اچھے اچھے پھل اور بہترین قسم کی فصل لگاتا ہے اور جنت کی کھیتی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ہے، بخیل ہے وہ شخص جو بخل سے کام لے اور اپنے نفس پر تنگی کرے۔

صحیح ابن حبان میں سالم ابن عبد اللہ بن عمر ابو ایوب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا: «مَنْ مَعَكَ يَا جِبْرِيلُ؟» ترجمہ: جبرئیل تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: محمد ﷺ ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: «يَا مُحَمَّدُ مُرْ أُمَّتَكَ أَنْ يُكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِالله» ترجمہ: اے محمد، اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا کثرت سے ورد کریں۔

ہمارے نبی ﷺ جو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کا کثرت سے ورد کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ در اصل شب معراج میں ابراہیم علیہ السلام کی وصیت ہے، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: «يَا مُحَمَّدُ مُرْ أُمَّتَكَ أَنْ يُكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ: لَا

حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِالله» ترجمہ: اے محمد، اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا کثرت سے ورد کریں۔ نبی ﷺ نے دریافت کیا: «**يَا إِبْرَاهِيمُ وَمَا شَأْنُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ؟**»- قالَ: «**إِنَّهَا مِنْ غِرَاسِ الجَنَّةِ، فَإِنَّ تُرْبَتَهَا طَيِّبَةٌ، وَأَرْضُهَا وَاسِعَةٌ**»(۱۳۷) ترجمہ: اے ابراہیم، لاحول۔۔۔ کی شان کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: یہ جنت کی کھیتی ہے جس کی مٹی عمدہ اور زمین وسیع ہے۔

لاحول کے دیگر فضائل میں سے ایک یہ ہے:

یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، نبی ﷺ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے ، حضرت قیس نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتے تھے، ان کے والد نے انہیں نبی ﷺ کی خدمت کے لیے بھیجا تھا، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے میرے پاس سے گزرتے ہوئے فرمایا: «**يَا قَيْسُ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الجَنَّةِ؟ أَنْ تَقُولَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ**»(۱۳۸) ترجمہ: اے قیس کیا میں تمہیں جنت کے دروازوں میں ایک دروازہ کا پتہ نہ بتادوں؟ وہ یہ کہ تم یہ کلمات پڑھا کرو: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس کے علاوہ اس کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، ہم اپنی شریعت میں پاتے ہیں کہ یہ جملہ «**لا حولَ ولا قُوَّةَ إِلَّا بالله**» ہمارے روز و شب میں ہم

---

(۱۳۷) صحیح ابن حبان (۸۲۱)، احمد (۵/۴۱۸) ۔

(۱۳۸) احمد (۳/۴۲۲)، ترمذی(۳۵۸۱) ۔

سے بہت مضبوطی کے ساتھ مربوط ہے۔

اللہ تمہیں محفوظ رکھے۔ دیکھو جب ہم اپنی یا اپنے کسی بھائی کے پاس دل کو خوش کرنے والے کوئی چیز دیکھتے ہیں تو ہمارے پروردگار نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یوں کہیں: «**لا حولَ ولا قُوَّةَ إلَّا بالله**»۔

سورہ کہف میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿**وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ**﴾ ترجمہ: اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہورہے تھے، ﴿**قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ**﴾ ترجمہ: اس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ ! یہ امر مسنون ہے، جب تمہیں کوئی دل کش چیز نظر آئے تو کہو: لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔کیوں کہ یہ فضل و نعمت اور یہ خیر اللہ کی طرف سے ہے، کسی کو اپنے نفس سے دھوکہ کھاکر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ میری اور میرے آباء و اجداد کی کمائی سے حاصل ہوئی ہے، کیوں کہ وہ جھٹکے میں سب کچھ چھین سکتا ہے۔ ﴿ وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ ٱللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِٱللَّهِ ﴿٣٩﴾ ﴾[الکھف: ٣٩]

ترجمہ: اس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ ! (جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں) ۔

یہ ذکر اس وقت پڑھنا بھی مسنون ہے جب کوئی انسان نیند سے گھبرا کر اٹھے، ہم میں سے کون نہیں گھبراتا ہے؟ تو جب نیند سے گھبرا کر اٹھے، تو اس ذکر کا ورد اپنی زبان پر جاری رکھے۔ بخاری کی ایک حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد نقل

کیا گیا ہے: «مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، الحَمْدُ للهِ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي. أَوْ دَعَا، اسْتُجِيبَ لَهُ، فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلَّى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ»، فإذا قالَ هذا الذِّكرَ، ثُمَّ قالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي. أَوْ دَعَا، اسْتُجِيبَ لَهُ، فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلَّى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ»(۱۳۹) ترجمہ: جسے رات میں نیند نہ آئے تو وہ یہ دعاء پڑھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، الحَمْدُ لله، وَسُبْحَانَ الله، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِالله ترجمہ: نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کے لیے اور ساری تعریف اسی کے لیے وہ ہر چیز پر قادر ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہے، اللہ کی ذات پاک ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اللہ بہت بڑا ہے اور کوئی طاقت اور کوئی قوت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے۔ اور پھر یہ دعاء پڑھے: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي. ترجمہ: اے اللہ میری مغفرت فرمادے۔ پھر دعاء کرے تو اس کی دعاء قبول کر لی جائے گی، اور اگر باوضوء کرکے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز مقبول ہوگی۔

اس ذکر کو ہم نماز کے بعد پڑھتے ہیں اور جب ہم کھانے پینے سے فارغ

---

(۱۳۹) بخاری (۱۱۵۴)۔

ہوتے ہیں تب پڑھتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ أَكَلَ طَعَامًا فَقَالَ: الحَمْدُ لله الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا الطَّعَامَ، وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ. إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(۱۴۰) ترجمہ: جو کھانے سے فارغ ہو کر یہ دعاء پڑھے: الحَمْدُ لله الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا الطَّعَامَ، وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ تو اللہ تعالی اس کے پچھلے تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ ان احسانات اور نعمتوں کو دیکھو، یہ اللہ کی نعمتیں ہیں جو وہ ہمیں عطا کرتا ہے۔

نبی ﷺ جب دشمنوں سے جنگ کرنے کے لیے جاتے تو اپنی قوت و طاقت کو چھوڑ اللہ القوی العزیز سے مدد طلب کرتے اور جنگ کے وقت یہ دعاء پڑھتے رہتے: «اللَّهُمَّ رَبِّي بِكَ أُقَاتِلُ، وَبِكَ أُصَاوِلُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ»(۱۴۱) ترجمہ: اے اللہ میرے پروردگار، تیری مدد سے میں جنگ لڑتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں حملہ کرتا ہوں، کوئی طاقت و قوت نہیں سوائے اللہ کی مدد سے۔

سنن ابو داود میں یہ دعاء نقل کی گئی ہے: «اللَّهُمَّ أَنْتَ عَضُدِي وَنَصِيرِي، بِكَ أَحُولُ، وَبِكَ أَصُولُ، وَبِكَ أُقَاتِلُ»(۱۴۲) ترجمہ: اے اللہ تو ہی میرا معین و مدد گار ہے، تیری مدد سے میں آیا ہوں، تیری ہی مدد سے میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں جنگ کرتا ہوں۔

---

(۱۴۰) احمد (۳/۴۳۹)، وابو داود (۴۰۲۳)، ترمذی (۳۴۵۸)، ابن ماجہ (۳۲۸۵)۔

(۱۴۱) احمد (۴/۳۳۳)۔

(۱۴۲) سنن ابی داود (۲۶۳۲) واحمد (۳/۱۸۴)، ترمذی (۳۵۸۴)۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ بہت عظیم دعاء ہے۔ ابو الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ہمیں اسے خوب کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی ہمیں اس کو خوب کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

یہ دعاء گھر سے نکلنے کے وقت پڑھی جاتی ہے، جب بھی گھر سے نکلو تو اپنی طاقت و قوت سے براءت کر لو اور اللہ قوی کی پناہ میں چلے جاو، اگر تم یہ دعاء پڑھو تو اللہ تمہیں ایسی نعمتیں عطا کرتا ہے جو تمہیں اس بات پر ابھاریں گی کہ تم ہمیشہ گھر سے نکلتے وقت یہ دعاء پڑھو۔

ابو داود میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْتِهِ فَقَالَ: بِسْمِ الله تَوَكَّلْتُ عَلَى الله، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِالله**» ترجمہ: جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعاء پڑھتا ہے: **بِسْمِ الله تَوَكَّلْتُ عَلَى الله، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِالله** یہ تین جملے ہیں، تو اس بندے سے کہا جاتا ہے: «**يُقَالُ حِينَئِذٍ -أي: يُقالُ له-: هُدِيتَ، وَكُفِيتَ، وَوُقِيتَ، وَتَتَنَحَّى لَهُ الشَّيَاطِينُ**» ترجمہ: تمہیں ہدایت دی گئی، تمہیں حفاظت عطا کی گئی اور تمہیں بچا لیا گیا اور شیطان اس سے بھاگتے ہیں۔ دیکھی تم نے یہ خیر ؟ «**يُقَالُ لَهُ: هُدِيتَ، وَكُفِيتَ، وَوُقِيتَ، وَتَتَنَحَّى لَهُ الشَّيَاطِينُ. وَيَقُولُ لَهُ شَيْطَانٌ آخَرُ: كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِيَ وَوُقِيَ**»[۱۴۳] ترجمہ:

(۱۴۳) سنن ابی داود (۵۰۹۵)۔ ترمذی (۳۴۲۶)۔

اسے کہا جاتا ہے: تمہیں ہدایت دی گئی، تمہیں حفاظت عطا کی گئی اور تمہیں بچا لیا گیا اور شیطان اس سے بھاگتے ہیں۔ دوسرا شیطان اس سے کہتا ہے: تم اس بندے کو قبضے میں کیسے کر سکتے ہو جسے ہدایت دے دی گئی، جس کو حفاظت عطا کی گئی اور جسے بچا لیا گیا۔

اللہ کی پناہ اور اس کی مدد مانگنے کے لیے یہ بہت عظیم ذکر ہے۔

اے اللہ کے بندو جب ایسا ذکر جس کا اللہ کے نزدیک اتنا عظیم وعالی مقام و مرتبہ ہو اور ہمیں اسے کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو تو بندے پر لازم ہے کہ رب سے مغفرت اور اجر وثواب کی امید میں اس دعاء کا پابندی سے اہتمام کرے۔

(۱۳)

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ

جان لو کہ انسان کا اصل مال وقت ہے اور وقت آبِ حیات ہے، وقت اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جس سے وہ اپنے بندوں پر اپنا فضل فرماتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿ وَهُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ ٱلَّيْلَ وَٱلنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴾[الفرقان: ٦٢]

ترجمہ: وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں (مگر یہ ساری باتیں) اس شخص کے لیے (کارآمد ہیں) جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا شکر بجا لانا چاہتا ہو۔

وقت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ نے قرآن کریم کے اندر بہت ساری آیتوں میں اس کی قسم کھائی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿ وَٱلَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝١ وَٱلنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝٢ ﴾[اللیل: ۲-۱]

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ اور دن کی جب اس کا اجالا پھیل جائے۔

ارشاد باری ہے: ﴿ وَٱلَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ۝٣٣ وَٱلصُّبْحِ إِذَآ أَسْفَرَ ۝٣٤ ﴾[المدثر: ٣٤-٣٣]

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ منہ پھیر کر جانے لگےاور صبح کی جب اس کا اجالا پھیل جائے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَالضُّحَىٰ ۝١ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝٢﴾ [الضحی: ۲-۱]

ترجمہ: قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی۔ اور رات کی جب اس کا اندھیرا بیٹھ جائے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَالْعَصْرِ ۝١ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝٢﴾ **[العصر:۱-۲]**

ترجمہ:زمانے کی قسم، انسان درحقیقت بڑے گھاٹے میں ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی آیات ہیں جو وقت کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔

گزشتہ جوامع الکلم کے سلسلے کی ایک کڑی ہمارا آج کا موضوع ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ؛ الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ**»[۱۴۴] ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے سلسلے میں بہت سے لوگ دھوکے میں ہیں؛ یہ نعمتیں صحت اور فارغت ہیں۔

یہ دونوں بہت عظیم نعمتیں ہیں جس کا اگر اچھی طرح استعمال نہ کیا جائے تو انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اور بڑے خسارے میں پڑ جاتا ہے، جب وہ اپنی صحت اور اپنے وقت سے فائدہ اٹھا نہیں پاتا۔ اس صحت کو اللہ کی طاعت میں لگاو اور

---

(۱۴۴) بخاری(۶۴۱۲) ۔

اس فارغت کو اللہ کی طاعت سے پُر کرو۔ مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ»[(۱۴۵)] ترجمہ: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو فقیری سے پہلے، فارغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

یہ جو فارغت ہے اسے اگر طاعتوں سے پُر نہیں کیا گیا تو وہ یقینی طور پر اس کے علاوہ دیگر ایسی چیزوں سے پُر ہو جائے گی جس سے اللہ کا تقرب حاصل نہیں ہوگا؛ اسی لیے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: «إِنَّ للهِ حَقًّا بِاللَّيْلِ لَا يَقْبَلُهُ بِالنَّهَارِ، وَحَقًّا بِالنَّهَارِ لَا يَقْبَلُهُ بِاللَّيْلِ»[(۱۴۶)] ترجمہ: بیشک رات کے وقت یمں اللہ تعالی کا جو حق ہے وہ دن کو اسے قبول نہیں کرتا اور دن کے وقت میں اللہ تعالی کا جو حق ہے وہ رات کو اسے قبول نہیں کرتا۔ ہر وقت کے لئے اپنے اپنے حقوق و واجبات ہیں جس سے اس کو پُر کرنا چاہیے۔

اسی لیے جب تم کسی انسان کو دیکھو کہ وہ نہ تو کوئی دنیوی کام کر رہا ہے اور نہ

---

(۱۴۵) مستدرک (۴/۳۰۶)۔

(۱۴۶) الزھد ابن مبارک (۱/۳۱۹، ۹۱۴)، المصنف ابن ابی شیبہ (۲۰/۵۸۵)، الزھد ابو داود (۲۸)۔

ہی اخروی کام کر رہا ہے، جب تم دیکھو کہ کوئی انسان بغیر کسی مقصد جی رہا ہے، جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ بغیر کسی سمت کے چل رہا ہے تو جان لو کہ وہ بلا مقصد زندگی گزار رہا ہے، حضرت عمر فرماتے ہیں: «**إِنِّي أَكرَهُ الرجُلَ أَنْ أَراه سَبهللا؛ لا في أمرِ الدُّنْيا، ولا في أمرِالآخِرةِ**» ترجمہ: میں ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہوں جس کا کوئی مقصد ہی نہ ہو، نہ تو دنیوی اور نہ ہی اخروی۔ یہ خطرے کی بات ہے کہ یہ اوقات یوں ہی گزر جائیں اور ہم اس سے استفادہ نہ کر سکیں، ایسے کام نہ کر سکیں جن سے جنت کا قرب حاصل ہو اور جہنم سے دوری حاصل ہو۔

ہم وقت کو اہمیت چار اسباب کی وجہ سے دیتے ہیں

پہلا سبب

کیوں کہ وقت بہت تھوڑا ہے؛ ہماری زندگیاں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہے، اور بہت ہی کم لوگ ہیں اس سے بڑھی عمر پاتے ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی ہے [۱۴۷] اور ان ساٹھ ستر سالوں کا اکثر حصہ طاعت کے بغیر ہی گزر جاتا ہے، کچھ حصہ تو بلوغت سے پہلے، کچھ دنیوی کاموں میں، کچھ کھانے پینے میں، کچھ گپ چپ کرنے میں اور باقی بچا تھوڑا۔ اللہ تعالی قیامت کے دن اپنے بندوں سے پوچھے گا: ﴿قَٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُواْ لَبِثۡنَا يَوۡمًا أَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٖ فَسۡـَٔلِ ٱلۡعَآدِّينَ ﴿١١٣﴾ قَٰلَ إِن لَّبِثۡتُمۡ إِلَّا قَلِيلٗاۖ لَّوۡ أَنَّكُمۡ كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ﴿١١٤﴾ أَفَحَسِبۡتُمۡ

(۱۴۷) ترمذی (۲۳۳۱)، وابن ماجہ (۴۲۳۶) ۔

أَنَّمَا خَلَقْنَٰكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾ [المؤمنون: ١١٥-١١٢]

ترجمہ (پھر) اللہ (ان دوزخیوں سے) فرمائے گا: تم زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے؟ وہ کہیں گے کہ: ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے۔ (ہمیں پوری طرح یاد نہیں) اس لیے جنہوں نے (وقت کی) گنتی کی ہو، ان سے پوچھ لیجیے۔ اللہ فرمائے گا: تم تھوڑی مدت سے زیادہ نہیں رہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ بات تم نے (اس وقت) سمجھ لی ہوتی، بھلا کیا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کردیا اور تمہیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ

ترجمہ: غرض، بہت ہی اونچی شان ہے اللہ کی جو صحیح معنی میں بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔ارشاد باری ہے:

﴿وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ يُقْسِمُ ٱلْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا۟ غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا۟ يُؤْفَكُونَ﴾ [الروم: ٥٥]

ترجمہ: اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن مجرم لوگ قسم کھالیں گے کہ وہ (برزخ میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح (دنیا میں بھی) وہ اوندھے چلا کرتے تھے۔

ہم بات کر رہے ہیں کہ وقت بہت تھوڑا ہے، حسن بصری فرماتے ہیں: اے

ابن آدم تم کچھ ایام کا مجموعہ ہو یعنی ہماری حالت اس درخت جیسی ہے جس سے ایک ایک کرکے پتہ گرتارہتا ہے، **«يا ابنَ آدمَ إنَّما أنتَ أيَّامٌ مَجموعةٌ كلَّما مضَى يومٌ مضَى بعضُكَ»**(۱۴۸) ترجمہ:اے ابن آدم تم چند ایام کا مجموعہ ہو جب کوئی دن گزرتا ہے تو تمہارا کچھ حصہ گزر جاتا ہے۔ تو عقلمند وہی ہے جو اپنے اوقات سے فائدہ اٹھالے اور تاخیر اور ٹال مٹول نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ کل آنے دو پھر کرلیں گے بلکہ وہ ہر گزرتے وقت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

دوسرا سبب

اس لیے کہ جو وقت گزر گیا وہ واپس نہیں آنے والا ہے، گزشتہ کل کا واپس آنا ممکن نہیں اور جو دن گزر گیا اس کا واپس آنا ممکن نہیں ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: **«ما مِنْ يومٍ يَنشَقُّ فجرُه إلَّا ويُنادِي يَقولُ: يا ابنَ آدمَ أنا خَلقٌ جديدٌ، وعلى عمَلِكَ شهيدٌ، فتَزوَّدْ مِنِّي فإنِّي إذا مضَيْتُ فلاأَعودُ»**(۱۴۹) ترجمہ: جب صبح ہوتی ہے تو وہ نداء دیتی ہے: اے ابن آدم میں نئی مخلوق ہوں، اور تمہارے عمل پر گواہ ہوں، مجھ سے توشہ اختیار کرکیوں کہ جب میں گزر گئی تو واپس نہیں آوں گی۔ یہ دن ہر صبح ہمیں پکار پکار کر کہتا ہے: میں نئی مخلوق ہوں، اور تمہارے عمل پر گواہ ہوں، مجھ سے توشہ اختیار کرکیوں کہ

---

(۱۴۸) جامع العلوم والحکم (۲/۳۸۲)۔

(۱۴۹) الزھد ابن ابی الدنیا (۴۲۴)۔

جب میں گزر گیا تو واپس نہیں آوں گا۔

کسی بلیغ انسان نے کیا ہی خوب کہا ہے: تین چیزیں جب چلی جائیں تو واپس نہیں آتی ہیں: وقت، حسن اور جوانی، یہ جب چلی جاتی ہیں تو ان کا واپس آنا ممکن نہیں۔

اسی لیے عقلمند وہی ہے جو اپنے دن کو بیکار نہ جانے دے، ہاں، جو اپنے دن کو بیکار جانے دیتا ہے بعض حکماء کے بقول: «مَنْ أمضَى يومَه في غيرِ حقٍّ قضاهُ، أو فرضٍ أدَّاهُ، أو مَجدٍ أثَّلَه، أو حمدٍ حصَّلَه، أوخيرٍ أسَّسَه، أو عِلمٍ اقتبَسَه، فقَدْعقَّ يومَه وظلمَ نفسَه»[۱۵۰] ترجمہ: جو شخص اپنے دن کو کسی حق کو ادا کئے بغیر، فرض ادا کیے بغیر، شرافت حاصل کیے بغیر، تعریف حاصل کیے بغیر، کسی خیر کی بنیاد ڈالے بغیر یا علم کا اقتباس کیے بغیر گزاردے تو اس نے اپنے دن کو بیکار کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا۔

تیسرا سبب

تھوڑا وقت بھی اللہ کے نزدیک بہت ہے، ایک سیکنڈ اللہ کے نزدیک عظیم ہے جس سے میزان تبدیل ہوجاتے ہیں، درجات بلند ہوجاتے ہیں اور گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، ہاں ایک ہی سیکنڈ میں، لیکن ہم نے کتنے سیکنڈ برباد کئے، بلکہ کتنے دن اور ماہ و سال برباد کردیئے

---

(۱۵۰) ادب الدینا والدین (ص:۵۵)۔

اے اللہ کے بندو غور کرو۔ بندہ ایک سیکنڈ میں توبہ کر لیتا ہے۔ جب وہ توبہ کرتا ہے تو اسے توبہ کے لیے ایک لمحہ درکار ہوتا ہے، لیکن جب توبہ کرتا ہے تو اس کا میزان تبدیل ہو جاتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَٱلَّذِينَ لَا يَدۡعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقۡتُلُونَ ٱلنَّفۡسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلۡحَقِّ وَلَا يَزۡنُونَۚ وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ يَلۡقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفۡ لَهُ ٱلۡعَذَابُ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ وَيَخۡلُدۡ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُوْلَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمۡ حَسَنَٰتٍۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾﴾ [الفرقان: ٧٠-٦٨]

ترجمہ: اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں، اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھا کر دگنا کردیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا۔ ہاں مگر جو کوئی توبہ کرلے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ وہ ایک لمحے میں توبہ کرتا ہے اور جب اللہ اس کی توبہ سچی دیکھتا ہے تو اللہ اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

بخاری میں اسی آیت کے ذیل میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص لوہے کی زرہ پہن کر آیا جبکہ جنگ شروع ہونے کو تھی اور

رسول اللہ ﷺ اس جنگ کی قیادت کر رہے تھے، وہ شخص غیر اللہ کی عبادت کرنے والا بتوں کا پرستار تھا، اس نے نبی ﷺ سے آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میں قتال کروں یا اسلام لاوں؟ یعنی پہلے کیا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: پہلے اسلام لا اور پھر قتال کر، تو اس نے اسلام قبول کیا اور قتال شروع کردیا اور شہید ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**عَمِلَ قَلِيلًا وَأُجِرَ كَثِيرًا**»ترجمہ: اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پایا اس نے اللہ کے لیے ایک بھی سجدہ نہیں کیا ، اسلام لایا، قتال کیا اور شہید ہو گیا، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**عَمِلَ قَلِيلًا وَأُجِرَ كَثِيرًا**»[١٥١] ترجمہ: اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پایا۔

تھوڑا سا وقت اللہ کے نزدیک بہت ہوتا ہے، سوچو ہم نے کتنا وقت ضائع کردیا، مسند احمد میں نبی ﷺ کا ارشاد منقول ہے: «**مَنْ قَرَأَ: (قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ) حَتَّى يَخْتِمَهَا عَشْرَ مَرَّاتٍ بَنَى اللهُ لَهُ قَصْرًا فِي الجَنَّةِ**» ترجمہ: جو سورہ اخلاص دس مرتبہ پڑھے تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔ ہمیں افسوس کرنا چاہئے کہ صبح سے اب تک کتنا وقت ہم نے ضائع کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول اگرہم زیادہ پڑھیں تو، آپ نے فرمایا: «**اللهُ أَكْثَرُ وَأَطْيَبُ**»[١٥٢] ترجمہ: اللہ زیادہ پسند کرتا ہے، تم اسے بیس مرتبہ پڑھوگے تو دو محل ہوں گے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد

---

(١٥١) بخاری (٢٨٠٨)، ومسلم (١٩٠٠) ۔

(١٥٢) مسند احمد (٣/٤٣٧)۔

فرمایا: «مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ، وَقَالَ تَمَامَ المِئَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ البَحْرِ»[(۱۵۳)] ترجمہ: جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۳ بار کہے تو یہ ننانوے کلمے ہوں گے اور پورے ۱۰۰ یوں کرے کہ ایک بار یوں پڑھے «لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شيءٍ قدیر» یعنی «اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے ، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی سلطنت ہے اور اسی کے لئے سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے « تو اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر (یعنی بے حد) ہوں۔ تو تھوڑا سا وقت بھی اللہ کے نزدیک بہت ہوتا ہے۔

چوتھا سبب

وقت بہت جلدی ختم ہونے والی چیز ہے، اور خاص کر اس زمانے میں سال مہینے کی طرح اور مہینے ہفتوں کی طرح اور ہفتے دن کی طرح اور دن لکڑی کے جلنے کی طرح گزر رہے ہیں، دن بہت جلد گزر جاتا ہے، عقل مند وہی ہے جو اپنے ان لمحات سے فائدہ اٹھالے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ كَأَن لَّمۡ يَلۡبَثُوٓاْ إِلَّا سَاعَةٗ مِّنَ ٱلنَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيۡنَهُمۡۚ﴾[یونس: ٤٥]

(۱۵۳) مسلم (۵۹۷)۔

ترجمہ: اور جس دن اللہ ان کو (میدان حشر میں) اکٹھا کرے گا، تو انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، (اس لیے) وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔

ارشاد باری ہے: ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوٓا۟ إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍۭ ﴾ [الأحقاف: ٣٥]

ترجمہ: جس دن یہ لوگ وہ چیز دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جارہا ہے اس دن (انہیں) یوں محسوس ہوگا جیسے وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔

سورہ نازعات میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوٓا۟ إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَىٰهَا ﴿٤٦﴾﴾ [النازعات: ٤٦]

ترجمہ:اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہیں رہے۔

نفع میں وہی عقلمند شخص ہے جو اپنے وقت سے استفادہ کر لے اور وہ شخص گھاٹے میں ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے وقت سے استفادہ نہیں کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ نے سچ ہی کہا ہے: «**نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ؛ الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ**» ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جس کے سلسلے میں اکثر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں؛ صحت اور فارغت۔

(١٤)

أَوَّلُ صَلاحِ هَذِهِ الأُمَّةِ بِاليَقِينِ

اے لوگو!یقین نیکو کاروں کا زاد راہ ہے، متقین صوفیاء کے نزدیک خرچ کرنے، کسی کو دینے اور کچھ قربان کرنے کے لیے یقین ہی ذریعہ بنتا ہے، یقین ایک راز ہے جو نیکو کاروں کے دلوں میں عطا کی چنگاری بھڑکاتا ہے، یقین وسوسہ، ظن اور شک کا علاج ہے، یقین ہی ایمان ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔[۱۵۴] یقین ہی وہ علم تام ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، یہی عمل کی طرف داعی ہے جیسا کہ سعدی نے کہا۔[۱۵۵]

یقین کے متعلق احمد بن عاصم انطاکی کہتے ہیں: «**يَسيرُ اليقينِ يُخرجُ كلَّ الشكِّ منَ القلبِ، ويَسيرُ الشكِّ يُخرجُ اليقينَ كلَّه منَ القلبِ**»[۱۵۶] ترجمہ: تھوڑا سا یقین ہر طرح کا شک دل سے نکال دیتا ہے اور تھوڑا سا شک ہر طرح کا یقین دل سے نکال دیتا ہے۔

یقین کے متعلق حسن فرماتے ہیں: «**باليَقِينِ طُلِبَتِ الجَنَّةُ، وباليقينِ هُرِبَ**

---

(۱۵۴) بخاری(۱/۱۰)، السنۃ عبد اللہ بن احمد (۸۱۷)، طبرانی (۹/۱۰۴، ۸۵۴۴)، حاکم (۲/۴۴۶)، الشعب بیہقی (۴۷)۔

(۱۵۵) تفسير سعدي (ص:۴۰)۔

(۱۵۶) الزهد الكبير بيهقي(۹۷۶)۔

منَ النارِ، وباليَقينِ أُدِّيَتِ الفرائضُ، وباليقينِ صُبِرَ على الحقِّ»[١٥٧] ترجمہ: یقین سے ہی جنت طلب کی جاتی ہے، جہنم سے دور بھاگا جاتا ہے، فرائض ادا کیے جاتے ہیں اور یقین سے ہی حق پر صبر کیا جاتا ہے۔

یقین ایک دلی عبادت ہے، اور عبادتوں میں عظیم عبادت ہے، اس کا ایک خصوصی عمل اور اس کا خصوصی وظیفہ اور اثر ہے اور اس پر فضیلت بھی ملتی ہے۔

جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کے ضمن میں ہمارا آج کا موضوع یقین ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «**أَوَّلُ صَلَاحِ هَذِهِ الأُمَّةِ بِاليَقِينِ وَالزُّهْدِ، وَأَوَّلُ فَسَادِهَا بِالبُخْلِ وَالأَمَلِ**»[١٥٨] ترجمہ: اس امت کی سب سے پہلی اصلاح یقین اور زہد سے ہے اور اس امت کا سب سے پہلا فساد بخل اور مایوسی سے ہے۔

یقین وہی جو عمل سے مربوط ہو، کیوں کہ یقین بلا عمل نفع نہیں پہنچاتا۔ ارشاد باری ہے: ﴿**الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ**﴾ وہ نیک لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں، ﴿**وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ**﴾ اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، ﴿**وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ**﴾ اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں [النمل:٣]۔ تو وہ یقین جس کے ساتھ عمل بھی ہو وہی جنت نعیم کا حقدار بناتا ہے۔

حیات نامی ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کے پاس ہر سال ہدیہ میں کچھ مال آیا

---

(١٥٧) الزھد والرقائق ابن مبارک(١/١٩٦، رقم ٥٥٨)، الزھد احمد(١٦١٧)، الیقین ابن أبي الدنیا (١٣)۔

(١٥٨) الزھد احمد (٥٢)، الیقین ابن أبي الدنیا (٣)، الأوسط طبرانی(٧٦٥٠)، الشعب بیہقی (١٠٣٥٠)۔

کرتا تھا، تو وہ اس مال میں سے ساٹھ دینار لیتے، اور گھر پہنچنے سے پہلے پورا صدقہ کر دیتے، جب گھر پہنچتے، اور تکیہ پر اپنا سر رکھتے، تو تکیہ کے نیچے سے صدقہ کی مقدار سے زیادہ مال پاتے تھے، کیوں کہ انہوں نے ارشاد باری پر یقین کرتے ہوئے صدقہ کیا تھا: ﴿وَمَآ أَنفَقۡتُم مِّن شَيۡءٖ فَهُوَ يُخۡلِفُهُۥۖ وَهُوَ خَيۡرُ ٱلرَّٰزِقِينَ﴾ [سبأ: ٣٩]

ترجمہ: اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ یہ بات ان کے چچا زاد بھائی نے سنی، تو انہوں نے بھی ایسے ہی کیا اور سارا کچھ خرچ کر دیا، جب گھر آئے اور اپنے تکیہ اور بستر کے نیچے تلاش کیا تو اس کے نیچے کچھ نہ ملا۔ وہ حیات کے پاس آئے اور کہا کہ جیسے آپ کرتے ہیں ویسے ہی میں نے بھی کیا مگر مجھے کچھ نہ ملا، تو انہوں نے کہا: اے میرے چچا زاد بھائی، میں نے اپنے اللہ کی راہ میں یقین کے ساتھ دیا اور تم نے تجربہ کرنے کے لیے دیا(١٥٩)۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یقین اور تجربہ برابر نہیں ہوتے۔

تَوَكَّلْتُ فِي رِزْقِي عَلَى اللهِ خَالِقِي ... وَأَيْقَنْتُ أَنَّ اللهَ لَا شَكَّ رَازِقِي
وَمَا يَكُ مِنْ رِزْقِي فَلَيْسَ يَفُوتُنِي ... وَلَوْ كَانَ فِي قَاعِ البِحَارِ العَوَامِقِ
سَيَأْتِي بِهِ اللهُ العَظِيمُ بِفَضْلِهِ ... وَإِنْلَمْ يَكُنْ مِنِّي اللِّسَانُ بِنَاطِقِ
فَفِي أَيِّ شَيْءٍ تَذْهَبُ النَّفْسُ حَسْرَةً ... وَقَدْ قَسَّمَ الرَّحْمَنُ رِزْقَ الخَلَائِقِ(١٦٠)

(١٥٩) سیر أعلام النبلاء (٦/٤٠٥)۔

(١٦٠) دیوانِ شافعی (ص:٨٤)۔

ترجمہ: میں اپنے رزق کے سلسلے میں اپنے خالق اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ ہی میرا رازق ہے۔ اگر میرا رزق ہے تو وہ مجھے مل کر رہے گا چاہے وہ گہرے سمندر کی تہہ میں ہو۔ اللہ تعالی اپنے فضل سے وہ مجھے عطا کر دے گا چاہے میری زبان اسے مانگ نہ رہی ہو۔ کسی چیز کے تعلق سے نفس کو حسرت نہیں کرنا چاہِئے کیوں کہ رحمٰن نے مخلوق کے رزق کو اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

یقین ہو کہ تم اللہ کو اچھی طرح جانتے ہو اور اس کی باتوں پر یقین ہو اور ان باتوں پر جو مجھے اس کے بارے میں بتائی گئی ہیں۔

یقین بھی تمام عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے، اس کے بہت سے فضائل و فوائد اور اثرات ہیں جو اس کے کرنے پر ملتے ہیں۔

یقین کے فضائل و فوائد

پہلا فائدہ:

جس کا یقین حقیقی ہے اس کا ایمان مضبوط ہے، یقین ایمانی قوت کی دلیل ہے۔ اس انوکھی حدیث میں غور کرو جسے متعدد محدثین نے روایت کیا، اگرچہ اس میں کچھ قیل و قال ہے مگر البانی نے اپنی آخری عمر میں اس کی تحسین کی ہے،(۱۶۱) حدیث یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے دریافت کیا: «أَيُّ الخَلْقِ

(۱۶۱) السلسلہ الصحیحہ (۳۲۱۵)،علامہ البانی نے شیخ محمد حسن کے قول کی طرف رجوع کر لیا(۹۱) ۔

أَعْجَبُ إِيمَانًا؟ »ترجمہ: کون سی مخلوق کا ایمان زیادہ عجیب اور بہتر ہے، صحابہ نے کہا: فرشتے -یعنی ایمان کے اعتبار سے مخلوق میں زیادہ تعجب میں ڈالنے والے فرشتے ہیں- تو آپ نے ارشاد فرمایا: «وَمَا لَهُمْ لَايُؤمِنُونَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ؟!»ترجمہ: انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں جب کہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں، یعنی جواب صحیح نہیں ہے۔ تو صحابہ نے کہا: پھر تو نبیوں کی جماعت ہے۔ تو آپ نے فرمایا: «وَمَا لَهُمْ لَايُؤْمِنُونَ وَالوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ؟!»ترجمہ: انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں جب کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تو انہوں نے کہا: ہم لوگ یعنی صحابہ کی جماعت، تو آپ نے ارشاد فرمایا: «وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، أَلَا إِنَّ أَعْجَبَ الخَلْقِ إِيمَانًا قَوْمٌ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُونَ صُحُفًا فِيهَا كِتَابٌ، فَيُؤْمِنُونَ بِمَا فِيهَا»(١٦٢) ترجمہ: تمہیں کیا ہے کہ تم ایمان نہ لاو جبکہ میں تمہارے سامنے ہوں، سنو ایمان کے اعتبار سے سب سے تعجب میں ڈالنے والی مخلوق وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے، انہیں قرآن ملے گا جو کچھ اس میں ہے وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔

یہ لوگ ایمان کے اعتبار سے سب سے عجیب ہوں گے، انہیں صرف قرآن ملے گا، نہ انہوں نے اپنے رب کو دیکھا اور نہ ہی اپنے رسول کو دیکھا، انہوں نے صرف قرآن دیکھا اور اس قرآن میں شریعت دیکھ کر وہ اس شریعت پر ایمان

(١٦٢) مسند بزار (١٣/٤٨٧، ٧٢٩٤) اصول اعتقاد اهل السنة الکائی (١٦٧١)، الدلائل بیہقی(٦/٥٣٨) ۔

لے آئیں گے، اسی قرآن میں لکھا ہوا ہے: ﴿وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ﴾ [البقرة: ٢٧٥]

ترجمہ: حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ تو اسود کو چھوڑ دیں گے۔

اس قرآن میں لکھا ہوا ہے: ﴿وَلَا تَقۡرَبُواْ ٱلزِّنَىٰٓ﴾ [الإسراء: ٣٢]

ترجمہ: اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اس لیے انہوں نے زنا چھوڑ دیں گے۔

اس صحیفہ میں لکھا ہوا تھا: ﴿وَلَا يَغۡتَب بَّعۡضُكُم بَعۡضًا﴾ [الحجرات: ١٢]

ترجمہ: اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ اس لیے انہوں نے غیبت چھوڑ دیں گے۔

انہوں نے صحیفہ میں دیکھا: ﴿وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ﴾ [البقرة: ٤٣]

ترجمہ: نماز قائم کرو۔ اس لیے وہ نماز قائم کریں گے۔

ان کے کانوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا، ان کے ہاتھوں میں یہ قرآن ہو گا جس میں انہوں نے پڑھا ہو گا اور اسے سچا جان کر یقین کر لیں گے، اس پر ایمان لے آئیں گے، اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کریں گے۔

دوسرا فائدہ ویقین افضل اعمال کرنے کی طرف راہنمائی کرتا ہے، نسائی کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا: «إِيمَانٌ لَا شَكَّ فِيهِ، وَجِهَادٌ لَا غُلُولَ فِيهِ، وَحَجَّةٌ مَبْرُورَةٌ»(١٦٣) ترجمہ: ایسا ایمان جس میں کوئی شک نہ ہو، ایسا جہاد جس میں کوئی کینہ نہ ہو اور حج مبرور۔

اسی لیے مزاح کرتے ہوئے بھی یہ کہنا کہ بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ ہم صحیح ہیں یا غلط، یہ بہت بڑی غلط بات ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں: بخدا، ہمیں نہیں معلوم ہم حق پر ہیں یا وہ فلاں جماعت حق پر ہے۔ ایسے کہنے والے شخص کا اپنے عقائد پر کامل یقین نہیں ہے، اور اسے اپنے ایمان پر پورا یقین نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَفْضَلُ الأَعْمَالِ: إِيمَانٌ لَا شَكَّ فِيهِ» ترجمہ: افضل اعمال ایسا ایمان ہے جس میں کوئی شک نہ ہو۔ یعنی مضبوط پہاڑ سے بھی زیادہ قوی اس کا یقین ہو۔

تیسرا فائدہ

جس شخص کو یقین کی دولت پوری حاصل ہوگئی ہو، تو گویا اسے عزت وشرافت ، سرداری اور زمین میں سلطنت مل گئی، مجھے یہ بات اس قرآن میں ملی، میں نے یہ بات اللہ کی کتاب میں پائی۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾﴾[السجدة: ٢٤]

---

(١٦٣) احمد (٣/٤١١)، نسائی (٢٥٢٦) ۔

ترجمہ: اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسے پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

چوتھا فائدہ

یقین دعاء کی قبولیت کا سبب ہے، جب دعاء یقین کے ساتھ مانگی جائے تو وہ قبول ہوگی، دعاء اس یقین کے ساتھ کرو کہ اپنی مُراد مل ہی کر رہے گی۔ بعض بزرگ جب دعاء کرتے تو اس یقین سے دعاء کرتے تھے کہ یہ کام یقینی طور پر بن ہی جائے گا۔

ترمذی کی ایک حدیث میں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «**ادْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالإِجَابَةِ**» ترجمہ: اللہ سے قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے دعاء کرو۔ تمہیں یقین ہو، تجربہ کے لیے دعاء نہ کرو بلکہ یقین کے ساتھ کرو، «**وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ**»(۱۶۴)ترجمہ: جان لو کہ اللہ غافل دل کی دعاء قبول نہیں کرتا ہے۔

پانچواں فائدہ

صبر اور ثواب کی امید ، جس کا دل یقین سے بھرا ہوا ہو، تم اسے صبر اور ثواب کی امید کرنے والا پاؤ گے، کیوں کہ اسے اس بلاء اور مصیبت پر ملنے والے اجر

---

(۱۶۴) ترمذی (۳۴۷۹)۔

کا یقین ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِۗ وَمَن يُؤۡمِنۢ بِٱللَّهِ يَهۡدِ قَلۡبَهُۥۚ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٞ ﴿١١﴾ ﴾[التغابن: ١١]

ترجمہ: کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے (یقین کرتا ہے) وہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

جتنا زیادہ دل میں یقین ہو گا اتنا ہی زیادہ کی خوش بختی دل میں پناہ گزین ہو گی۔

چھٹا فائدہ

اس فائدہ پر غور کرو۔ جس شخص کا دنیا میں یقین مضبوط ہو گا قبر میں اسے اچھا جواب دینے کی توفیق ہو گی –اے اللہ اہل قبور پر ان کی قبریں کشادہ کر دے– چنانچہ جب بندہ قبر میں اتارا جاتا ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، اس سے ایک ہی قسم کے سوالات پوچھے جاتے ہیں، لیکن جواب مختلف ہوتا ہے۔ صاحب یقین کا جواب شک کرنے والے سے مختلف ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں تمہاری قبروں میں مسیح دجال جیسے فتنے یا اس کے قریب تر فتنے سے آزمایا جائے گا، یعنی تم سے پوچھا جائے گا: «مَا عِلْمُكَ بِهَذا الرَّجُلِ؟» ترجمہ: اس شخص یعنی ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ «فَأَمَّا المُؤْمِنُ المُوقِنُ فَيَقُولُ:

هُوَ رَسُولُ الله جَاءَنَا بِالبَيِّنَاتِ وَالهُدَى فَآمَنَّا بِهِ، فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَلَمُوقِنًا بِهِ»، نَعلمُ جوابَكَ «وَأَمَّا المُنَافِقُ أَوِ المُرْتَابُ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، لَا أَدْرِي،سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ»(١٦٥)ترجمہ: تو جو کامل یقین رکھنے والا مومن بندہ ہوگا وہ جواب دے گا: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو ہمارے پاس واضح نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے، اور ہم ان پر ایمان لے آئے، تو اس سے کہا جائے گا: تم اطمینان کی نیند سوجاو،، ہمیں پتا چل گیا ہے کہ تم ان پر ایمان رکھتے ہو۔ جو منافق اور شکی ہوں گے ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ جواب دیں گے: مجھے معلوم نہیں، مجھے علم نہیں، میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے ہوئے سنا میں بھی اسی کا قائل ہو گیا، یعنی بخدا مجھے معلوم نہیں، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا، میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا، حالانکہ مجھے یقین نہیں تھا، میں اپنی زبان سے اسے دہراتا تھا مگر میرے دل میں اس کا یقین نہیں بیٹھا تھا، لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں بھی قائل ہوگیا۔ تو دنیا میں جس کا یقین مضبوط ہوگیا قبر میں اسے اچھے جواب کی توفیق ہوگی۔

ساتواں فائدہ

کامل یقین رکھنے والے ہی جنت والے ہیں، امام مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جب نبی ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا توفرمایا: «فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ

(١٦٥) بخاری (٨٦)، ومسلم (٩٠٥) ۔

وَرَاءِ هَذَا الحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ»(١٦٦)

ترجمہ: اس دیوار کے پیچھے جس سے تم ملو اور دیکھو کہ وہ دل میں کامل یقین رکھتے ہوئے اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو اسے جنت کی بشارت دے دو۔ جو لا الہ الا اللہ والے ہیں وہ اسے یقین کے ساتھ بار بار دہراتے ہیں، اور لا الہ الا اللہ کی سات شرطوں میں ایک شرط یقین ہے، جسے تم دیکھو کہ وہ یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتا ہے اسے جنت کی بشارت دے دو، ہاں یہی یقین ہے یہ دل کی عظیم عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اللہ مجھے اور آپ تمام کو اس کی توفیق دے۔

---

(١٦٦) مسلم (٣١) ۔

(۱۵)

إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ العَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ

رزق اہم مسائل میں سے ایک ہے، جس کی وجہ سے انسان بہت پریشان رہتا ہے، بہت فکرمند رہتا ہے ، اس کے لیے کوششیں کرتا ہے اور اچھا خاصہ وقت اس میں صرف کرتا ہے، رزق کا مسئلہ انسان کے لیے بہت اہم مسئلہ ہے، صرف انسان کے لیے بلکہ تمام مخلوق کے لیے بہت اہم مسئلہ ہے۔انسانی معاشرے میں جن مسائل کو سب سے زیادہ ترجیح دی جاتی ہے، ان میں سب سے پہلا مسئلہ روزی روٹی کا ہے، اگرچہ اس کی صورتیں اور طریقے الگ الگ ہوتے ہیں ۔ کبھی کبھی تو بعض لوگ روزی روٹی کیلئے حد سے تجاوز کرجاتے ہیں، کبھی چوری کرلیتے ہیں، تو کبھی دوسروں کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں، یا کبھی اسی رزق کی وجہ سے حرام کے مرتکب بھی ہوجاتے ہیں ، اور کبھی یہی رزق انسان کو اپنی خِلقت کے مقصد ہی سے دور کردیتا ہے۔

جس رزق کی تم تلاش میں ہو وہ تو آسمان میں اللہ تعالی کے پاس ہے، اسی لیے ارشاد باری ہے: ﴿وَفِي ٱلسَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِ إِنَّهُۥ لَحَقّٞ مِّثۡلَ مَآ أَنَّكُمۡ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾﴾[الذاریات: ۲۳-۲۲]

ترجمہ: اور آسمان ہی میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ لہذا آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم ! یہ بات یقینا ایسے ہی

سچی ہے جیسے یہ بات کہ تم بولتے ہو۔

تمام انواع و اقسام کا رزق اسی کے پاس ہے، ارشاد باری ہے: ﴿ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَآئِنُهُۥ وَمَا نُنَزِّلُهُۥٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴾[الحجر: ۲۱]

ترجمہ: اور کوئی (ضرورت کی) چیز ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے موجود نہ ہوں، مگر ہم اس کو ایک معین مقدار میں اتارتے ہیں۔

ارشاد فرمایا: اے ابن آدم، تم میری عبادت کے لیے اپنے وقت کو فارغ کرو، اور میں تمہاری روزی روٹی کا ذمہ دار بن جاتا ہوں، ﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَآ أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَآ أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ ﴾[الذاریات: ۵۸-۵۶]

ترجمہ: میں نے جنات اور انسانوں کو کے لیے پیدا نہیں کیا سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے کسی قسم کا رزق نہیں چاہتا، اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تو خود ہی رزاق ہے، مستحکم قوت والا۔

وہ صرف انسان کو ہی رزق نہیں بلکہ تمام مخلوقات کو رزق مہیا کرتا ہے:

اللہ تعالی ارشاد فرتا ہے: **وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ**[۱۶۷] ترجمہ: اور کتنے ہی زمیں پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ ہی رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور

(۱۶۷) مسند بزار (۱۰/۳۷، رقم ۴۰۹۹)، صحیح ابن حبان (۳۲۳۸)، الشعب بیہقی (۱۱۴۷)۔

وہ سب باتیں سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

جسے چاہتا ہے جب چاہتا ہے رزق دیتا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾﴾[سبأ: ٣٦]

ترجمہ: کہہ دو کہ: میرا پروردگار! جس کے لیے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کردیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگی کردیتا ہے، لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔

اسی لیے آج ہمارا موضوع جوامع الکلم کے سلسلے کی وہ حدیث ہے جس کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں، کیوں کہ اکثر لوگوں کو رزق کے متعلق اس مسئلہ کا پتہ نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «**إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ العَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ**» ترجمہ: رزق بندہ کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اسے تلاش کرتی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے، اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے[١٦٨]۔

وہ رزق جس کے پیچھے ہم بھاگ رہے رہیں وہ ہمیں ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے ہماری موت ہمیں تلاش کرتی ہے، «**إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ العَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ**»ترجمہ: بیشک رزق بندہ کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے۔ جس طرح ہماری موت کے وقت ٹھہر جانے والی یہ گھڑیاں ہمیں

---

(١٦٨) مسند بزار (١٠/٣٧، رقم ٤٠٩٩)، صحیح ابن حبان (٣٢٣٨)، شعب الایمان(١١٤٧)۔

تلاش کرتی ہیں اسی طرح رزق ہمیں تلاش کرتا ہے، سانس اس وقت تک نہیں رکے گی جب تک کہ اللہ کے پاس ہمارا کچھ بھی رزق باقی ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ رزق اہم مسائل میں سے ہے، رزق کا باب بہت عظیم ہے، اللہ تعالی نے رزق کی بہت سی کنجیاں بنائی ہیں، انہیں ہم مختصرا بیان کرتے ہیں:

پہلی کنجی:

طاعت کی کنجی، طاعت کی وجہ سے رزق آتا ہے، مدارج السالکین میں ابن قیم حبر امت اور ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: «**إِنَّ للحسَنةِ» أي: للطاعةِ «نُورًا في القلبِ، وضِياءً في الوجهِ، وقُوَّةً في البدنِ، وزِيادةً في الرِّزقِ، ومَحبَّةً في قلوبِ الخَلْقِ، وإنَّ للسيِّئةِ سَوادًا في الوجهِ، وظُلمةً في القَلْبِ، ووهَنًا في البدَنِ، ونَقصًا في الرِّزقِ، وبُغضًا في قُلوبِ الخَلْقِ**»[(١٦٩)] ترجمہ: نیکی یعنی طاعت کی وجہ سے دل میں نور، چہرہ پر چمک، بدن میں قوت، رزق میں زیادتی اور مخلوق کے دلوں میں محبت ہوتی ہے اور برائی کی وجہ سے چہرہ میں سیاہی، دل میں اندھیرا، بدن میں کمزوری، رزق میں کمی اور مخلوق کے دلوں میں بغض ہوتا ہے۔

نیکیاں اور اطاعت رزق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، ارشاد باری

---

(١٦٩) مدارج السالكين (١/٤٢٣)۔

ہے: ﴿وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَاۖ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقٗاۖ نَّحۡنُ نَرۡزُقُكَۗ وَٱلۡعَٰقِبَةُ لِلتَّقۡوَىٰ﴾[طه: ١٣٢]

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو ، اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے۔ رزق تو ہم تمہیں دیتے ہیں اور بہتر انجام تقوی ہی کا ہے۔

رزق کا دروازی کھولنے والا سب سے بڑا سبب اطاعت و نیکی نماز اور اس کی پابندی ہے، چاہے وہ فرض ہو یا نفل ہو، ﴿وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَاۖ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقٗاۖ نَّحۡنُ نَرۡزُقُكَۗ وَٱلۡعَٰقِبَةُ لِلتَّقۡوَىٰ﴾[طه: ١٣٢]

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے۔ رزق تو ہم تمہیں دیتے ہیں اور بہتر انجام تقوی ہی کا ہے۔

اطاعت رزق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کی عظیم کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے۔

دوسری کنجی:

دوسری کنجی عطیہ ہے، جب تم کسی کو دوگے تو تمہیں بھی دیا جائے گا، جب تم خرچ کروگے تو تم پر خرچ کیا جائے گا، اور جب تم اپنے ہاتھوں کو دراز کروگے تو تمہارے لیے بھی عطیات کے ہاتھ بڑھائے جائیں گے، چاہے وہ چیز تھوڑی ہو یا زیادہ، عظیم ہو یا حقیر، ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾[سبأ:۳۹] ترجمہ: کہہ دو کہ : میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

حدیث قدسی میں میرا پروردگار فرماتا ہے: «أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ»(۱۷۰) ترجمہ: اے ابن آدم خرچ کر تم پر خرچ کیا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ العِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا. وَيَقُولُ الآخَرُ: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»(۱۷۱) ترجمہ: کوئی دن ایسا نہیں جس میں لوگ صبح اٹھیں مگر دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! (اپنی راہ میں) مال خرچ کرنے والے کو (اس مال کا) نعم البدل عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! مال کو روک کر رکھنے والے (بخیل) کو (مال کی) بربادی عطا فرما۔

تیسری کنجی:

دوسری کنجی اللہ پر حسن توکل ہے، آیات طلاق میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مَخۡرَجٗا ۝٢ وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُۚ

(۱۷۰) بخاري (۵۳۵۲) ۔

(۱۷۱) بخاری (۱۴۴۲)، ومسلم (۱۰۱۰) ۔

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَٰلِغُ أَمْرِهِۦ ۚ قَدْ جَعَلَ ٱللَّهُ لِكُلِّ شَىْءٍ قَدْرًا ﴾[الطلاق:۲-۳] ترجمہ: اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے، تو اللہ اس (کا کام بنانے) کے لیے کافی ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ (البتہ) اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

﴿فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ﴾ یعنی اللہ کی ذات اس کے لئے کافی ہے، چنانچہ آپ کو درپیش ہر غم اور تکلیف سے نجات کا راستہ اللہ کی ذات کی طرف سے پیدا کردیا جائے گا۔

اسی لیے خلیفہ راشد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: «لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى الله حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا»(۱۷۲) ترجمہ: اگر تم اللہ پر ایسے توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں ایسے رزق دے گا جیسے وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے، وہ صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

تَوَكَّلْتُ فِي رِزْقِي عَلَى الله خَالِقِي   وَأَيْقَنْتُ أَنَّ اللهَ لَا شَكَّ رَازِقِي
وَمَا يَكُ مِنْ رِزْقٍ فَلَيْسَ يَفُوتُنِي   وَلَوْ كَانَ فِي قَاعِ البِحَارِ العَوَامِقِ

(۱۷۲) احمد (۱/۳۰)، وترمذی (۲۳۴۴)، وابن ماجہ (۴۱۶۴)۔

سَيَأْتِي بِهِ اللهُ العَظِيمُ بِفَضْلِهِ　　وَلَوْ لَمْ يَكُنْ مِنِّي اللِّسَانُ بِنَاطِقِ
فَفِي أَيِّ شَيْءٍ تَذْهَبُ النَّفْسُ حَسْرَةً　　وَقَدْ قَسَمَ الرَّحْمَنُ رِزْقَ الخَلَائِقِ(۱۷۳)

ترجمہ: اپنے رزق کے سلسلے میں میں اپنے پیدا کرنے والے اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ بیشک اللہ ہی میرا رازق ہے۔ کوئی رزق مجھ سے چھوٹ کر نہیں جانے والا اگرچہ گہرے سمندروں کی تہہ میں ہو۔ عنقریب اللہ اپنے فضل سے وہ مجھے عطا کردے گا چاہے میری زبان اسے نہ مانگ رہی ہو۔ کسی چیز کے متعلق پریشان ہونے کی کیا ضرورت جبکہ رحمٰن نے مخلوق کے رزق کی قسم کھائی ہے۔

چوتھی کنجی:

استغفار رزق کی چوتھی کنجی ہے، کثرت سے استغفار کرو پھر دیکھو تمہارے لیے کیسے رزق کے دروازے کھلتے ہیں، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تجربہ کرکے دیکھ لو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ دل میں یقین ہو اور زبان پر استغفر اللہ استغفر اللہ جاری ہو، خدا کی قسم کوئی بندہ استغفار نہیں کرتا مگر اس کے لیے رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اسی لیے ارشاد باری ہے: ﴿وَيَٰقَوۡمِ ٱسۡتَغۡفِرُواْ رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوبُوٓاْ إِلَيۡهِ يُرۡسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيۡكُم مِّدۡرَارٗا وَيَزِدۡكُمۡ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمۡ وَلَا تَتَوَلَّوۡاْ مُجۡرِمِينَ ۝٥٢﴾ [هود: ٥٢]

ترجمہ: اے میری قوم! اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائے گا، اور تمہاری

(۱۷۳) دیوان شافعی (ص:۸۴)۔

موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا، اور مجرم بن کر منہ نہ موڑو۔

ایک شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس قحط سالی کی شکایت لے کر آیا، اور کہنے لگا کہ آسمان نے اپنا پانی روک لیا، زمین کا پانی سوکھ گیا، چھاتیاں خشک ہوگئیں، اور کھیتیاں برباد ہوگئیں، حضرت حسن نے اس سے کہا: استغفار کیا کرو، دوسرا شخص تنگدستی کی شکایت لے کر آیا تو حضرت حسن نے اس سے بھی کہا: استغفار کیا کرو، ایک تیسرا شخص نسل کی کمی کی شکایت لے کر آیا تو اس سے بھی کہا کہ استغفار کیا کرو، چوتھا شخص کھیتی کی قلت کی شکایت لے کر آیاتو اس سے کہا کہ استغفار کیا کرو، ابھی چوتھا شخص کھڑا ہی تھا کہ ان کے پاس موجود ایک شخص نے کہا کہ سبھی لوگوں نے اپنی ضروریات کی شکایت کی اور آپ نے انہیں بس ایک ہی حکم دیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہ ہو جب کہ ارشاد باری ہے: ﴿فَقُلْتُ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَٰرًا ﴿١٢﴾﴾ [نوح: ١٢-١٠]

(١٧٤) ترجمہ: چناچہ میں نے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔ اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا، اور تمہاری خاطر نہریں مہیا کردے گا۔

(١٧٤) «مزید معلومات کے لئے تفسیر قرطبی (١٨/ ٣٠٢) دیکھیں۔»

پانچویں کنجی:

کمزوروں، ضرورتمندوں اور مسکینوں کی کفالت: نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ»(۱۷۵) ترجمہ: کمزوروں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

دور نبوی میں دو بھائی تھے، ایک بھائی کھیتی کرتا اور دوسرا نبی اکرم کے پاس علم حاصل کرنے آتا، دن گزرتے گئے، ایک کسان بھائی نبی ﷺ کے پاس شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ، میں کھیتی باڑی کرتا ہوں اور اسی میں لگا رہتا ہوں، جب کہ یہ آپ کے پاس علم کے حصول کے لیے آتا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: «لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ»(۱۷۶) ترجمہ: شاید تمہیں اسی کی وجہ سے رزق دیا جارہا ہے۔

اے لوگو! جب تم اپنے بھائی کی مدد کرکے انہیں تعلیم دیتے ہو تو تمہیں اسی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے، جس وقت تم کسی یتیم کی کفالت کرکے اس کی مدد کرتے تو تمہیں اسی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے، اس میں بے روزگاری کی دعوت نہیں ہے، کیوں کہ یہ جو علم حاصل کر رہا ہے وہ اس لیے حاصل کر رہا ہے تاکہ وہ امت کو نفع پہنچائے، یہ نفع متعدی ہے، جس کے ذریعہ آگے آنے والی امت استفادہ کرتی رہے گی۔

---

(۱۷۵) بخاری (۲۸۹۶)۔

(۱۷۶) ترمذی (۲۳۴۵)۔

چھٹی کنجی :

چھٹی کنجی دعاء ہے، جب ہمارا رزق اللہ کے دست قدرت میں ہے تو ہمیں آسمان کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے اور اکتانا نہیں چاہیے بلکہ یہ کہنا چاہیے: اے اللہ ، اے اللہ۔ نبی کریم ﷺ اکثر وبیشتر یہ دعاء کرتے: «**اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الفَقْرِ، وَالقِلَّةِ، وَالذِّلَّةِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ، أَوْ أُظْلَمَ**»(۱۷۷) ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں فقر سے، قلت سے اور ذلت سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ فقر سے پناہ مانگتے تھے، ایک شخص امیر المومنین خلیفہ راشد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لے کر آیا کہ میں قرض میں ڈوبا ہوا ہوں، تو خلیفہ راشد علی بن ابو طالب نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھاوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے ہیں کہ اگر تمہارے اوپر صبیر پہاڑ -جو جزیرہ عرب کے بڑے پہاڑوں میں سے ایک ہے- کے برابر قرض ہو تو اللہ تمہاری طرف سے اسے ادا کردے گا، دعاء یہ ہے: «**اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ**»(۱۷۸) ترجمہ:اے اللہ! مجھے حلال دے کر حرام سے دور کردے، اور مجھے اپنے فضل سے نواز کر اپنے سواء کسی اور سے مانگنے سے بے نیاز کر دے۔

---

(۱۷۷) احمد (۲/۳۰۵)، وابو داود (۱۵۴۴) و نسائی (۵۴۶۱) وابن ماجہ (۳۸۴۲) ۔

(۱۷۸) احمد (۱/۱۵۳)، و ترمذی (۳۵۶۳) ۔

اے وہ شخص جو قرضوں کی شکایت کرتا ہے، کتنی مرتبہ تم نے یہ دعاء پڑھی؟ جو آسمان کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اسے یقین کے ساتھ یہ دعاء پڑھنا چاہئے: «**اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ**»ترجمہ:اے اللہ! مجھے حلال دے کر حرام سے دور کر اور مجھے اپنے فضل سے نواز کر اپنے سوا کسی اور سے مانگنے سے بے نیاز کر دے۔ اس دعاء کو تجربہ کے لیے نہ پڑھے، بلکہ اسے پڑھتے وقت اسے اس بات کا یقین ہو کہ اگر صبیر پہاڑ کے برابر قرض ہو تو بھی اللہ اسے تمہاری طرف سے ادا کردے گا۔

ہاں اے اللہ کے بندو! بیشک رزق بندے کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جس طرح موت اسے تلاش کرتی ہے، ہمارا رزق تقسیم ہو چکا ہے، اور اسے لکھا جا چکا ہے، ہمیں صرف کوشش کی ضرورت ہے، اور یہ چھ کنجیاں بھی کوشش کے دروازوں میں سے ایک ہیں۔

(١٦)

إِنَّ اللهَ لا يَقْبَلُ مِنَ العَمَلِ إِلاَّ مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ

اللہ کے لیے کئے جانے والے عمل میں اخلاص کا ہونا بنیادی اور ضروری مقصد ہے، قرآن و حدیث کے نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں، اور مسلمان کے عقیدہ میں بنیادی بات یہی ہے کہ اس کا عمل خالص اللہ کے لیے ہو، ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ فَٱعۡبُدِ ٱللَّهَ مُخۡلِصٗا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝٢ أَلَا لِلَّهِ ٱلدِّينُ ٱلۡخَالِصُۚ﴾[الزمر: ٣-٢]

ترجمہ:(اے پیغمبر) بیشک یہ کتاب ہم نے تم پر برحق نازل کی ہے، اس لیے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اسی کے لیے ہو۔ یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے

صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں: «**أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ**»(١٧٩) ترجمہ: میں شرک کرنے والوں کے شرک سے بے نیاز ہوں، جو کوئی

(١٧٩) مسلم (٢٩٨٥)۔

عمل کر کے اس میں میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

اخلاص بہت بڑی فضیلت ہے وہ عمل کو ریاکاری کے شائبہ سے پاک کرتا ہے، اور اسے اتنا پاک کرتا ہے کہ وہ عمل مقبول ہو جاتا ہے، بعض سلف کا کہنا ہے: «**كَمْ مِنْ عملٍ صغيرٍ تُعظِّمه النيَّةَ! وكَمْ مِنْ عملٍ كبيرٍ تُصغِّرُه النيَّةُ!**»(١٨٠) ترجمہ: بہت سے چھوٹے عمل ایسے ہیں کہ نیت کی وجہ وہ بڑے بن جاتے ہیں اور بہت سے بڑے عمل ایسے ہیں کہ وہ نیت کی وجہ سے چھوٹے بن جاتے ہیں۔

اخلاص مجاہدہ نفس کا نام ہے اور نفس سے جنگ کرنے کا نام ہے اور اللہ کی ذات کے علاوہ دیگر لوگوں کے پاس موجود مال و دولت سے اپنے آپ کو بے نیاز رکھنے کا نام ہے ، سفیان کہتے ہیں: «**ما عالَجْتُ شيئًا أشدَّ عليَّ مِنْ نَفْسي**»(١٨١) ترجمہ: « میرے نفس سے زیادہ سخت کسی اور چیز سے میرا پالا نہیں پڑا ہے »، کبھی میں اپنے فائدے کی بات کرتا ہے، تو کبھی میرے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔

اخلاص ہی آج ہمارا موضوع سخن ہے، یہ موضوع جوامع الکلم کی مبارک کڑی ہے، نسائی نے ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِنَّ اللهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ العَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتُغِيَ بِهِ**

---

(١٨٠) احیاء علوم الدین (٣٦٤/٤) و تاریخ الاسلام (٢٣٧/١٢) لابن المبارک۔

(١٨١) الحلیہ (٦٢/٧)۔

وَجْهُهُ»(۱۸۲) ترجمہ: اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو اور اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی مانگی گئی ہو۔

یہ وہ عظیم حدیث ہے جو تمہاری محنت اور وقت دونوں کو بچاتی ہےاور تمہیں ایک ہی راستے سے جوڑے رکھتی ہے۔

یہ حدیث تم سے مخاطب ہے: «بیشک اللہ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو۔» اے اللہ کے بندے، اگر تمہارے پاس ایسا عمل ہے جو اللہ کے لئے نہیں کیا گیا ہے، تو تم اپنے آپ کو خواہ مخواہ نہ تھکاو، اور ان دکھاوے والی عبادتوں میں اپنے وقت کو ضائع کرنے سے بچو، کیوں کہ اللہ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو اور اس کی خوشنودی چاہی گئی ہو۔

اس حدیث کا ایک پسِ منظر ہے: ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول، آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو جنگ اس لیے کرتا ہے، تاکہ اجر و ذکر حاصل کرے، یعنی آپ سے اجر حاصل کرے اور لوگوں کی زبان پر اس کا ذکر ہو، وہ دنیا اور آخرت دونوں کے اجر کا طالب ہے، اس کے لیے کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، اس نے پھر دہرایا کہ جو شخص جنگ اس لیے کرتا ہے تاکہ اجر و ذکر حاصل کرے، اس کے لیے کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر

---

(۱۸۲) نسائی (۳۱۴۰)۔

وہ دوسری جانب سے آیا اور پوچھنے لگا کہ جو شخص جنگ اس لیے کرتا ہے تاکہ اجر و ذکر حاصل کرے، اس کے لیے کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، «**إِنَّ اللهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ العَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ**»ترجمہ:اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو اور جس کے ذریعہ اس کی خوشنودی مانگی گئی ہو۔

اخلاص بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے اور یہ ایک بہت بڑی عبادت ہے، اگر تم اس مقام تک پہنچنا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ یہ عبادت تمہارے اندر راسخ جائے تو میں تمہیں اور خود کو چند اقدامات بتاتا ہو جو شخص انہیں اپنائے گا وہ اس مقام تک پہنچ جائے گا اور اس عبادت سے مانوس ہو جائے گا۔

اقدام اول:

مخلص بننے کیلئے اللہ سے مدد طلب کرو، دعاء کرو: اے میرے پروردگار میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا عمل خالص ہوکیوں کہ یہ دل میں میں اخلاص پوشیدہ ہے اور دل کے احوال بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ ابھی ذکر کیا جائے گا، ارشاد باری ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِى سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾﴾[غافر: ٦٠]

ترجمہ:اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا بیشک جو لوگ تکبر کی بناء پر میری عبادت سے منہ موڑتے

ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

سنن ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر یہ دعاء پڑھا کرتے: «يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبَ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ»[۱۸۳] ترجمہ: اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ ،جس وقت دل پھرتا ہے تو ضروری نہیں کہ صاحب دل نمازی ہو اور وہ نماز چھوڑنے لگے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب دل روزہ دار ہو اور وہ روزہ چھوڑنے لگے، دل کا پھرنا یہ ہے کہ صاحب دل جو اللہ کے لیے نماز پڑھتا تھا، پھر دل پھر گیا تو وہ نماز تو پڑھتا ہے مگر غیراللہ کے لیے، وہ صدقہ کرتا تھا لیکن دل پھر گیا تو اس کی خواہش ہونے لگی کہ غیر اللہ اس کے صدقہ و خیرات پر اس کی تعریفیں کریں اور اس کے گن گائیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا اور اس خطبہ میں ارشاد فرمایا: «أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا هَذَا الشِّرْكَ؛ فَإِنَّهُ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ» ترجمہ:اے لوگو! اس شرک یعنی ریاکاری سے بچو کیوں کہ یہ چیونٹی کے رینگنے کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ یعنی اخلاص سے عاری ہو کر کیا جانے والا عمل چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہے، کسی کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ تو پھر ہم اس سے کیسے بچ سکتے ہیں جب کہ وہ چیونٹی کے رینگنے سے زیادہ خفی ہے ؟ تو آپ ﷺ نے انہیں اسی

---

(۱۸۳) احمد (۳/۱۱۲) و ترمذی (۲۱۴۰) وابن ماجہ (۳۸۳۴) ۔

اقدام کی طرف ہدایت فرمائی، وہ ہے اللہ سے مدد طلب کرنا، آپ نے ارشاد فرمایا: «قُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهُ، وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُ»(۱۸۴) ترجمہ: کہو: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ جانتے ہوئے تیرے ساتھ کسی کو شریک کروں اور تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اس چیز کی جسے میں نہیں جانتا۔

بہرحال مخلصین کی راہ میں اخلاص کا پہلا اقدام اللہ سے مدد طلب کرنا ہے۔

اقدام دوم:

فرائض کی ادائیگی، فرائض کی ادائیگی دوسرا اقدام ہے، کیوں کہ شیطان تمہیں دیکھ رہا ہے کہ تم ریاء اور اخلاص کے موضوع پر بات سن رہے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کسی عمل سے بے رغبت پیدا کردے اور کہے: اس عمل کو چھوڑ دو کیوں کہ اس میں ریاکاری ہے، اُس عمل کو چھوڑ دو کیوں کہ اس میں اخلاص نہیں ہے۔ شیطان کے اس بھکاوے کا علاج یہ ہے کہ تم فرائض ادا کرو، ارشاد باری ہے: ﴿ لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾[النساء: ١١٤]

ترجمہ:لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، الا یہ کہ کوئی

(۱۸۴) احمد (۴/۴۰۳)، وابن ابی شیبہ (۱۵/۲۷۹)۔

شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے۔ اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے گا، ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ›› حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ عبادت کریں اللہ تعالی کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکاۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے۔››

اقدام دوم:

دل کی صفائی اور مجاہدہ کی کوشش میں لگے رہنا: اس کام کیلئے صبح وشام اور ہمیشہ ہروقت دل کی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کو اپنے دل سے غافل نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ دل کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور دل ہی رب کی نظرِ رحمت کا مقام ہے، صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «**إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ**»[۱۸۵] ترجمہ: بیشک اللہ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

لہذا دل رب کی نظر کی جگہ ہے، نہ کپڑے، نہ مال ودولت ، اور نہ یہ سواریاں، بلکہ رب کی نظر کا مقام وہ چیز ہے جو ہمارے دل میں ہے، تو عقلمند وہی ہے جو اس دل کی صفائی اور پاکی کی کوشش کرے، اس کا سبب یہ ہے کہ دل کے احوال بدلتے

---

(۱۸۵) مسلم (۲۵۶۴) ۔

رہتے ہیں، صرف تمہارا دل ہی ایسا نہیں ہے بلکہ میرا، تمہارا اور سارے لوگوں کے دل کا یہی حال ہے، نیکی سے برائی کی طرف، اور شر سے خیر کی طرف مائل ہوتے رہتا ہے، اور بندے کو چاہئے کہ وہ دل کی اس حالت کا محاسبہ کرتا رہے،، ہمارے حبیب ﷺ کا ارشاد ہے: «لَقَلْبُ ابْنِ آدَمَ» أي: كلِّ بني آدمَ «أَشَدُّ انْقِلَابًا مِنَ القِدْرِ إِذَا اجْتَمَعَتْ غَلْيًا»[۱۸۶] ترجمہ: ابن آدم کا دل اُبلنے والی ہانڈی سے بھی زیادہ پھرتا ہے۔ یعنی جس طرح ہانڈی کے گرم ہونے کے بعد پانی تیزی سے حرکت میں آجاتا ہے، اسی طرح دل بھی حرکت کرتا ہے، لہذا ہم میں سے ہر انسان کو چاہئے کہ وہ ان شکوک وشبہات سے اپنے دل کو صاف کرنے کی کوشش کرے۔

اقدام چہارم – میرے خیال میں استعانت باللہ کے بعد سب سے اہم اقدام ہے-:

مجاہدہ نفس، یہ ہے کہ دنیا کمانے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، جب تمہیں لگے کہ تمہارا نفس ایسے کام کرتا ہے جسے صرف اللہ کے لیے ہونا چاہئے اور تمہارا نفس اسی کام کے ذریعے دنیا کی طرف راغب ہورہا ہو، تو تم اس کام سے باز آجاو، کیوں کہ تمہارا وقت اور کوشش بیکار جائیں گے۔

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «إِذا كانَ يومُ القِيامةِ جِيءَ بالدنيا فيُميَّز منها ما كانَ لله، وما كانَ لغيرِ الله يُرمَى به في نارِ جهنَّمَ»[۱۸۷] ترجمہ:

---

(۱۸۶) احمد (۶/۴)۔

(۱۸۷) الزهد ابن ابی عاصم (۲۸۳)، والشعب بیہقی (۶۴۳۳)۔

قیامت کے دن دنیا کو لایا جائے گا، تو جو اللہ کے لیے کیا گیا ہے اسے الگ کیا جائے گا اور جو غیر اللہ کے لیے ہے اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ کوئی بھی عبادت ہو: تم خطیب ہو تو دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو، تم امام ہو یا موذن دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو، تم بھلائی کا حکم کرنے والے برائی سے روکنے والے اور اپنی قوم میں مصلح ہو تو دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو، تم صدقہ کا ارادہ رکھتے ہو تو دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو، کیوں کہ یہ بیکار چلا جائے گا اور اللہ کے نزدیک قبول نہیں ہو گا۔

جو شخص اپنے نیک اعمال جیسے نماز، زکوٰۃ، صدقہ خیرات اور بھلائی کے ذریعے دنیا کی چاہت اپنے اندر رکھتا ہے، اس کے بارے میں ارشاد باری ہے: ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَٰلَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾﴾ [هود: ١٥]

ترجمہ: جو لوگ (صرف) دنیوی زندگی اور اس کی سج دھج چاہتے ہیں، ہم ان کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دنیا میں دے دیں گے، اور یہاں ان کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ انہیں دنیا تو حاصل ہو گی مگر: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[هود:١٦]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ کارگزاری انہوں نے کی تھی، وہ آخرت میں بیکار ہو جائے گی، اور جو عمل وہ کر رہے ہیں، (آخرت کے لحاظ سے) کالعدم ہیں۔

ارشاد باری ہے: ﴿عَجَّلْنَا لَهُۥ فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُۥ جَهَنَّمَ يَصْلَىٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ ٱلْـَٔاخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ﴿١٩﴾﴾[الإسراء: ١٩-١٨]

ترجمہ:جو شخص دنیا کے فوری فائدے ہی چاہتا ہے تو ہم جس کے لیے چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں، اسے یہیں پر جلدی دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے ہم نے جہنم رکھ چھوڑی ہے جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہو گا۔ اور جو شخص آخرت (کا فائدہ) چاہے اور اس کے لیے ویسی ہی کوشش کرے جیسی اس کے لیے کرنی چاہیے، جبکہ وہ مومن بھی ہو، تو ایسے لوگوں کی کوشش کی پوری قدر دانی کی جائے گی۔

ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾﴾ [الانسان: ٩]

ترجمہ:ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔ کبھی نیک اعمال کا مقصد لوگوں کی داد و تحسین وصول کرنا ہوتا ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی خطیب ہے، تو اُس سے کہا جائے کہ: کیا خوب تقریر کی ہے آپ نے، کتنی فصاحت سے تقریر ہے، کتنی بلیغ تقریر ہے! تو یہ خطیب شخص ان جیسے تعریفی کلمات کے جال میں پھنس جاتا ہے،

اور اس طرح اس کا اجر چلا جاتا ہے، اسی لیے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کی اتباع میں دنیا کے حسی یا معنوی منفعت کی طرف توجہ نہ دے۔

اس آیت ﴿إِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمۡ جَزَآءٗ وَلَا شُكُورًا ۝٩﴾[الانسان: ۹] کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: «وَمَنْ طلَبَ منَ الفُقراءِ الدُّعاءِ، أوِ الثناءَ خرَجَ مِنْ هذه الآيةِ»[(۱۸۸)] ترجمہ:جو شخص فقراء سے دعاء یا تعریف کا خواستگار ہوگا وہ اس آیت سے خارج ہے جب وہ فقیر کو دیتا ہے تو کہتا ہے: ہمیں اپنی نیک دعاوں میں نہ بھولنا، یعنی یہ عطیہ اس دعاء کے مقابلہ میں ہے، وہ فرماتے ہیں: وہ اس آیت سے خارج ہے کیوں کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمۡ جَزَآءٗ وَلَا شُكُورًا ۝٩﴾[الانسان: ۹]

ترجمہ:ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس آیت پر اپنی زندگی میں حقیقی طور پر عمل کیا کرتی تھیں، چنانچہ جب اپنی پڑوسن کے پاس کوئی ہدیہ بھیجتیں تو اس سے جس کے ہاتھ یہ ہدیہ بھیجتیں کہتیں: ان کے دروازہ پر کھڑے ہو کر سنو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، اگر وہ لوگ انہیں «جزاها الله خيراً» کہتے، تو وہ ان سے کہتیں کہ ان سے وہی کہو جو انہوں نے کہا، تاکہ اجر برابر ہوجائے اور ہمارا اجر ہمارے لیے باقی رہے[(۱۸۹)]۔

---

(۱۸۸) مجموع الفتاوی (۱۱/۱۱۱)۔

(۱۸۹) السنن الکبری (۱۰۰۶۲)، و عمل الیوم واللیلۃ (۲۷۸)، مجموع الفتاوی (۱۱/۱۱۱)۔

احیاء علوم الدین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کا عبرتناک قصہ نقل کیا ہے، وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے تیس سال کی نماز قضاء کیا ہے: غور کیجئے اس پہلو پر، وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے تیس سال کی نماز قضاء کی ہے، جسے میں نے مسجد میں پہلی صف میں پڑھا تھا، ہوا یہ تھا کہ ایک دن میں نماز میں تاخیر سے پہنچا تو دوسری صف میں مجھے جگہ ملی، میں نے دوسری صف میں نماز پڑھی، تو مجھے ندامت ہوئی کہ لوگ مجھے دیکھ کر کہہ رہے تھے: فلاں نے دوسری صف میں نماز پڑھی، مجھے لگا کہ میں تیس سال سے نماز لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھ رہا تھا، دوسری صف میں نماز پڑھ کر میرے نفس کو اچھا نہیں لگا، اس لیے نہیں کہ اللہ کو معلوم ہوگیا بلکہ اس لیے کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا، تو انہیں لگا کہ وہ پہلی صف میں نماز اس لیے پڑھنے کا پابند تھا کہ اس کی تعریف کی جائے اور پہلی صف میں پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے پر اس کی مدح سرائی کی جائے، وہ شخص کہتا ہے کہ : اسی لیے میں نے تیس سال کی نماز قضاء کی ہے[۱۹۰]۔

یہ اخلاص ہی ہے جس کے بارے میں علماء امت کہتے ہیں: نجات صرف اخلاص ہی کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔

اقدام پنجم ـ مخلصین کے مقام اخلاص تک پہنچنے کی راہ کی وضاحت میں -:

نیکیوں کو چھپانا، تم اپنی نیکیوں کو ایسے چھپاو جیسے تم اپنی برائیوں کو چھپاتے ہو،

---

(۱۹۰) احیاء علوم الدین (۲/۲۴۲)۔

کیوں کہ ارشاد باری ہے: ﴿فَلَا تُزَكُّوٓاْ أَنفُسَكُمۡۖ هُوَ أَعۡلَمُ بِمَنِ ٱتَّقَىٰٓ﴾[النجم: ۳۲]

ترجمہ:لہذا تم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ ٹھہراؤ، وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم میں سے متقی کون ہے اس لیے لوگوں کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم متقی ہیں، ہم چھپے ہوئے ہیں، یہ ہمارے اعمال ہیں، یہ ہمارے صدقات و خیرات ہیں اور یہ ہماری نیکیاں ہیں اور یہ ہماری نمازیں ہیں۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ مخلص کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو ایسے چھپائے جیسے اپنی برائیوں کو چھپاتا ہے۔(۱۹۱) تو جیسے اپنی برائیوں اور گناہوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں، اسی طرح اپنی نیکیوں کو بھی چھپانا چاہیے۔

اس سلسلے کی سب سے عظیم حدیث مسند احمد میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا جَازَى اللهُ العِبَادَ يَوْمَ القِيَامَةِ قَالَ لِبَعْضِهِمْ: اذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاؤُونَ بِأَعْمَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا، فَانْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً»(۱۹۲) ترجمہ:قیامت کے دن جب اللہ بندوں کو جزاء دے گا تو کچھ لوگوں سے کہے گا: ان کے پاس جاو جنہیں تم اپنے اعمال دنیا میں دکھایا کرتے تھے، دیکھو کہ کیا تمہیں ان کے پاس کوئی جزاء ملتی ہے۔

---

(۱۹۱) تنبیہ الغافلین (ص:۲۹)، واحیاء علوم الدین (۳۷۸/۴)۔
(۱۹۲) احمد (۴۲۸/۵)۔

یہی خطرناک بات ہے کہ ریاکار جو مخلص نہیں ہے اس سے کہا جائے گا: ان کے پاس جاو جنہیں تم اپنے اعمال دکھایا کرتے تھے، تو کیا تمہیں ان کے پاس اپنے اعمال کا کوئی بدلہ مل سکتا ہے؟۔

اخلاص کی راہ میں یہی اقدامات ہیں جس نےانہیں اختیار کرلیا وہ ہدایت یافتہ ہوگیا اور جس نے ان سے اعراض کیا اس نے اپنا ہی نقصان کیا اور مخلصین کے طریقہ سے دور ہوگیا۔

(۱۷)

مَنْ صمَتَ نَجا

خاموشی ایک مٹتی ہوئی نیکی اور اچھی عادت ہے، خصوصی طور پر ہمارے اس زمانے میں جہاں کلام اور متکلمین کی بہتات ہے۔

خاموشی بغیر زیور کے زینت ہے اور بغیر سلطنت کے ہیبت ہے اور بغیر دیوار کے محفوظ قلعے کی مانند ہے۔

خاموشی باعثِ شرف ہے ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا[۱۹۳]:

وَالصَّمْتُ عَنْ أَحْمَقٍ أَوْ جَاهِلٍ شَرَفٌ وَفِيهِ أَيْضًا لِصَوْنِ العِرْضِ إِصْلَاحُ

ترجمہ : احمق اور جاہل کی بات سن کر خاموش رہنا شرف کی بات ہے، اور اس میں عزت کی حفاظت کی خاطر اصلاح ہے۔

خاموشی حکمت ہے، حکیم لقمان نے فرمایا: خاموشی حکمت ہے مگر خاموش رہنے والے کم ہیں[۱۹۴]۔

خاموشی نجات ہے، امام ترمذی نے ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم

---

(۱۹۳) دیوان شافعي (ص:۵۱) ۔

(۱۹۴) احمد في الزهد (ص:۸۸، ۵۴۵) ۔

ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ صَمَتَ نَجَا»(۱۹۵) ترجمہ: جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ یہی آج ہمارا موضوع سخن ہے جو جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ صَمَتَ نَجَا» ترجمہ: جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ تین کلمات ہیں جس میں آٹھ حروف ہیں لیکن اس کے معانی بہت عظیم ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاموشی جس کی عادت بن جائے اسے نجات مل گئی، کسی شاعر نے کہا ہے:

رأَيْـتُ الـكـلامَ يَـزِيـنُ الفَتى   والصَّمْتُ خَيْرٌ لِمَنْ قَدْ صَمَتْ

فَكَمْ مِنْ حُرُوفٍ تَجُرُّ الحُتُوفْ   وَكَمْ نَاطِقٍ وَدَّ أَنْ لَوْ سَكَتْ(۱۹۶)

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ "بات" انسان کو زینت بخشتی ہے اور خاموشی بہتر ہے اس شخص کے لیے جو خاموش رہے۔ کتنے ہی حروف ایسے ہیں کہ جو موت کی طرف کھینچتے ہیں اور کتنے بولنے والے ایسے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ کاش وہ چپ رہتے۔

خاموشی خیر ہے، اور خاموشی میں نجات ہے، شر سے، بری باتوں اور برے کاموں سے چپ رہنا یہ سب کے سب خیر ہیں اور اس میں نجات ہے۔

ہاں اچھی بات کہنا کارِ خیر ہے، ذکر کرنا کارِ خیر ہے، نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کی بات کرنا کارِ خیر ہے، جیسا کہ شر، برائی اور فجور سے چپ رہنے میں نجات ہے۔

---

(۱۹۵) احمد (۲/۱۵۹)، و ترمذی (۲۵۰۱)۔

(۱۹۶) الرسالہ القشیریہ (۱/۲۴۶)۔

چپ رہنے میں نجات کیوں نہ ہو جب کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ آپ نے یہ بات ایسے زمانے میں کہی جب لوگوں کو بات کی قیمت کا پتہ تھا، اس زمانے میں لوگ بات کی قیمت کو جانتے تھے اسی لیے وہ اسے ایسے تولتے تھے جیسے سونے اور چاندی کو تولا جاتا ہے، اور ہمارے زمانے میں ہمیں خاموشی کی عادت اختیار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خاموشی اُن تمام اخلاق میں سب سے بہترین عادت ہے جسے لوگوں کو اپنانا چاہئے، اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بیہقی نے شعب الایمان میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: «**يَا أَبَا ذَرٍّ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى خِصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَأَثْقَلُ فِي المِيزَانِ مِنْ غَيْرِهِمَا؟**» ترجمہ: اے ابو ذر میں تمہیں ایسی دو عادتیں نہ بتلا دوں جن کو کرنا بہت آسان ہے اور میزان میں دوسری چیزوں سے زیادہ وزنی ہوں گی؟ یعنی نہ کوشش کی ضرورت نہ تھکاوٹ اور نہ ہی کچھ خرچ کی ضرورت، ابوذر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول کیوں نہیں ، تو آپ نے ارشاد فرمایا: «**طُولُ الصَّمْتِ، وَحُسْنُ الخُلُقِ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا**» ترجمہ: لمبی خاموشی اور حسن خلق: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مخلوق نے ان دونوں کے مثل پر عمل نہیں کیا۔ یہ بیہقی کی روایت ہے(١٩٧)۔

(١٩٧) شعب الایمان (٧٦٤١)۔

ابن ابو عاصم نے کتاب الزہد میں دوسری روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: «فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا تَجَمَّلَ الخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا»(١٩٨) ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مخلوق ان دونوں کے مثل کسی اچھی عادت کو نہیں اپنا سکی۔ یہ زینت ہے، خاموشی بغیر زیور کے زینت ہے، تم تھکوگے نہیں جب خاموش رہو گے اور تمہیں تھکاوٹ نہیں ہوگی جب تم اپنی زبان روک لوگے، بولنے والا بامعنی اور لایعنی باتیں بول کر تھک جاتا ہے، مگر خاموش شخص پر خاموشی کا بوجھ بہت ہلکا ہوتا ہے۔

خاموشی کا تعلق ایمان سے ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِالله وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»(١٩٩) ترجمہ: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بھلی بات بولے ورنہ خاموش رہے۔یہاں ایمان اور خاموشی کے درمیان یقینی تعلق ہے، فساد والی باتوں سے خاموشی ہو، بے حیائی والی باتوں سے خاموشی ہو، برائی والی باتوں سے خاموشی ہو، حتی کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ مباح باتوں سے بھی خاموشی ہو۔

خاموشی اختیار کرے اور صرف مطلب کی بات بولے، اور ایسی بات نہ بولے جس کی وجہ سے اسے یا دوسروں کو تکلیف ہو: «وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِالله وَاليَوْمِ

---

(١٩٨) الزھد لابن ابی عاصم (٢) ۔

(١٩٩) بخاری(٦٠١٨)، ومسلم (٤٧) ۔

الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»ترجمہ: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بھلی بات بولے ورنہ خاموش رہے۔

خاموشی میں پکڑ سے حفاظت ہے، بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بارہا یہ جملہ دہرایا کرتے تھے: «**رَحِمَ اللهُ امْرَأً تَكَلَّمَ فَغَنِمَ، أَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ**»[(۲۰۰)] ترجمہ: اللہ اس شخص پر رحم کرے جو بولے تو فائدے میں رہے، اور چپ رہے تو محفوظ رہے۔ جب بولے تو اپنی بات کو تولے، یہاں تک کہ بعض سلف ہفتہ بھر اپنی بولی ہوئی باتوں کو گن لیتے تھے، فرماتے ہیں: اگر میں ایک ہفتہ بھر اپنی بولی ہوئی باتوں کو شمار کرنا چاہوں تو انہیں شمار کر سکتا ہوں۔ یعنی وہ اتنا کم بولا کرتے تھے۔

امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھیں – ان کے کلمات وحی کے مشابہ ہوتے تھے- وہ فرماتے ہیں: «**مَنْ كثُرَ ضحِكُه قلَّتْ هَيبتُه، ومَنْ مزَحَ استُخِفَّ بِهِ، ومَنْ أكثرَ مِن شيءٍ عُرِفَ بِهِ، ومَنْ كثُرَ كلامُه كثُرَ سقطُه، ومَنْ كثُرَ سقطُه قلَّ حياؤُه، ومَنْ قلَّ حياؤُه قلَّ ورعُه، ومَنْ قلَّ ورعُه ماتَ قلبُه، ومَنْ ماتَ قلبُه كانتِ النارُ أَوْلى به**»[(۲۰۱)] ترجمہ: جو زیادہ ہنستا ہے، اس کا رعب کم ہو جاتا ہے، جو مذاق کرتا ہے، اس کو ہلکا شخص سمجھا جاتا ہے، جو انسان

---

(۲۰۰) شعب الایمان (۴۵۸۹) ۔

(۲۰۱) «الحلم ابن ابی الدینا (۱۲۶)، والاوسط طبرانی (۲۲۵۹)، والشعب بیہقی (۴۶۴۰)-»

بکثرت کوئی کام کرتا ہے، تو وہی کام اس کی پہچان بن جاتا ہے، جو زیادہ باتیں کرتا ہے، تو اس کی غلطیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں، اور جس کی غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں، اس کے اندر حیاء کم ہوجاتی ہے، اور جس کے اندر حیاء کی کمی ہو، اس میں پرہیزگاری کم ہوجاتی ہے، اور جس کے اندر پرہیزگاری کی کمی ہو، اس کا دل مرجاتا ہے، اور جس شخص کا دل ہی مردہ ہو، وہ جہنم کی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔ یہ لازمی نتیجہ یہاں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ شروع میں فرمایا: جو زیادہ باتیں کرتا ہے، اسکی غلطیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں، اور اخیر میں فرمایا: وہ جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔

ابن رجب کہتے ہیں: ایک صحابی دوسرے صحابی کے پاس مرض الوفات میں گئے تو کیا دیکھتے کہ ان کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے تو انہوں نے وجہ دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: میرے پاس دو عملوں سے زیادہ قابل بھروسہ کوئی عمل نہیں ہے: میں لایعنی گفتگو نہیں کیا کرتا تھا اور میرا دل مسلمانوں کے لیے محفوظ تھا۔[۲۰۲] کون یہ دو نعمتیں حاصل کرنا چاہتا ہے؟

وہ بولتے تو تھے مگر ایسی باتیں جو بامقصد و بامعنی ہوتی تھیں اور ان کا دل مسلمانوں کے لیے محفوظ تھا۔

حسن بصری نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں: «**إِذا جالَسْتَ فكُنْ على أَنْ تَسمعَ أحرصَ منكَ على أَنْ تَقولَ، وتَعلَّمْ حُسنَ الاستِماعِ كما تَعلَّمُ**

---

(۲۰۲) جامع العلوم والحکم (۱/ ۲۹۴)۔

حُسنَ القولِ»(۲۰۳) ترجمہ: جب مجلس یمں بیٹھو تو بولنے سے زیادہ سننے کی خواہش رکھو، حسن استماع کو ایسے سیکھو جیسے تم حسن تکلم سیکھتے ہو۔ کیا فن کلام کی تعلیم نہیں ہوتی؟ کیا فن محاورہ کی تعلیم نہیں ہوتی؟ اسی طرح استاذ کو فن خاموشی بھی سکھانا چاہئے، جس کو سننے کا فن نہیں معلوم اسے کلام کا فن بھی نہیں معلوم ہے۔

جب ہم اس عادت کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ خاموشی کی بڑی فضیلت ہے تو ہمارے من میں ایک ہی سوال اٹھتا ہے: کہ اس عادت تک پہنچنے کی راہ کیا ہوگی؟ اور اس کو ہم کیسے حاصل کرسکتے ہیں؟ لیکن جس نے ارادہ کیا اس کے لئے یہ کام بہت آسان ہے۔

ان وسیلوں کو اپناو:

وسیلہ اول:

اس امت کے سلف صالحین کی سیرت پڑھو کہ انہیں کیسے یہ خصلت حاصل ہوئی، رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو پڑھو، امام احمد اپنی مسند میں حضرت سماک سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا: **«نعَمْ، کانَ طویلَ الصمتِ قلیلَ الضحِكِ»**(۲۰۴) ترجمہ: ہاں، وہ بہت دیر تک خاموش رہنے والے اور بہت کم ہنسنے والے تھے۔

---

(۲۰۳) مکارم الأخلاق (۱۳۱) ۔

(۲۰۴) مسند احمد (۵/۸۶) ۔

اے رسول اللہ ﷺ کے پیروکار! یہ ہیں اللہ کے رسول، وہ زیادہ تر خاموش رہا کرتے اور کم ہنستے تھے، یہ رسول اللہ کی سیرت ہے۔

ان کے معاونین و پیروکاروں کو دیکھو، یہ خلیفہ راشد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابو بکر اپنی زبان باہر نکالے ہوئے ہیں، تو عمر نے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ ،کیا کر رہے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے عمر، اس چیز نے مجھے کن کن گھاٹوں پر پہنچایا ہے، [وہ تمہیں نہیں معلوم ہے]۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: «لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الجَسَدِ إِلَّا يَشْكُو ذَرْبَ اللِّسَانِ عَلَى حِدَّتِهِ»(۲۰۵) ترجمہ: جسم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو زبان کی تیزی کی شکاتیں نہ کرتی ہو۔ جسم کا ہر عضو زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے، لسان ذرب کہتے ہیں تیز زبان کو۔ آپ نے فرمایا: «لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الجَسَدِ إِلَّا يَشْكُو ذَرْبَ اللِّسَانِ عَلَى حِدَّتِهِ»ترجمہ: جسم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو زبان کی تیزی کی شکایت نہ کرتی ہو۔

اس حدیث کو سنن ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ» يَعنِي: تَرجو اللسانَ في ذلٍّ وخُضوعٍ وانحناءٍ «تَقُولُ لِلِّسَانِ: اتَّقِ اللهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، إِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ

---

(۲۰۵) شعب الإيمان (۴۵۹۶)۔

اعْوَجَجْنَا»(۲۰۶) ترجمہ: انسان روزانہ صبح جب بیدار ہوتا ہے تو تمام اعضاء زبان سے مخاطب ہوکر اس سے التجا کرتے ہیں کہ دن میں درستی اور صداقت پر قائم رہنا اور بیہودہ گوئی سے بچے رہنا، کیوں کہ اگر تُو درست اور ٹھیک رہے گی، تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تُو کج روی کے راستے پر چلے گی تو ہم بھی کج روی کے راستے پر چل پڑیں گے۔ زبان کا چپ رہنا اور طویل قید میں رہنا بہت ضروری ہے۔

بہرحال انسان کو چاہئے کہ اگر وہ نجات پانا چاہتا ہے، اور اس عظیم اخلاق کو اپنانا چاہتا ہے، تو اسلاف کی سیرتوں میں غور وفکر کرے۔

وسیلہ دوم:

خاموشی کی ضد کلام کے انجام اور خطرات سے متعلق غورو فکر کرتے ہوئے انسان خاموشی کو اپنا سکتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ ہلاکت کا باعث بننے والے زبان کے انجام کے بارے میں غور کرے ، اللہ تعالی سورہ النساء میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ ﴾[النساء: ١١٤]. ترجمہ:لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کو تم صبح وشام بولتا ہوا دیکھتے ہو، وہ ہر چیز کے بارے میں بولتے ہیں، درخت کا اگر کوئی پتہ بھی اڑتا ہے تو وہ اس پر بھی تبصرہ کرتے ہیں، تنقید کی شکل میں، یا غصے کا اظہار کرتے ہوئے، یا حقارت کے ساتھ، یا پھر غیبت کی شکل میں کچھ نہ کچھ تبصرہ ضرور کرتے ہیں، صبح و شام ان

---

(۲۰۶) احمد (۳/۹۶)، و ترمذی (۲۴۰۷) ۔

کا کام ہی یہی ہے۔ اور دورِ حاضر میں جب سے لوگوں کے پاس سوشل میڈیا تک رسائی کے اسباب عام ہوچکے ہیں، تو انسان اپنی بات ایک ہی منٹ میں لوگوں تک پہنچانے لگا ہے، جس کو چاہتا ہے اپنی بات سنا رہا ہے، ، اس کی بات ہر جگہ گردش کررہی ہے اور بسا اوقات اس کی یہ بات اسی پر وبال بن جاتی ہے، اسلاف ایسا نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ تو کم گو تھے، انسان کو نہیں بولنا چاہئے مگر جب اسے یہ یقین ہوکہ اس بات سے اسے نیکیاں ملیں گی، کبھی بھی اپنے آپ کو محظوظ کرنے کے لیے نہیں بولنا چاہئے۔

اسی لیے اس وسیلہ کو اختیار کرنا ضروری ہے، گفتگو کا انجام کار سوچو، کیوں کہ معجم طبرانی میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**أَكثرُ خَطايا ابنِ آدَمَ في لِسانِهِ**»(۲۰۷) ترجمہ: انسان کی اکثر غلطیاں اس کی زبان میں ہیں۔

اے اللہ کے بندو! اس حدیث پر بھی غور کرو: نبی کریم ﷺ ایک صحابی کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: «**أَبْشِرْ يَا كَعْبُ، أَوْ هَنِيئًالَكَ يَا كَعْبُ**» ترجمہ: اے کعب، تمہیں بشارت ہو۔ اور کعب کی والدہ ایک سمت میں بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے کہا - یہ کعب ایک صحابی اور نبی کے ایک ملازم ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شرکت کرنے والوں میں سے ایک ہیں - ماں

---

(۲۰۷) المعجم الکبیر (۱۰/۱۹۷، ۱۰۴۴۶)، و شعب الایمان (۴۵۸۴) ۔

نے بہت نرمی سے کہا گویا کہ وہ انہیں ان کلمات سے وداع کر رہی ہوں: «اے کعب تمہیں جنت کی بشارت ہو»، آپ ﷺ نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ کعب نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ میری ماں ہیں، وہ اپنے مرض میں کہہ رہے تھے کہ یہ میری ماں ہیں اے اللہ کے رسول۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «**مَا يُدْرِيكِ يَا أُمَّ كَعْبٍ؟ لَعَلَّ كَعْبًا تَكَلَّمَ فِيمَا لَا يَعْنِيهِ، أَوْ مَنَعَ مَا لَا يُغْنِيهِ**»[۲۰۸] ترجمہ: اے ام کعب، تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ شاید کعب کوئی لایعنی گفتگو کی ہو، یا پھر جس بات کا کرنا ضروری تھا نہ کہ ہو۔ یعنی تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جنتی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان لایعنی گفتگو حائل ہوجائے۔

یہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہیں ہمیشہ نبی کی صحبت ملی ہے، ان پر خدشہ ظاہر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا: «**رُبَّمَا تَكَلَّمَ فِيمَالَايَعْنِيهِ**» ترجمہ: ہوسکتا ہے کہ کبھی انہوں نے لا یعنی گفتگو کی ہو۔ تو ہمارا کیا ہیں، ہم تو دن رات ضروری اور غیر ضروری امور میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔

تو مومن کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس عادت کو اپنائے اور اس کی فضیلت کو پائے اور اسے کوشش کرنی چاہئے کہ کثرتِ کلام کے عادی اس زمانے میں خاموشی کی اس تہذیب کو عام کرے۔

---

(۲۰۸) الصمت ابن ابی الدنیا (۱۱۰)، والاوسط طبرانی (۷۱۵۷)۔

(۱۸)

إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرِفْقٍ

اے لوگو! اقوال و افعال میں حد سے تجاوز کرنے کا نام غلو ہے۔

میانہ روی سے نکلنے کا نام غلو ہے۔

غلو ایک بہت پرانی بیماری ہے، پہلے والی کئی امتیں اس کی لپیٹ میں آئی تھیں، اور غلو کرنے والے نفسانی خواہشات کے پرستار ہوتے ہیں۔

اللہ نے غلو سے ڈرایا اور اس کے داعیوں سے ڈرایا، ارشاد فرمایا: ﴿يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ﴾[النساء: ۱۷۱]

ترجمہ:اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے سواء کوئی بات نہ کہو۔

ارشاد باری ہے: ﴿قُلۡ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ غَيۡرَ ٱلۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوٓاْ أَهۡوَآءَ قَوۡمٖ قَدۡ ضَلُّواْ مِن قَبۡلُ وَأَضَلُّواْ كَثِيرٗا وَضَلُّواْ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ﴾[المائدة: ۷۷]

ترجمہ:اے اہل کتاب ! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی

گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

غلو ہی آج ہمارا موضوع سخن ہے جو جوامع الکلم کا ایک حصہ ہے۔

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ تعالی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرِفْقٍ»[۲۰۹] ترجمہ: دین کا راستہ سخت دشوار گزار ہے، اس سے نرم روی سے گزرو۔

یہ دین بڑی عظمت والا ہے اور ہر چیز کی وسعت رکھتا ہے، لہذا اس دین کو اپنانے میں ایک دوسرے پر پہل کرو، مگر نرمی کے ساتھ۔یہاں نرمی کا مطلب یہ ہے کہ دین پر چلنے والا شخص بلا کسی کمی بیشی، اور بلا کسی تقصیر اور غلو کے نبی کے طریقہ پر چلے۔

بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں غلو فی الدین سے منع کیا گیا ہے، ہمارے نبی نے اپنی امت کو اسی کی تربیت دی، حجۃ الوداع کے موقعہ پر جس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہ رمی جمار کا ارادہ کر رہے تھے تو آپ نے انہیں حکم دیا: «يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، الْقُطْ لِي الْحَصَى» ترجمہ:اے ابن عباس ،میرے لیے کنکریاں اکٹھا کرو، تاکہ وہ رمی جمار کریں، تو وہ کنکریاں لے کر آئےاور نبی کے دست مبارک پر سات چھوٹی کنکریاں رکھ دیں، وہ کنکریاں نبی کی ہتھیلی میں تھیں، نبی نے انہیں اپنے صحابہ کو دکھا کر ارشاد فرمایا: «أَمْثَالَ هَؤُلَاءِ فَارْمُوا» ترجمہ: اس

(۲۰۹) مسند احمد (۳/۱۹۸- ۱۹۹)۔

طرح کی کنکریوں سے رمی کرو، پھر ارشاد فرمایا: «**يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِيَّاكُمْ وَالغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الغُلُوُّ فِي الدِّينِ**»(۲۱۰) ترجمہ: اے لوگو، دین میں غلو سے بچو، غلو فی الدین نے ہی تم سے پہلی قوم کو ہلاک کیا۔ یعنی جو شخص رمی کے لیے اکٹھی کی گئی کنکریوں کے حجم میں حد سے تجاوز کرگیا اس نے غلو کیا، اس نے خود کو ایسی جگہ رکھ دیا جس نے اسے ہلاک کردیا اور امت کو ہلاک کردیا۔

امام مسلم نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**هَلَكَ المُتَنَطِّعُونَ، هَلَكَ المُتَنَطِّعُونَ، هَلَكَ المُتَنَطِّعُونَ**»(۲۱۱) ترجمہ: متنطعون ہلاک ہوگئے، متنطعون ہلاک ہوگئے، متنطعون ہلاک ہوگئے۔ آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔

شارح مسلم امام نووی متنطعون کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ایسا شخص جو اپنے افعال و اقوال میں حد سے تجاوز کرے وہ متنطعون میں شامل ہے۔(۲۱۲) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس حد سے تجاوز کیا جسے حکمت والے شارع نے وضع کیا ہے، جو لوگ منہج نبوی میں افراط و تفریط سے کام لیں وہ اہل غلو ہیں۔

امام طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت سہل بن حنیف سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**لَا تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ**

---

(۲۱۰) احمد (۱/۲۱۵)، و نسائی (۳۰۵۷)، وابن ماجہ (۳۰۲۹)۔

(۲۱۱) مسلم (۲۶۷۰)۔

(۲۱۲) شرح صحیح مسلم (۱۶/۲۲۰)۔

قَبْلَكُمْ بِتَشْدِيدِهِمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ»[٢١٣] ترجمہ: اپنے نفس پر تشدد نہ کرو، تم سے پہلے کی امت اپنے نفس پر تشدد کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے۔

ہم نے مقدمہ میں تین احادیث ذکر کی ہیں، ان تینوں میں غلو فی الدین سے ڈرایا گیا ہے، ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ جو غلو میں پڑا وہ ہلاک ہوا، مذکورہ تمام احادیث اور اس کے علاوہ دیگر احادیث میں قدر مشترک یہ ہے کہ اہل غلو کے لیے صرف ہلاکت ہے، «فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» «هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ» «فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِتَشْدِيدِهِمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ»۔ جس نے اپنے نفس کو اس طریقے پر ڈالا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہلاکت اس کے پاس چل کر آئے گی۔

اے اللہ کے بندو، اے نوجوانو: [میں خصوصی طور پر تمہیں کہنا چاہتا ہوں] کیونکہ امت کی بیشتر نوجوان نسل ہی غلو کی شکار ہے، اس لیے انہیں غلو کی اشکال معلوم ہونی چاہئیں۔

پہلی شکل:

خود پر اور دوسروں پر ایسی عبادات کو لازم کرنا جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہیں، جب تم کسی انسان کو دیکھو یا اپنے اندر کسی داعی کو دیکھو جو تمہیں تقرب الی اللہ کے لیے ایسی عبادت کو لازم کرے جو دین کا حصہ نہیں ہے تو جان لو کہ وہ غلو ہے اور اس کی متعدد صورتیں ہیں:

---

(٢١٣) المعجم الکبیر (٦/٧٣، رقم ٥٥٥١)۔

پہلی صورت:

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ لوگوں کے درمیان خطبہ دے رہے تھے ، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص وہاں دھوپ میں کھڑا ہوا ہے، آپ نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہیں، انہوں نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑے رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں اور نہ ہی سایہ لیں گے اور نہ کسی سے بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے، یعنی اس نذر سے ان کا ارادہ یہ تھا کہ تقرب الی اللہ حاصل ہو گا، لیکن یہ تقرب الی اللہ ایسی عبادت سے تھا جو جائز نہیں ہے، انہوں نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑے رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں اور نہ ہی سایہ لیں گے اور نہ کسی سے بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے، آپ نے ارشاد فرمایا: «مُرُوهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ، وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ»[(۲۱۴)] ترجمہ: انہیں حکم دو کہ وہ بات کریں، سایہ لیں، بیٹھیں اور اپنے روزہ کو پورا کریں۔

چوتھی چیز تو جائز ہے کہ وہ اپنے روزہ کو پورا کریں، مگر باقی کی تینوں چیزیں غلو اور دین سے انحراف و خروج ہے۔

دوسری صورت:

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے بیٹوں کے کندھوں کے سہارے چل

---

(۲۱۴) بخاری (۶۷۰۴)۔

رہا تھا۔کمزوری کی وجہ سے وہ چل نہیں سکتا تھا، اس کے پیر زمین پر گھسٹ رہے تھے، اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ اسے اٹھائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اسے کیا ہوگیا؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، اس نے منّت مانا ہے کہ وہ پیدل چلے گا۔ یعنی وہ سواری پر سوار نہیں ہوگا، اس نے اپنی طاقت سے زیادہ اپنے نفس کو مکلف بنالیا ہے، اس نے اپنے اوپر ایسی عبادت لازم کر رکھی ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «**إِنَّ اللهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسِهِ لَغَنِيٌّ، مُرُوهُ فَلْيَرْكَبْ**»(۲۱۵) ترجمہ: بیشک اللہ تعالی اس شخص کے اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلاء رکھنے سے غنی و بے نیاز ہے، اس سے کہو کہ سواری پر سوار ہوجائے۔

تیسری صورت:

رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، اور دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہے ، پوچھا : یہ رسی کیسی بندھی ہے ؟ عرض کیا گیا : یہ ام المومنین [زوجہ رسول] زینب رضی اللہ عنہا کی ہے ، وہ نماز پڑھتی ہیں اور جب قیامِ لیل کے درمیان تھک جاتی ہیں تو اسی رسی سے لٹک جاتی ہیں ، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : «**لَا، حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ**»(۲۱۶) ترجمہ: ایسا نہیں کرنا چاہئے، اس رسّی کو کھول دو۔ جتنی طاقت ہو اتنی ہی نماز پڑھا کریں ، اور جب تھک جائیں تو بیٹھ جائیں۔ یہ بھی حد سے تجاوز ہے۔

---

(۲۱۵) بخاری (۱۸۶۵)، ومسلم (۱۶۴۲) ۔

(۲۱۶) بخاری (۱۱۵۰)، ومسلم (۷۸۴) ۔

چوتھی صورت:

حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نکلے، تو ہم میں سے ایک شخص کو ایک پتھر لگا، جس سے اس کا سر پھٹ گیا، پھر یہ شخص بیمار ہوگیا، اور پھر اتفاق کہ اسے احتلام ہوگیا، تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا: کہ تمہارے خیال میں کیا مجھے تیمم کرلینا چاہئے [کیونکہ میں غسل نہیں کرسکتا ہوں]؟ تو ساتھیوں نے کہا: ہمارے خیال میں تمہیں تیمم کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ تم پانی استعمال کرسکتے ہو، چنانچہ اس نے غسل کیا، اور پانی اس کے زخم پر لگنے کی وجہ سے وہ فوت ہو گیا، پھر جب ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «**قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْلَمْ يَعْلَمُوا إِنَّمَا شِفَاءُ العِيِّ السُّؤَالُ**»[۲۱۷] ترجمہ: ان لوگوں نے اسے مار ڈالا، اللہ ان کو مارے، جب ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہوں نے پوچھا کیوں نہیں؟ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے۔

جب انہوں نے فتوی میں بھی حد سے تجاوز کیا تو آپ نے فرمایا: «**قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْلَمْ يَعْلَمُوا إِنَّمَا شِفَاءُ العِيِّ السُّؤَالُ**» ترجمہ: ان لوگوں نے اسے مار ڈالا، اللہ ان کو مارے، جب ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہوں نے کیوں پوچھا کیوں نہیں؟ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے۔ یہ بھی غلو کی مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ جب کسی کو عبادت میں حد سے تجاوز کرتا دیکھو تو جان لو کہ وہ غلو کرنے والا ہے۔

---

(۲۱۷) ابو داود (۳۳۶)۔

مظہر دوم و سوم:

تعریف میں غلو یا برائی میں غلو، مدح میں غلو کی صورت یہ ہے کہ جب تم کسی کو اپنے ممدوح کی تعریف کرتے کرتے اس کے مرتبہ سے اونچا اٹھاتے دیکھو، تو جان لو کہ یہ اہل غلو میں سے ہے جیسا کہ یہود و نصاری نے کیا، قرآن کی ایک آیت میں یہود و نصاری کے بارے میں ہی یہ مذکور ہے: ﴿ وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ عُزَيْرٌ ٱبْنُ ٱللَّهِ وَقَالَتِ ٱلنَّصَـٰرَى ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ ٱللَّهِ ﴾[التوبة: ٣٠]

ترجمہ:یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں،یہ بھی غلو ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کو ان کے حقیری مرتبے سے اونچا بتایا، حالانکہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں، ایک اور آیت میں ارشاد ہے: ﴿ يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ ۚ إِنَّمَا ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلْقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۖ وَلَا تَقُولُوا۟ ثَلَـٰثَةٌ ۚ ٱنتَهُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَـٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ سُبْحَـٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٌ ۘ لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلًا ﴾[النساء: ١٧١]

ترجمہ:اے اہلِ کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ کے متعلق مگر سچی بات بے شک عیسی مسیح ابنِ مریم صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف پس ایمان لاؤ اللہ

اور اس کے رسول پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آجاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور بے شک اللہ تو معبودِ واحد ہی ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمان میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالی کار ساز۔<<

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس غلو سے ڈرایا، اور اس راہ پر چلنے کی تنبیہ کی اور ارشاد فرمایا: «لَا تُطْرُونِي» أي: **لا تُثْنوا عليَّ وتَمدَحوني «كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا: عَبْدَ اللهِ وَرَسُولِهِ»**(۲۱۸) ترجمہ:دیکھو میری تعریف میں غلو نہ کرنا، جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں غلو کیا ہے، بے شک میں بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہا کرو۔

تعریف کے مقابلہ میں مذمت آتی ہے، اس کام میں اکثر اہلِ غلو ہی پڑتے ہیں، اپنے مخالفین کی مذمت کا انتہائی درجہ کفروفسق اور الحاد ہے، تم غلو کرنے والوں کو ہمیشہ دیکھوگے کہ وہ اپنے مخالفین پر کفر و فسق کا تیر چلاتے ہیں چاہے وہ عالم ہی کیوں نہ ہو۔

اسی لئے اہلِ غلو علماء اور طلباء کی مذمت کرنے میں بے باک ہوتے ہیں، کیوں کہ یہ علماء کی جماعت ان اہلِ غلو کے طریقہ کار کے مخالف ہوتی ہے، چنانچہ جب بھی

---

(۲۱۸) بخاری (۳۴۴۵) ۔

تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو ہر مجلس، ہر محفل اور ہر کتاب میں علماء ربانیین پر جملے کَس رہا ہے، تو جان لو کہ اس کا تعلق اہل غلو سے ہے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «**لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ بِالكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ**»[219] ترجمہ: جب کوئی شخص کسی پر کفر و فسق کی تیر چلاتا ہے، اور جس میں وہ شخص کفر یا فسق کا مرتکب نہیں ہے، تو مذمت کرنے والے کا یہ تیر اسی کی طرف لوٹ آتا ہے۔

چند نوجوانون کی مصیبت یہ ہے کہ جب وہ انحراف کا شکار ہوتے ہیں تو پورے معاشرے پر کفر کا فتوی داغ دیتے ہیں، کبھی کبھار اپنے والدین، بھائیوں اور اہل خانہ تک کو کافر کہہ جاتے ہیں، سبب یہ ہے کہ انہیں صرف اپنی ذات نظر آتی ہے، اور اپنے اندر پائے جانے والے غلو کی وجہ سے انہیں کوئی اور نظر نہیں آتا ہے۔

مظہر چہارم:

یہ ہے کہ وہ دوسروں کے مقابل خود کو بلند اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اسی لیے بہت جلد دوسروں پر کفر کا تیر چلاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ خود کو مومن اور حق پر سمجھتے ہیں۔

---

(۲۱۹) بخاری (۶۰۴۵)۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «**بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ**»[۲۲۰] ترجمہ: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کو حقیر سمجھے۔ تم ان لوگوں کو پاوگے کیوں کہ وہ معاشرے کو کافر گردانتے ہیں، اور خود کو ان سے بلند سمجھتے ہیں، وہ ان کی مجالس میں نہیں بیٹھتے، ان کے ساتھ مسجد میں نماز نہیں پڑھتے، تم انہیں بعض زاویوں، خالی گھر یا ایسے گھر میں محصور پاوگے جہاں کوئی آتا جاتا نہیں، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [دیکھو، ہمارے نبی نے ہمارے لئے کیسی بڑی بڑی وضاحتیں فرمائی ہیں، ہے کوئی اہلِ عقل جو ان پر کچھ غور کرے] «**الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ**» **أَيًّا كان هذا الأذى** «**أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ**»[۲۲۱] ترجمہ: وہ مومن جو لوگوں سے ملتا جُلتا ہے اور ان کی طرف سے ہونے والی ہر قسم کی تکلیف پر صبر کرتا ہے وہ اجر کے اعتبار سے اس مومن سے بڑھا ہوا ہے جو نہ تو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور نہ ہی ان کی طرف سے ہونے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے۔

ہاں سچ ہی تو کہا ہے رسول اللہ نے: «**إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرِفْقٍ**» ترجمہ: یہ ایک مضبوط دین ہے، اس میں بے حد نرمی اختیار کرو۔

---

(۲۲۰) مسلم (۲۵۶۴)۔

(۲۲۱) احمد (۲/۴۳)، و ترمذی (۲۵۰۷)، وابن ماجہ (۴۰۳۲)۔

مظہر پنجم:

مسلمانوں کے خون کو جائز سمجھنا، یہ ایسی عجیب جرات ہے جسے تم ان کے پاس پاوگے، وہ مسلمان کے خون کو جائز سمجھتے ہیں، وہ ان کے خون کو کیوں نہ مباح سمجھیں، جب کہ انہوں نے انہیں کافر قراد دے دیا ہے، انہیں حقیر سمجھ لیا ہے اور ان سے خود کو بلند سمجھ لیا ہے، لہذا وہ اس کے خون کو مباح سمجھتے ہیں، یہیں پر بس نہیں بلکہ وہ ان کے خون بہانے کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں، یہ وباء آج کل امت میں موجود ہے، نبی ﷺ نے خبر دے دی ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا قتل کرے گا اور قتل ان میں عام ہوجائے گا، صحابہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول، کیا وہ مشرکین سے قتال کریں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں گے، انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول، کیا اس وقت ہمارے پاس عقلیں ہوں گی[یعنی ہم پاگل تو نہیں ہوجائیں گے]؟ آپ نے فرمایا: «**إِنَّهُ لَتُرْفَعُ عُقُولُ ذَاكَ الزَّمَانِ، وَيَخْلُفُ لَهُ هَبَاءٌ**»(۲۲۲) ترجمہ: اس زمانے کی عقلیں رفع ہوجائیں گی اور گرد وغبار ان کی جگہ لے لیں گے۔ یعنی عقل نہیں ہوگی۔ ورنہ تمہارا کیا خیال ہے اس انسان کے بارے میں جو مسلمانوں کے درمیان مسجد میں یا بازار میں یا کسی مکان میں داخل ہو، پھر ان کا قتل کرے، جب کہ اس کا ارادہ تقرب الی اللہ ہے؟

---

(۲۲۲) احمد (۴/۳۹۱)، وابن ماجہ (۳۹۵۹)۔

یہ کون سی عقلمندی ہے؟ یہ کیسا عقلمند ہے؟ بقول بعض کہ اس کے دماغ کی صفائی کردی گئی ہے بلکہ اس کے دماغ کو پلید کردیا گیا ہے، ایک نوجوان جرات کرکے اپنے ماں باپ کو مارڈالے صرف اس امید میں کہ اسے تقرب الی اللہ حاصل ہوگا۔ سبب یہ ہے کہ اس کے دماغ میں خباثت گھس گئی ہے کہ خون مباح ہے، اسی لیے انہیں خون بہانے میں لذت ملتی ہے۔

اسی لیے دنیا کے جس بھی خطہ میں انہیں دیکھوگے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ وہ خطہ سراپا فساد بنا ہوا ہے، اس میں صرف خون خرابہ ہوتا ہے، اس میں آبادی، بڑھوتری اور ترقی کبھی نہیں پاوگے، ان کا یہی حال ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی جس سرزمین اور جس معاشرہ میں غلو کا سَر بلند ہوا، وہاں پر فساد اور خون خرابہ ہوا، اسی لیے ارشاد باری ہے: ﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ ﴾[النساء: ٩٣]

ترجمہ: اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آگاہ ہوجاو ، میں اور آپ اس فتنے سے دوچار ہیں، اور ہماری نسلیں اس کے زیادہ ستائے ہوئے ہیں، اس حدیث میں کو یاد رکھو، کیوں کہ تمہیں اس کی

اس وقت ضرورت ہوگی جب کوئی آکر تم سے یہ کہے کہ : مسلمان کو قتل کرو، جب تم کہوگے: نہیں، تو دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ تم سے کہا جائے گا: قتل کرو ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا؛ کیوں کہ انہوں نے خون کو مباح سمجھ رکھا ہے، مرو یا مارو، اسی لیے ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**يَجِيءُ المَقْتُولُ بِالقَاتِلِ يَوْمَ القِيَامَةِ نَاصِيَتُهُ وَرَأْسُهُ بِيَدِهِ وَأَوْدَاجُهُ تَشْخَبُ دَمًا، يَقُولُ: رَبِّ هَذَا قَتَلَنِي**» قالَ: «**حَتَّى يُدْنِيَهُ مِنَ العَرْشِ**»(۲۲۳) ترجمہ: مقتول قاتل کو قیامت کے دن لائے گا قاتل کی پیشانی اور سر اسکے ہاتھ میں ہوں گے اور اسکی رگوں سے خون بہ رہاہو گا وہ کہے گا اے میرے رب اس نے مجھے قتل کیا ہے یہاں تک کہ یہ اسکو عرش کے قریب کردیگا۔

ہاں، اللہ کے دین کی پیروی کرو، اللہ کے راستہ پر چلو اور رسول اللہ کے طریقہ کو اپناو مگر نرم روی سے، کیوں کہ نرم روی جس چیز میں ہوتی ہے اسے خوبصورت بنادیتی ہے اور جس چیز سے نکال دی جاتی ہے اسے بدصورت بنا دیتی ہے۔

(۲۲۳) ترمذی (۳۰۲۹)، ونسائی (۴۰۰۵)۔

(١٩)

أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ

موت سب سے زیادہ خوفناک حادثہ اور سب سے زیادہ سخت ترین معاملہ ہے، اور ایسا برتن ہے جس میں کھانا ناپسندیدہ ہے، موت لذتوں کو ختم کرنے والی ، جماعتوں کو تقسیم کرنے والی، راحتوں کو ختم کرنے والی اور نا پسندیدہ چیزوں کو دکھانے والی ہے۔

موت ہماری زندگی کی انتہاء نہیں ہے، بلکہ ایک گھر سے دوسرے کے درمیان ایک پل ہے، وہ گھر ہوسکتا ہے کہ جنت ہو یا جہنم۔

وَلَوْ أَنَّا إِذَا مِتْنَا تُرِكْنَا لَكَانَ المَوْتُ رَاحَةَ كُلِّ حَيٍّ
وَلَكِنَّا إِذَا مِتْنَا بُعِثْنَا وَنُسْأَلُ بَعْدَهَا عَنْ كُلِّ شَيٍّ(٢٢٤)

ترجمہ: اگر ہم مر جائیں اور پھر ہمیں چھوڑ دیا جائے [یعنی کوئی سوال و جواب نہ ہو]، تو ایسی صورت میں یقینا موت ہر زندہ شخص کے لئے راحت کا ساماں ہے، لیکن جب ہم مریں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اس کے بعد ہر چیز کے بارے میں ہم سے سوال کیا جائے گا۔

ارشاد باری ہے: ﴿ زَعَمَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَن لَّن يُبۡعَثُواْۚ قُلۡ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا

(٢٢٤) الفاضل للمبرد (ص:١٣٠)، وادب الدنیا والدین (ص:١٢٠)، وتاریخ بغداد (١٤/٤٠٧) ۔

عَمِلْتُمْ ۚ وَذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ ﴾[التغابن: ۷]

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ انہیں کبھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ کہدو: کیوں نہیں؟ میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا، پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا تھا، اور یہ اللہ کے لیے معمولی سی بات ہے۔

جوامع الکلم کے اس مبارک سلسلے میں آج کی حدیث **«أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ»** ترجمہ: لذتوں کو ختم کرنے والی (موت) کو کثرت سے یاد کرو] ہے، اس حدیث کو امام ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[۲۲۵]

نبی کریم ﷺ اس چھوٹی سی جامع حدیث میں امت کو یہ ہدایت دے رہے ہیں کہ لذتوں کو ختم کرنے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو، اپنی زبان، اپنے فہم و دماغ اور اپنے دل میں اور آنکھوں کے درمیان کثرت سے یاد کرو، لذتوں کو ختم کرنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو، کیوں کہ یہ مومن کے لیے افضلیت کی دلیل ہے۔

سنن ابنِ ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس آکر کہا: اے اللہ کے رسول، کونسا مومن افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ اس نے پھر پوچھا: کون سا مومن عقلمند یعنی زیادہ ذہین و فطین ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: **«أَكْثَرُهُمْ**

---

(۲۲۵) احمد (۲/۲۹۳)، و ترمذی (۲۳۰۷)، و نسائی (۱۸۲۴)، وابن ماجہ (۴۲۵۸)۔

لِلْمَـوْتِ ذِكْـرًا، وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اسْتِعْـدَادًا، أُولَئِـكَ الأَكْيَاسُ»(۲۲۶)

ترجمہ: جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور ما بعد الموت کی زندگی کے لیے اچھی طرح تیاری کرے، یہی لوگ عقلمند ہیں۔

ہر صبح و شام کسی مرد و عورت کے مرنے کی خبر ہمارے پاس آتی ہے، ہم جا کر نماز جنازہ ادا کر لیتے ہیں تو یکا یک جنازوں کی ایک بڑی تعداد ہو جاتی ہے، عبرت کے لئے موت ہی کافی ہے۔

جب کبھی تم دیکھو کہ جنازہ لے جایا جا رہا ہے تو یہ جنازہ ہی تمہارے لئے ایک کربناک عبرت کا ساماں ہو جانا چاہئے؛ کیوں کہ اے اللہ کے بندو، یہ جنازہ تمہیں اور مجھے اپنے اس ٹھکانے کی یاد دلاتا ہے جس کی طرف ہم سب کو جانا ہے۔

موت کے متعلق گفتگو درجِ ذیل ان پانچ حقائق کے ارد گرد گھومتی ہے، یہ ایسے حقائق ہیں جن کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

پہلی حقیقت:

تمام مخلوق کے لئے موت کا آنا حقیقت ہے، اس میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے، لہذا موت تمام مخلوق کے حق میں بر حق ہے، تو موت ہر کسی کو آنی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُۥۚ لَهُ ٱلْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾﴾[القصص: ۸۸]

---

(۲۲۶) ابن ماجہ (۴۲۵۹)۔

ترجمہ: ہر چیز فناء ہونے والی ہے، سوائے اس ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

ارشاد باری ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾﴾ [الرحمن: ٢٧-٢٦]

ترجمہ:اس زمین میں جو کوئی ہے، فناء ہونے والا ہے۔ اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ یہ دعاء کیا کرتے تھے: «**أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ، الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، الَّذِي لَا يَمُوتُ، وَالإِنْسُ وَالجِنُّ يَمُوتُونَ**»[٢٢٧] ترجمہ:تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں، نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، جو مرتا نہیں ہے، اور انسان و جنات مرجاتے ہیں۔

ایک آیت ہے جسے ہم بار بار پڑھتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں، جب کبھی تم جنازہ کو دیکھتے ہو تو وہ آیت یاد آتی ہے، اگر کسی کو اس روئے زمین پر رہنا ہوتا تو رسول اللہ کی ذات ہوتی کیوں کہ وہ اشرف المخلوقات اور اللہ کے سب سے محبوب بندے ہیں، لیکن اللہ تعالی ان سے فرماتا ہے: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾﴾ [الزمر: ٣٠]

---

(٢٢٧) بخاری (٧٣٨٣)، ومسلم (٢٧١٧) ۔

ترجمہ:(اے پیغمبر) موت تمہیں بھی آنی ہے اور موت انہیں بھی آنی ہے۔ یہ حقیقت ہے، ہمیشہ اسے یاد کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔

جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور اس حقیقت کی یاد دہانی کرائی، فرمایا: «يَا مُحَمَّدُ! عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ، وَأَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ، وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُلَاقِيهِ»[(۲۲۸)] ترجمہ: اے محمد! جیسے چاہے جیو مگر تمہیں موت آنی ہے، جو چاہو پسند کرو مگر تمہیں اسے چھوڑ کر جانا ہے، جو چاہو کرو مگر تمہیں اس کا بدلہ ملنے والا ہے۔

موت برحق اور لازمی ہے، احباب کی جدائی ضروری و لازمی ہے، اور اسی طرح جو کچھ بندہ آگے بھیج چکا ہے اس کا ملنا حتمی و لازمی ہے۔

جبرئیل نے فرمایا: «عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ، وَأَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ، وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُلَاقِيهِ» ترجمہ: جیسے چاہے جیو مگر تمہیں موت آنی ہے، جو چاہو پسند کرو مگر تمہیں اسے چھوڑ کر جانا ہے، جو چاہو کرو مگر تمہیں اس کا بدلہ ملنے والا ہے۔ حق تعالی نے سچ ہی کہا ہے: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدْخِلَ ٱلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا مَتَـٰعُ ٱلْغُرُورِ ﴿١٨٥﴾ ﴾[آل عمران: ۱۸۵]

ترجمہ: ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو (تمہارے اعمال کے)

---

(۲۲۸) مسند الطیالسی (۱۸۶۲)، و شعب الایمان (۱۰۰۵۷)۔

پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ سے دور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا وہ صحیح معنی میں کامیاب ہوگیا، اور یہ دنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سواء کچھ بھی نہیں۔

حق تعالی کا ارشاد ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِٱلشَّرِّ وَٱلْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾﴾[الأنبياء: ٣٥]

ترجمہ: ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں آزمانے کے لیے بری بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اور تمیں ہمارے پاس لوٹایا جائے گا۔

دوسری حقیقت:

موت کا ایک متعین وقت ہے، نہ پہلے آئے گی اور نہ بعد میں، چاہے ہم جو بھی اسباب اختیار کرلیں، جو اللہ کے علم میں لکھا جا چکا اس سے نہ پہلے آئے گی اور نہ ہی اس کے بعد؛ کیوں کہ حق تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ كِتَٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ﴾[آل عمران: ١٤٥]

ترجمہ:اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَن يُؤَخِّرَ ٱللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا ۚ وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾﴾[المنافقون: ١١]

ترجمہ:اور جب کسی شخص کا معین وقت آجاتا تو اللہ اسے ہرگز مؤخر نہیں کرتا۔ ذرا بھی تاخیر نہیں ہوگی چاہے ہم جو بھی اسباب اختیار کرلیں، دیواروں کو مضبوط کرلیں، چہار دیواری اونچی کرلیں اور زمین کے اندر چلے جائیں۔ جب موت آجائے گی تو اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو گی۔

ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دعاء کر رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ اس دعاء کو سن رہے تھے ۔ وہ دعاء یہ تھی: یا اللہ! میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے باپ ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہ کو میرے لئے لمبی راحت کا ساماں بنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قَدْ سَأَلْتِ اللهَ لِآجَالٍ مَضْرُوبَةٍ، وَأَيَّامٍ مَعْدُودَةٍ، وَأَرْزَاقٍ مَقْسُومَةٍ، فَلَنْ يُعَجِّلَ اللهُ شَيْئًا قَبْلَ حِلِّهِ، وَلَنْ يُؤَخِّرَ شَيْئًا عَنْ حِلِّهِ، وَلَوْ كُنْتِ سَأَلْتِ اللهَ أَنْ يُعِيذَكِ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ، أَوْ عَذَابٍ فِي الْقَبْرِ لَكَانَ خَيْرًا وَأَفْضَلَ»[۲۲۹] ترجمہ: تو نے اللہ تعالیٰ سے وہ چیزیں مانگیں جن کے اوقات مقرر ہو چکے ہیں، دن گنے جا چکے ہیں اور روزیاں بٹ گئی ہیں، کسی چیز کو اللہ تعالیٰ اس کے وقت سے مقدم نہیں کرے گا، اور نہ اس کے وقت مؤخر کرے گا، اگر تو اللہ سے یہ مانگتی کہ تجھ کو دوزخ کے عذاب سے یا قبر کے عذاب سے بچائے، تو بہتر ہوتا اور افضل ہوتا۔

(۲۲۹) مسلم (۲۶۶۳) ۔

تیسری حقیقت:

موت سے فرار ممکن نہیں، انسان کو چاہے جتنی طاقت، ذہانت، مقام و مرتبہ، سلطنت اور مال دے دیا جائے مگر پھر بھی اس کے لیے موت سے فرار ممکن نہیں۔ جتنی جلدی تم اس سے فرار اختیار کروگے اتنی جلدی موت سے ملاقات ہوگی، جس قدر تم بھاگو گے اسی قدر وہ تمہارے سامنے آئے گی۔ ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ إِنَّ ٱلْمَوْتَ ٱلَّذِى تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُۥ مُلَٰقِيكُمْ ۖ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَٰلِمِ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾﴾[الجمعة: ٨]

ترجمہ: کہو کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے آملنے والی ہے، پھر تمہیں اس (اللہ) کی طرف لوٹایا جائے گا جسے تمام پوشیدہ اور کھلی ہوئی باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

ارشاد باری ہے: ﴿قُل لَّن يَنفَعَكُمُ ٱلْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ ٱلْمَوْتِ أَوِ ٱلْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾[الأحزاب: ١٦]

ترجمہ:(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو یہ بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور اس صورت میں تمہیں (زندگی کا) لطف اٹھانے کا جو موقع دیا جائے گا وہ تھوڑا ہی سا ہوگا۔ جب انسان منہ موڑتا ہے تو ہر جانب اسے موت ہی نظر آتی ہے، ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ ٱلْمَوْتِ بِٱلْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾﴾[ق: ١٩]

ترجمہ: اور موت کی سختی سچ مچ آنے ہی والی ہے۔ (اے انسان) یہ وہ چیز ہے جس سے تو انحرافکرتا تھا۔

چوتھی حقیقت:

اللہ کے سواء کسی کو بھی موت کا اس کا وقت کا اور اس کی جگہ کا علم نہیں،

﴿إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلۡمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلۡغَيۡثَ وَيَعۡلَمُ مَا فِى ٱلۡأَرۡحَامِۖ وَمَا تَدۡرِى نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدٗاۖ وَمَا تَدۡرِى نَفۡسُۢ بِأَيِّ أَرۡضٖ تَمُوتُۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرُۢ ٣٤﴾[لقمان: ٣٤]

ترجمہ:یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی متنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی متنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ تو جو کوئی تم سے کہے کہ تم کل یا ایک ہفتہ بعد یا ایک مہینہ بعد مر جاوگے تو تم اس سے کہو کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے، اس کا جاننے والا اللہ ہی ہے، یہ حقیقت ہے جسے ہم نے اللہ کی کتاب سے سیکھا۔

پانچویں حقیقت:

موت میں مومنین کے لیے راحت ہوتی ہے، ہاں، جو لوگ تم سے پہلے دنیا

چھوڑ جاتے ہیں، تمہیں ان کے جانے پر بہت غم ہوتا ہے، اور تم افسوس میں رہتے ہو، لیکن تم یہ نہیں جانتے ہو کہ اگر وہ سچے و نیک وکار اور مومن ہیں، تو موت ان کے لئے دنیا کی پریشانیوں، مشقتوں، اور مصیبتوں سے راحت کا ذریعہ ہے۔

بخاری میں حضرت قتادہ بن ربعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ «مستریح او مستراح منہ» ہے یعنی اسے آرام مل گیا، یا اس سے آرام مل گیا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! «المستریح او المستراح منہ» کا کیا مطلب ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «**العَبْدُ المُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللهِ، وَالعَبْدُ الفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ العِبَادُ وَالبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ**»(۲۳۰)

ترجمہ: مومن بندہ دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے نجات پاکر اللہ کی رحمت میں راحت پالیتا ہے وہ «مستریح» ہے اور «مستراح منہ» وہ ہے کہ فاجر بندہ [کی اذیت] سے اللہ کے بندے، شہر، درخت اور چوپائے سب راحت پالیتے ہیں۔

کچھ لوگ موت کو یاد کرنا پسند نہیں کرتے، اور کسی کو بھی موت کے بارے میں تقریر، نصیحت اور بات سننے کی خواہش نہیں ہوتی ہے، لیکن جب تم قرآن پڑھوگے تو تمہیں موت کے بارے میں کوئی آیت مل ہی جائے گی، اور جب سیرت پڑھوگے تو موت کے بارے میں کوئی بات مل ہی جائے گی، ہمیں موت کا تذکرہ

---

(۲۳۰) بخاری (۶۵۱۲)، ومسلم (۹۵۰)۔

کیوں پسند نہیں، جب کہ موت ہمیں ہماری نیند سے بیدار کرتا اور غفلت سے ہمیں آگاہ کرتا ہے ؟

جب میں موت کو یاد کرتا ہوں اور اس کے مذکورہ حقائق کو یاد کرتا ہوں تو تاکہ اپنی نیند سے بیدار ہوجاوں، اور اپنی غفلت سے آگاہ ہوجاوں، جو شخص خطبہ سن رہا ہے اور وہ نماز نہیں پڑھتا ہے، اسے یہ بات تو معلوم ہوگی کہ اسے ایک نہ ایک دن مرنا ہے، تو پھر بھی کیا وہ متنبہ نہیں ہوگا، اسی طرح وہ شخص والدین کی نافرمانی کرنے والا ہے، وہ بھی جانتا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے، کیا وہ متنبہ نہیں ہوگا، جو لوگوں کا مال کو ناحق طریقوں سے کھاتا ہے، جو عوام کے مال کو چراتا ہے اور جو کمزور اور مسکین کے مال کو چراتا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے، کیا وہ متنبہ نہیں ہوگا، اور جسے شراب کی لت ہے اور منشیات کا عادی ہے وہ بھی جانتا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے، کیا وہ متنبہ نہیں ہوگا!

ابھی تھوڑی دیر بعد ہوسکتا ہے کہ ہم کسی کا جنازہ لے کر چلیں، یا کسی کی تعزیت کرنے چلیں ، اے اللہ کے بندے، کیا تمہیں یہ خیال نہیں آتا کہ ایک نہ ایک دن میرا اور تمہارا جنازہ اٹھایا جائے گا اور ہمارے گھر والوں کے پاس لوگ تعزیت کے لئے آئیں گے۔

میں نے جو بات ذکر کی ہے، یہ کوئی بہت بڑی بات یا ایسی معلوماتی بات نہیں ہے جس کا ذکر کیا جائے۔ لیکن پھر بھی میں نے اس لئے ذکر کیا ہے، تاکہ یہ

میرے اور آپ کے لئے نصیحت ہو جائے، کیونکہ انسانی نفس کو اگر نصیحت نہ کی جائے، تو وہ سرکش بن جاتا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

يَا نَفْسُ تُوبِي فَإِنَّ المَوْتَ قَدْ حَانَا   وَاعْصِـي الهَوَى فَالهَوَى مَازَالَ فَتَّانَا
أَمَـا تَـرَيْـنَ المَنَايَا كَيْفَ تَلْقُطُنَا   لَقْطًا فَتُلْحِقُ أُخْرَانَا بِأُولَانَا
فِي كُـلِّ يَـوْم لَنَا مَـيْـتٌ نُشَيِّعُهُ   نَـرَى بِمَصـرَعِهِ آثَـارَ مَوْتَانَا
أَيْـنَ المُـلُـوكُ وَأَبْـنَـاءُ المُـلُـوكِ   وَمَنْ كَانَتْ تَخِرُّ لَهُ الأَذْقَانُ إِذْعَانَا
صَاحَتْ بِهِمْ حَادِثَاتُ الدَّهْرِ فَانْقَلَبُوا   مُسْتَبْدِلِينَ مِنَ الأَوْطَانِ أَوْطَانَا
خَلُّوا مَدَائِنَ كَانَ العِزُّ مَفْرَشَهَا   وَاسْتَفْرَشُوا حُفَرًا غُبْرًا وَقِيعَانَا
مَضَى الزَّمَانُ وَوَلَّى العُمْرُ فِيلَعِبِ   يَكْفِيكَ مَا قَدْ مَضَى قَدْ كَانَ مَا كَانَا(۲۳۱)

ترجمہ: اے نفس توبہ کر لے کیوں کہ موت قریب آچکی ہے، اور خواہشات نفسانی کی بات نہ مان کیوں کہ خواہشات نفسانی دلکش ہوتی ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ موت کیسے اچک لیتی ہے پھر وہ بعد والوں کو پہلے والوں سے ملا دیتی ہے۔ ہر دن ہمارے لیے میت ہے جسے ہم خیر آباد کہتے ہیں، اس کی قبر میں ہم اپنی موت کے آثار دیکھتے ہیں۔ بادشاہ اور شاہزادے اور وہ لوگ جن کے سامنے عزت و ہیبت سے سر جھک جاتے تھے، کہاں چلے گئے یہ سب لوگ؟ زمانے کے حادثات

(۲۳۱) المدھش (ص:۳۷۵)۔

نے انہیں آواز لگائی تو ایک وطن سے دوسرے وطن منتقل ہوگئے۔ انہوں نے شہر چھوڑ دیئے، عزت جن کا بچھونا تھی، وہ جاکر مٹی میں لت پت گڑھے میں بستر بچھا کر سوگئے۔ زمانہ گزرگیا اور عمر کھیل میں گزری، ماضی تمہارے لیے کافی ہے، جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔

(۲۰)

القبرُ أوَّلُ منازلِ الآخِرةِ

جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی یہ حدیث ہے جسے عثمان رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِنَّ القَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الآخِرَةِ، فَإِنْ نَجا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَنجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ**» **رواهُ التِّرمذيُّ**[۲۳۲] ترجمہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، جو اس سے نجات پاگیا تو آگے کی منزلیں اس سے آسان ہیں،اور اگر اس سے نجات نہ پاسکا تو بعد کی منزلیں اس سے بھی سخت ہیں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

یہ بہت جامع حدیث ہے اور ہماری سابقہ گفتگو سے ہی متعلق ہے۔

قبر کے بارے میں یہ بات یاد رکھیں کہ اس میں نجات پانے کا مطلب بعد میں نجات یقینی ہے، اور اس میں ناکامی و خسارے کا مطلب بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ سخت اور خطرناک ہوں گی۔

قبر بہت بڑی واعظ ہے، یہ ایک خاموش واعظ ہے، جو ہمیں ایسی آواز سے نصیحت کرتی ہے کہ ہم اس کی آواز پر ٹھہر جانے پر مجبور ہوجاتے ہیں، اور پھر وہ ہمیں نصیحت کرتی ہے، اسی لیے ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم

---

(۲۳۲) احمد (۱/۶۳)، و ترمذی (۲۳۰۸)، وابن ماجہ (۴۲۶۷)۔

قبروں کی زیارت کریں، کیوں کہ یہ ہمیں آخرت کی یاد دلاتی ہے[(۲۳۳)]۔

قبر گذرگاہ اور قیامگاہ کے درمیان ایک پلیٹ فارم ہے، جیسا کہ حق جل شانہ نے ارشاد فرمایا: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَهُمُ ٱلْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ٱرْجِعُونِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّىٓ أَعْمَلُ صَٰلِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّآ ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۖ وَمِن وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾﴾[المؤمنون: ۱۰۰-۹۹]

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آ کھڑی ہوگی تو وہ کہے گا کہ: میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجیے۔ تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ کر آیا ہوں، اس میں جاکر نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے ان کو اٹھائے جانے کے دن تک۔ مجاہد اور ضحاک کہتے ہیں: موت اور دوبار اٹھائے جانے کے درمیان برزخ آڑ ہے[(۲۳۴)]۔

قبر پہلی منزل ہے جس میں بندہ دنیا کی منزلوں کو چھوڑنے کے بعد جاتا ہے۔

قبر عمل کا صندوق ہے، چنانچہ بندے نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ اسے قبر میں پائے گا؛ اسی لیے شاعر کہتا ہے:

---

(۲۳۳) احمد (۵/۳۵۵)، و ترمذی (۱۰۵۴) و مسلم (۹۷۷)۔

(۲۳۴) تفسیر الطبری (۱۹/۷۱)، وتفسیر القرطبی (۱۲/۱۵۰)۔

يَا مَنْ بِدُنْيَاهُ اشْتَغَلَ   وَغَرَّهُ طُولُ الأَمَلْ
المَوْتُ يَأْتِي بَغْتَةً   وَالقَبْرُ صُنْدُوقُ العَمَلْ[٢٣٥]

ترجمہ: اے وہ جو اپنی دنیا ہی میں مشغول رہا اور لمبی لمبی امیدوں نے اسے دھوکے میں رکھا۔ موت اچانک آتی ہے اور قبر عمل کا صندوق ہے۔

قبر ہمارے اعمال کا نتیجہ اور ہماری کھیتی کے ثمر کی جگہ ہے، وہ نتیجہ یا تو جنت ہے یا پھر جہنم کا گڑھا اور آگ ہے، میں اللہ سے دعاء گو ہوں کہ وہ ہماری اور ہمارے والدین کی قبروں کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے۔ آمین

نبی کریم ﷺ نے ہمارے لیے نیک مومن اور بد بخت کافر یا منافق کے درمیان فرق کو واضح کردیا کہ اِس کی قبر کیسی ہوگی اور اُس کی قبر کیسی ہوگی، آپ نے ہمارے لیے ایسے واقعات بیان کئے، جو کو صرف وہی شخص جان سکتا ہے، جس کے پاس وحی کا نزول ہوتا ہو، اللہ اپنے نبی کی شان میں فرماتا ہے: ﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ ۝٣ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ ۝٤ ﴾[النجم: ٤-٣]

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے۔ یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

لہذا وہ قبر جس کے پاس ہم کھڑے ہوتے ہیں، نہ تو ہم اس میں کچھ دیکھتے ہیں اور نہ ہی کچھ سنتے ہیں، لیکن قبر کے نیچے حادثات اور ہولناکیاں اور اسی طرح خوشیاں

(٢٣٥) بستان الواعظین (ص:١٩٤)۔

اور مسرتیں ہوتی ہیں، جنہیں اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا ہے، جو ہمارے اعمال کا نتیجہ اور کھیتی کا ثمر ہوتی ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نیک فرمانبردار مومن کی قبر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: «إِذَا وُضِعَ العَبْدُ فِي قَبْرِهِ وَعُرِضَ عَلَيْهِ السُّؤَالُ فَأَجَابَ فِي الجَوَابِ؛ فَإِذَا بِصَوْتٍ لَا يَسْمَعُهُ إِلَّا صَاحِبُ القَبْرِ قَالَ: فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِي، فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوهُ مِنَ الجَنَّةِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا مِنَ الجَنَّةِ، فَيَأْتِيهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيبِهَا، وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ، وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الوَجْهِ طَيِّبُ الرِّيحِ، فَيَقُولُ لَهُ: أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُرُّكَ فَهَذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ. فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَوَجْهُكَ الوَجْهُ الَّذِي يَأْتِي بِالخَيْرِ، فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ» ترجمہ: جب بندے کو قبر میں اتارا جاتا ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے، پھر وہ صحیح جواب دے دیتا ہے تو ایک آواز ہوتی ہے جسے صاحب قبر کے علاوہ کوئی نہیں سنتا، ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، لہذا اس کیلئے جنت کا بچھونا بچھا دو اور جنت کا لباس پہنا دو اور جنت کا دروازہ اس کے لیے کھول دو، تاکہ اس کے پاس جنت کی خوشبو آئے، اور اس کی قبر کو تا حد نگاہ وسیع کر دیا جاتا ہے اور اس کے پاس خوبصورت چہرے والا اچھی خوشبو لگائے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے: تمہیں بشارت ہو کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جس سے تم خوش ہو گے، یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، وہ پوچھے گا کہ تم کون؟ تو وہ کہے گا کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ یہ تو نیک مومن کی قبر کا حال ہے۔ بدکار، فاسق کافر و منافق کی قبر کیسی ہوگی؟

جس وقت اس کافر سے سوال کیا جائے گا، اور اس کی جو حالت ہوگی، اس کو بیان کرنے کے بعد نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ، فَأَفْرِشُوهُ مِنَ النَّارِ، وَأَلْبِسُوهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا مِنَ النَّارِ، فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُومِهَا، وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ، وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ قَبِيحُ الوَجْهِ مُنْتِنُ الرِّيحِ فَيَقُولُ: أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُوؤُكَ فَهَذا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ. فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الخَبِيثُ. فَيَقُولُ: رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ**»[۲۳۶] ترجمہ: پکارنے والا آسمان سے پکارے گا کہ اس نے جھوٹ کہا، اس کے لئے آگ کا بستر بچھا دو اور اسے آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جہنم کے دروازے کھول دو، پھر جہنم کی گرمی اس کو محسوس ہونے لگے گی، اور اس کی قبر کو تنگ کردیا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں مل جائیں گی اور ایک بدبودار قبیح چہرے والا شخص اس کے پاس آئے گا اور کہے گا آگے ملنے والی بری چیزوں کی بشارت ہو، یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ پوچھے گا کہ تم کون ہو تو وہ جواب دے گا کہ میں تمہارا برا عمل ہوں۔ تو وہ کہے گا: اے رب قیامت نہ قائم کرنا۔

جبکہ پہلی قبر والا کہے گا کہ اے رب قیامت قائم کر، اے رب قیامت قائم کر؛ کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ جب یہاں نجات مل گئی تو وہاں بھی نجات مل جائے گی،

---

(۲۳۶) احمد (۴/۲۸۷-۲۸۸)، وابو داود (۴۷۵۳) ۔

اور مابعد کی منزلیں مزید آسان ہوں گی اور اس کافر کو معلوم ہے کہ جب یہاں فیل ہوجائیں تو وہاں بھی فیل ہوں گے اور ما بعد کی منزلیں مزید دشوار ہوں گی۔

قبر بہت خطرناک منظر ہے، حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ»(۲۳۷) ترجمہ: میں نے قبر سے زیادہ ہولناک کوئی منظر نہیں دیکھا۔

عبرت یہ نہیں ہے کہ ہم قبر سے ڈریں، کیوں کہ بعض قبریں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہیں، بلکہ عبرت یہ ہے کہ ہم یاد کریں کہ ہم بھی ایک دن اسی قبر میں جانے والے ہیں، وہ یا تو جنت کے باغوں سے میں ایک باغ ہوگی یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ عقلمند وہی ہے جو اس صندوق کے لیے نیک عمل جمع کرے جس میں اسے اتارا جائے گا۔

اے اللہ کے بندو! میں خود کو اور تمہیں بعض ایسی غلطیوں کو بتانے جا رہا ہوں جس میں ہم پڑ جاتے ہیں پھر وہ عذاب قبر کا سبب بن جاتا ہے ، وہ بہت زیادہ ہیں، میں تین نمونے ذکر کرتا ہوں:

پہلا نمونہ:

چغل خوری عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، بخاری میں ابن

---

(۲۳۷) احمد (۱/۶۳)، و ترمذی (۲۳۰۸)، وابن ماجہ (۴۲۶۷) ۔

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا: **«إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ البَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ»**[۲۳۸] ترجمہ: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، انہیں کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا ہے، پہلے کو عذاب اس لیے ہو رہا ہے کیوں کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرے کو اس لیے ہورہا ہے کہ وہ چغلی کھاتا تھا۔ تو جو شخص لوگوں کے درمیان، دوستوں کے درمیان، گھروالوں کے درمیان چغلی کھاتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ بہت بڑے گناہ میں پڑا ہوا ہے، اگرچہ وہ اسے معمولی لگے، لیکن یہ عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

دوسرا نمونہ:

چوری اور دوسرے کے مال میں دست درازی کرنا، لوگوں کا مال لینا اور عوامی ملکیت پر قبضہ جمانا، چاہے وہ چھوٹی ہی چیز کیوں نہ ہو، یہ عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ بخاری کی ایک حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر کی لڑائی کے لیے نکلے۔ [اس کے بعد راوی نے جنگِ خیبر کے واقعات کا تفصیلی ذکر کیا] پھر فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ کو ایک غلام ہدیہ میں پیش کیا گیا، اس غلام کا نام مدعم تھا۔ آپ ﷺ نے اس

---

(۲۳۸) بخاری (۲۱۸)، ومسلم (۲۹۲)۔

غلام کو اپنی سواری سنبھالنے کی ذمہ داری سونپی، اور یہ غلام نبی کریم ﷺ کی سواری سنبھال رہا تھا کہ ایک انجان تیر آ کر لگا اور وہ فوت ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ جنت اسے مبارک ہو، کیا ہی خوب غلام ہے، نبی کی خدمت میں مشغول ہے، اور جنگ کے میدان میں اس کی موت ہوئی ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «**كَلَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الغَنَائِمِ، لَمْ تُصِبْهَا المَقَاسِمُ، لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا**»(۲۳۹) ترجمہ: ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ کمبل جو اس نے تقسیم سے پہلے خیبر کے مال غنیمت میں سے چرا لیا تھا، وہ اس پر آگ کا انگارہ بن کر بھڑک رہا ہے۔

اس غلام نے ایک کپڑا یا ایسی ہی کوئی اور چیز لے لیا تھا، مالِ غنیمت میں سے چرا لیا تھا، جبکہ ابھی اس کی تقسیم ہونی باقی تھی، ایک معمولی کپڑے کا ٹکڑا، تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے یہ بات کہی، جو یہ گمان کر رہے تھے کہ یقینی طور پر یہ غلام جنتی ہے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: «**كَلَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الغَنَائِمِ، لَمْ تُصِبْهَا المَقَاسِمُ، لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا**»(۲۴۰) ترجمہ: ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ کمبل جو اس نے تقسیم سے پہلے خیبر کے مال غنیمت میں سے چرا لیا تھا، وہ اس پر آگ کا انگارہ بن کر بھڑک رہا ہے۔

---

(۲۳۹) بخاری(۶۷۰۷)۔

(۲۴۰) بخاری(۶۷۰۷)۔

وہ عقلمند جس نے کسی کے مال کی طرف ہاتھ بڑھا کبھی کر لے لیا، وہ اب یہ مال واپس کردے، قبل اس کے کہ اس صندوق میں چلا جائے پھر اس پر آگ بنکر بھڑکے، چاہے وہ اس کمبل کی طرح کوئی چھوٹی چیز ہی کیوں نہ ہو۔

تیسرا نمونہ:

جب کسی سے قرض کے طور پر کچھ رقم لی جائے اور اس کی نیت دھوکہ دینے کی ہو، کہ وہ قرض نہ لوٹائے گا: ایک جلیل القدر صحابی ہیں سعد بن اطول ، وہ فرماتے ہیں: میرا بھائی تین سو درہم چھوڑ کر انتقال کرگیا، اور اس کو بال بچے تھے، میں نے وہ دراہم اس کی عیال پر خرچ کرنا چاہا تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ أَخَاكَ» يَعنِي: فِي قَبرِه «مَحْبُوسٌ بِدَيْنِهِ فَاقْضِ عَنْهُ»[۲۴۱] ترجمہ: تمہارا بھائی اپنی قبر میں قرض کی وجہ سے قید میں ہے، پہلے اس کا قرض ادا کرو۔ قبل اس کے کہ وراثت تقسیم کی جائے، کیوں کہ اللہ نے وراثت میں وارثوں سے پہلے وصیت اور قرض کی ادائیگی کو ترجیح دی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِينَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٖۚ﴾[النساء: ۱۲]

ترجمہ:(اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔

جو لوگوں سے قرض لیتا ہے، اور اس کو ادا نہیں کرتا ہے، اور اس کی نیت بھی

---

(۲۴۱) احمد (۵/۷)، وابن ماجہ (۲۴۳۳)۔

ادا کرنے کی نہیں ہوتی ہے، صرف اپنے خواہشات پوری کرنے کے لئے لیتا ہے، اور اپنے آپ کو بڑا چالاک سمجھ بیٹھتا ہے، تو ایسے شخص کو کہا جائے گا، کہ تم نے یہ جو مال لیا ہے، اس کی سزا یہ ہے کہ تمہیں قبر کے گڑھے میں قید رکھا جائے گا۔

اے اللہ کے بندو، عقلمند وہی ہے جو اس طرح کے تقریروں سے فائدہ اٹھا لے، ان کو تفریحی بات نہ سمجھے، یا کوئی ایسی بات نہ سمجھے کہ بس سن لیا، اور پھر وہی اپنی پرانی رفتار پر چل پڑے، بلکہ ان جیسے خطبات کو جنت کے اعلی سے اعلی مقام تک جانے کا ذریعہ بنائیں۔

عذاب قبر سے نجات اس نیک عمل سے ہوگی جو خالص اللہ کے لیے کیا گیا ہو، ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ان حادثات کے بارے میں بتلادیا جو قبر میں ہوں گے اور عذاب قبر سے نجات کی صورتیں بھی بیان فرمادیں، فرمایا: «إِنَّ المَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ» ترجمہ: جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اے اللہ کے بندے، مجھے امید ہے کہ جب تم قبر میں جاو اور میت کو اتارو یا تمہارے سامنے میت کو اتارا جائے تو اس حدیث کو ضرور یاد کرو، اس حدیث سے اپنے نفس کو خطاب کرو۔ آپ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ المَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِينَ يُوَلُّونَ عَنْهُ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهِ» ترجمہ: جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو لوگوں کے واپسی کے وقت وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہی ہوتی ہے۔ اگر وہ مومن ہے

تو نماز اس کے سر کے پاس ہوتی ہے۔ دیکھو نجات کہاں ہے؟ اے نمازی سنو، نماز سے مقصود نماز کی پابندی کرنا ہے، نماز سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جمعہ پڑھا جائے اور ہفتہ کی باقی نمازیں نہ پڑھی جائیں ، نماز سے مقصود یہ نہیں ہے کہ ایک فرض نماز پڑھے، اور دوسری چھوڑدے، اور جب مَن میں آئے تب پڑھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: «فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهِ، وَكَانَ الصِّيَامُ عَنْ يَمِينِهِ، وَكَانَتِ الزَّكَاةُ عَنْ شِمَالِهِ، وَكَانَ فِعْلُ الخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالمَعْرُوفِ وَالإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَالَ: فَيُؤْتَى -يَعنِي: يَأْتيه العذابُ- فَيُؤْتَى مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ، فَتَقُولُ الصَّلَاةُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ -صلاتُكَ هذه تُدافعُ عنكَ في قبرِكَ- فَيُؤْتَى عَنْ يَمِينِهِ، فَيَقُولُ الصِّيَامُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ. فَيُؤْتَى عَنْ يَسَارِهِ، فَتَقُولُ الزَّكَاةُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ، فَيُؤْتَى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ، فَتَقُولُ فِعْلُ الخَيْرَاتِ مِنَ الصِّلَةِ وَالصَّدَقَةِ وَالمَعْرُوفِ وَالإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ، فَيَنْجُو»[۲۴۲]

ترجمہ:اگر مومن ہے تو نماز اس کے سرہانے، اور روزے اس کے دائیں طرف اور زکوٰۃ اس کے بائیں طرف اور صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور لوگوں کے ساتھ بھلائی جیسے نیک اعمال اس کے پیر کی طرف ہوتے ہیں، تو جب عذاب سر کی طرف سے آتا ہے تو نماز کہتی ہے: میری طرف سے راستہ نہیں ہے، یعنی نماز قبر میں تمہارا دفاع کرتی ہے- پھر وہ دائیں طرف آتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہے پھر وہ بائیں

(۲۴۲) عبد الرزاق (۳/۵۶۷)، وابن ابی شیبہ (۷/۴۷۳)، وابن حبان (۳۱۱۳)، والحاکم (۱/۳۷۹) ۔

طرف سے آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہے پھر وہ پیروں کی طرف سے آتا ہے تو نیک اعمال جیسے صلہ رحمی، صدقہ اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کہتے ہیں کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہےتو وہ نجات پا جاتا ہے۔

بندہ پر لازم ہے کہ وہ ان عظیم چہار دیواریوں کی پابندی کرے اور اپنی جان کو محفوظ کرے، وہ چہار دیورای نماز، روزہ، زکوٰۃ، نیک عمل اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک ہے، یہ سب قبر میں اس کی حفاظت کرتے ہیں، ورنہ مالک بن دینار کا یہ واقعہ سنو، کہ وہ قبروں کے پاس سے گزرے اور وہاں کھڑے ہوکر فرمایا:

أَتَيْتُ الْقُبُورَ فَنَادَيْتُهَا فَأَيْنَ الْمُعَظَّمُ وَالْمُحْتَقَرْ
وَأَيْنَ الْمُدِلُّ بِسُلْطَانِهِ وَأَيْنَ الْمُزَكَّى إِذَا مَا افْتَخَرْ

ترجمہ: میں قبروں کے پاس آیا اور انہیں آواز دی، عظیم اور حقیر لوگ اور اپنی سلطنت کے نشہ میں چور اور اپنے آپ کی بڑائی کرنے والے لوگ کہاں ہیں جو فخر کیا کرتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے قبر سے ایک آواز سنی:

تَفَانَوْا جَمِيعًا فَمَا مُخْبِرٍ وَمَاتُوا جَمِيعًا وَمَاتَ الْخَبَرْ
تَرُوحُ وَتَغْدُو بَنَاتُ الثَّرَى فَتَمْحُو مَحَاسِنَ تِلْكَ الصُّوَرْ
فَيَا سَائِلِي عَنْ أُنَاسٍ مَضَوْا أَمَا لَكَ فِيمَا تَرَى مُعْتَبَرْ (٢٤٣)

---

(٢٤٣) احیاء علوم الدین (۴/۴۸۷)۔

ترجمہ: سب کے سب فنا ہوگئے اور کوئی مخبر نہیں رہا، وہ کیا مرے کہ ان کی خبر بھی مر گئی۔ زمین کی بیٹیاں صبح و شام آتی جاتی ہیں پھر ان چہروں کی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے۔ اے گزرے لوگوں کی حالت دریافت کرنے والے کیا تم جو کچھ دیکھ رہے ہو، کیا اس میں تمہارے لئے عبرت نہیں ہے؟۔

مالک بن دینار کے اس واقعے میں عبرت کی جگہ یہ جملہ ہے: "کیا تم جو کچھ دیکھ رہے ہو، اس میں تمہارے لئے عبرت نہیں ہے"۔ عبرت یہی ہے کہ بندہ جو دیکھتا ہے اس سے عبرت لے اور عبرت یہی ہے کہ بندہ گزشتہ لوگوں سے نصیحت حاصل کرے۔

(۲۱)

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ

اللہ کے رسول ﷺ کے جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی یہ حدیث بھی ہے جسے امام ترمذیؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیاہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «**لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، وَأَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ، وَمَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ**»(۲۴۴).

ترجمہ: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ اچھی بری تقدیر پر ایمان نہ لائے، اور اِس بات پر ایمان نہ لائے کہ جو کچھ اس کو ملا ہے، وہ اس سے کبھی چوکنے والا نہیں تھا، اور جو اس سے چوک گیا ہے، وہ اسے کبھی ملنے والا نہیں تھا۔

تقدیر اور اس عظیم رکن پر ایمان لانے کے بارے میں گفتگو کرنا؛ دارصل ایمان کے اصول وارکان میں سے ایک ایسے عظیم رکن کے بارے میں بات کرنا ہے، جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا ہے۔

خود اللہ تعالی نے بھی تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ بہت سی آیات میں اس کی تفصیل اور وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿سُنَّةَ ٱللَّهِ فِى ٱلَّذِينَ خَلَوْاْ مِن قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾﴾[الأحزاب: ۳۸]

(۲۴۴) ترمذی (۲۱۴۴)۔

ترجمہ: اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہنا تھا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾﴾ [القمر: ٤٩].

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو مقرر اندازے سے پیدا کیا ہے۔

ترمذی میں خلیفۂ راشد حضرت علیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «**لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ: يَشْهَدُ أَلَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ الله بَعَثَنِي بِالحَقِّ، وَيُؤْمِنُ بِالموتِ، وَبِالبَعْثِ بَعْدَ الموتِ، وَيُؤْمِنُ بِالقَدَرِ**»(٢٤٥)،

ترجمہ: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ ان چار باتوں پر ایمان نہ لائے: (۱) وہ یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ (۲) موت پر ایمان لائے۔ (۳) موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لائے۔ (۴) اور تقدیر پر ایمان لائے۔

اس سے پتہ چلا کہ اگر مومن کے پاس اصولی چیزوں میں تقدیر پر ایمانِ کامل نہ ہو، تو اس کا ایمان ہی مکمل نہیں ہوسکتا ہے۔

اس بات کو حضرت ابن عمرؓ قسم کھا کر بیان کیا کرتے تھے، جیسا کہ مسلم میں ہے کہ:

---

(۲۴۵) احمد (۱/۹۷)، و ترمذی (۲۱۴۵)، وابن ماجہ (۸۱)۔

حضرت ابن عمرؓ اس بات پر قسم کھایا کرتے تھے کہ اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو،اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کردے تو اللہ تعالی اس وقت تک اس کا یہ عمل قبول نہ کریں گے، جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ پھر اس کے بعد انھوں نے حدیث جبرئیل ذکر کی، جس میں ذکر ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «**الإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِالله، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَاليَوْمِ الآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالقَدَرِ**»[٢٤٦].

ترجمہ: اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ پر،اس کے فرشتوں پر،اس کی کتابوں پر،اس کے رسولوں پر اورآخرت کے دین پر ایمان لاؤ، اور یہ کہ تم تقدیر پرایمان لاؤ۔

مسند احمد میں حضرت ابودرداء سے روایت ہے ،فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: «**لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ عَاقٌّ، وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ، وَلَا مُكَذِّبٌ بِقَدَرٍ**»[٢٤٧].

ترجمہ: نافرمان، شراب کا رَسیا اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ان احادیث اور ان سے قبل ذکر کی گئی قرآن کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اس عظیم رکن یعنی ایمان بالقدر پر کس قدر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

---

(۲۴۶) مسلم (۸) ۔

(۲۴۷) مسند احمد (۶/۴۴۱) ۔

ایمان بالقدر کی چار بنیادیں ہیں، جن کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہوسکتی: (۱) اللہ کے علمِ محیط وکامل پر ایمان۔ (۲) اس بات پر ایمان کہ قیامت تک جو کچھ بھی ہونے والاہے، وہ سب اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ دیاہے۔ (۳) اللہ کی مشیت عامہ پر ایمان۔ (۴) اور اس بات پرایمان کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

ذیل میں ان چار بنیادوں کی تفصیل ہے:

پہلی بنیاد: اس بات پر ایمان کہ جو کچھ بھی ہورہا ہے یا ہونے والاہے، سب کچھ اللہ کے علم میں ہے:

قرآن وحدیث کے نصوص اس بات پر صاف دلالت کرتے ہیں کہ جو کچھ ہوا، جو کچھ ہورہاہے اور جو کچھ ہو گا، سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ اور یہ کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جوچیز نہیں ہوئی، اگروہ ہوتی، توکس طرح ہوتی۔ یہ سب چیزیں اللہ کے علم میں ہیں۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ بِٱلْحَقِّ ۖ وَيَوْمَ يَقُولُ كُن فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ ٱلْحَقُّ ۚ وَلَهُ ٱلْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي ٱلصُّورِ ۚ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ۚ وَهُوَ ٱلْحَكِيمُ ٱلْخَبِيرُ ﴿٧٣﴾﴾ [الأنعام: ٧٣].

ترجمہ: اور وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور جس دن وہ (روز قیامت سے) کہے گا کہ: تو ہوجا تو وہ ہوجائے گا۔ اس کا قول برحق ہے۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اس دن بادشاہی اسی کی ہوگی، وہ غائب و

حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمت والا، پوری طرح باخبر ہے۔

اور اللہ فرماتا ہے کہ اس دنیا میں انسانوں اور جنوں میں سے جو بھی (نَر یا) مادہ ہے، یا جو پرندہ بھی آسمان میں اڑ رہا ہے یا جو جانور بھی زمین پر چل رہاہے، یا جو مخلوق بھی سمندر میں زندگی گزار رہی ہے، یہ سب کے سب اللہ کے علم میں ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے: ﴿ ٱللَّهُ يَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ ٱلۡأَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُۖ وَكُلُّ شَيۡءٍ عِندَهُۥ بِمِقۡدَارٍ ٨ ﴾[الرعد: ٨]

ترجمہ: اللہ ہر مادہ کے حمل کو جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے اس کو بھی، اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے

لہذا ایمان بالقدر کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ آپ یہ یقین کریں کہ اللہ تعالی کے پاس مستقبل میں ہونے والی ہر چیز کا علم ہے۔

اور خود ہمارے نبی ﷺ نے بھی بہت سی احادیث میں -جن کا ذکر آگے آرہا ہے- اس عظیم رکن کی وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالی کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اور اللہ تعالی ایک مومن کو اس بات پر اطمینان عطا فرماتا ہے کہ کائنات میں ہونے والی ہر چیز خدا تعالی کے علم میں ہے۔

دوسری بنیاد: یہ ہے کہ بندہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ تعالی نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو، جو کہ اس کے علم میں ہے، لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

لہذا اے بندۂ خدا! یہ جو کچھ تمہارے آس پاس پیش آرہا ہے، اور وہ تمام امور جو پیش آچکے ہیں، یا آئندہ آنے والے ہیں، یہ سب چیزیں لوح محفوظ میں اللہ تعالی کے پاس لکھی ہوئی اور مدون ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا۟ مِنْهُ مِن قُرْءَانٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا فِي ٱلسَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٦١﴾﴾ [يونس: ٦١].

ترجمہ: اورآپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں، اور قرآن کی جو تلاوت آپ فرماتے ہیں، اور تم لوگ جو کچھ بھی کام کرتے ہو، پس جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو، تو ہم تم پر پوری نگاہ رکھتے ہیں۔ اور ذرہ برابر بھی کچھ آپ کے رب سے اوجھل نہیں رہتا، نہ زمین میں، نہ آسمان میں، اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ اس سے بڑا، جو کھلی کتاب میں نہ ہو۔کیا تم نے درخت کے پتوں کو گرتے ہوئے دیکھا ہے؟ یہ بھی اللہ کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

رحم مادر میں جو کچھ بھی ہورہا ہے اور یہ زمین جو کچھ بھی نگلی ہوئی ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہورہا ہے، سب لوح محفوظ میں درج شدہ ہے۔

زمین پر چلتے ہوئے یہ زندہ نفوس اور یہ مردہ جن سے قبروں میں حساب لیا جارہا ہے، سب اللہ کے پاس اس کی لوح محفوظ میں درج ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾﴾ [الحديد: ٢٢]

ترجمہ: جو بھی مصیبت زمین پر اتری ہے، یا تمھاری جانوں کو لاحق ہوتی ہے، وہ اس وقت سے کتاب میں موجود ہے، جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا، اور یہ کام اللہ کیلیے آسان ہے۔

اسی لیے مسلم کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ»(٢٤٨).

ترجمہ: اللہ تعالی نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی مخلوق کی تقدیر لکھ دی تھی۔

کیا جب آپ یہ حدیث سنتے ہیں تو آپ کو اطمینان نہیں ہوتا؟ جب آپ کو پتہ چلتا ہے کہ جو واقعات بھی آپ کے اردگرد رونما ہو رہے ہیں، یہ سب اللہ کے علم میں ہیں، جو پہلے ہی لکھ دیے گئے تھے، تو آپ کے دل کو سکون واطمینان ہوتا ہے، پھر آپ نہ غصہ ہوتے ہیں، نہ ناراض، اور نہ حسرت کرتے ہیں اور نہ غم۔

سننِ ابو داود میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے

---

(۲۴۸) مسلم (۲۶۵۳)۔

بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے بیٹے! تم ایمان کا مزہ نہیں پاسکتے ،جب تک کہ یہ نہ جان لو کہ جو کچھ تمھیں ملا ہے، وہ تم سے چوکنے والا نہیں تھا، اور جو کچھ تم کو نہیں ملا ہے، وہ کبھی تمہیں ملنے والا نہیں تھا۔ میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، قَالَ: رَبِّ وَمَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبْ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»،

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پھر اسے حکم دیا کہ لکھ۔،اس نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالی نے فرمایا: قیامت تک جو کچھ پیش آئے گا، اس کے بارے میں مخلوق کی تقدیر لکھ۔۔ میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «مَنْ مَاتَ عَلَى غَيْرِ هَذَا فَلَيْسَ مِنِّي»(٢٤٩)

ترجمہ: جس کا اس یقین کے علاوہ کسی اور حالت پر انتقال ہوا، تو وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے علم محیط پر ایمان لائے بغیر، اور اسی طرح سارے امور کے لوحِ محفوظ میں درج ہونے پر ایمان لائے بغیر انتقال کر جائے، تو اس کا حضور ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسری بنیاد: اللہ کی عمومی مشیئت پر ایمان لانا، یعنی اللہ جو چاہتا ہے، وہ ہوتا

---

(٢٤٩) احمد (٥/٣١٧)، وابو داود (٤٧٠٠)، و ترمذی (٣٣١٩) ۔

ہے، اور جو وہ نہیں چاہتا ہے، وہ نہیں ہوتا ہے، خواہ بندہ کیسے ہی اسباب اختیار کرلے، اور چاہے وہ کتنے ہی وسائل کے اکٹھے کر لے پھر بھی ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا، اور جو وہ نہیں چاہے گا، وہ ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

ہم سب اللہ تعالی کا یہ فرمان پڑھتے رہتے ہیں: ﴿قُلِ ٱللَّهُمَّ مَٰلِكَ ٱلْمُلْكِ تُؤْتِى ٱلْمُلْكَ مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ ٱلْمُلْكَ مِمَّن تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ ٱلْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾﴾[آل عمران: ٢٦]،

ترجمہ: کہو کہ: اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کردیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقینا تو ہر چیز پر قادر ہے اور ہم سب یہ ارشاد بھی پڑھتے ہیں: ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّماواتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ ما يَشاء يَهَبُ لِمَنْ يَشاء إِناثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشاء الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرانًا وَإِناثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشاء عَقِيمًا﴾[الشورى:٤٩-٥٠].

ترجمہ: اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتاہے۔ یا لڑکے لڑکیاں دونوں ملاکر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا وَمَا

تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾[الإنسان:٢٨-٣١].

ترجمہ: ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ مضبوط بنائے ہیں، اور ہم جب چاہیں، ان کی جگہ ان کے جیسے دوسرے لوگ بدل کر لے آئیں، یقیناً یہ ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے، وہ اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرے، اور تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔ یقیناً اللہ خوب جانتا حکمت رکھتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے وہ اپنی رحمت میں شامل فرمالیتا ہے اور یہ جو ظالم لوگ ہیں، ان کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کرر کھا ہے۔

ہمارے محبوب ﷺ کا ارشاد ہے: «**إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّها بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ، كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ**»، ترجمہ: بے شک بنی آدم کے دل رحمان کی دوانگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں۔ وہ جیسے چاہتا ہے،انھیں گھماتا اور پھیرتا رہتا ہے۔ پھر آپ ﷺ یہ دعاء فرماتے:

«**اللَّهُمَّ يَا مُصَرِّفَ القُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ**»[٢٥٠].

اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر جمادے۔

(٢٥٠) مسلم (٢٦٥٤)۔

چوتھی بنیاد: اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالی ہر چیز کا خالق ہے۔ تم جو کچھ اپنے اندر دیکھتے ہو، اور جو کچھ اپنے ارد گرد دیکھتے ہو اور جو کچھ اس کائنات میں دیکھتے ہو، اور اس سیارے اور کہکشاں کے بارے میں جو کچھ بھی تمہارے دل میں احساسات وخیالات پیدا ہوتے ہیں، یہ سب کچھ اللہ کی مخلوق ہے۔ ﴿ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ خَٰلِقُ كُلِّ شَىْءٍ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾ ﴾[غافر: ٦٢].

ترجمہ: وہی اللہ تمھارا رب ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟

﴿ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ خَٰلِقُ كُلِّ شَىْءٍ فَٱعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ ﴾[الأنعام: ١٠٢].

ترجمہ: ۔ وہی اللہ تمھارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے ،لہذا اس کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

ایمان بالقدر کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہمت ہار جائے یا ناکامی کو قبول کرلے، اور نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بیماری کے آگے سر تسلیم خم کردے اور علاج نہ کرائے، اور نہ یہ مطلب ہے کہ وہ نا امید اور غم زدہ ہوجائے اور تنگی وحسرت میں مبتلا رہے؛ بلکہ ایمان بالقدر کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگو، آپ ناکامی سے کامیابی، شکست سے فتح، بیماری سے عافیت، نا امیدی اور غم وحسرت سے امید اور مسرت وخوشی کی طرف جاؤ۔

حضرت عمر فاروق ؓ ملک شام کے سفر کے ارادے سے نکلے، تو لشکروں کے کمانڈرز آپ کے استقبال کیلئے آئے، جن میں سب سے آگے حضرت ابوعبیدہؓ تھے، انھوں نے عرض کیا: اے عمر! آپ یہیں رک جائیے، کیوں کہ ملک شام میں طاعون [وباء] پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا آپ اندر جائیں گے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ مہاجرین وانصار اور دیگر ارباب عقل کو اکٹھا کریں، میں ان سے مشورہ کروں گا کہ اندر جاؤں یا نہیں، پھر بعض نے اندر جانے کا مشورہ دیا اور بعض نے منع کیا۔ حضرت عمرؓ نے اندر نہ جانے کا فیصلہ کیا اور واپس ہوگئے۔ اپنے ساتھیوں کو بھی واپسی کا حکم دیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے آپ سے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اے ابوعبیدہ! کاش یہ بات آپ کے علاوہ کوئی اور کہتا! ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف ہی بھاگ رہے ہیں۔[۲۵۱]

یہ ہے ایمان بالقدر کا صحیح فہم، کہ آپ اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف جارہے ہو، اور یہ بھی اللہ کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔

لہذا ایمان بالقدر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہار مان لیں اور اپنی جگہ بیٹھے رہیں، کوئی حرکت نہ کریں؛ بلکہ ایمان بالقدر کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ خود کو ترقی دیں، اپنی قدر وقیمت بڑھائیں اور کامیاب لوگوں میں شامل ہوجائیں۔ علاج

---

(۲۵۱) بخاری، :(۵۷۲۹)، مسلم، :(۲۲۱۹)۔

کریں اور عافیت طلب کریں۔ ایمان بالقدر یہ ہے کہ جو کچھ ہو گیا ہے، اس پر حسرت نہ کریں، بلکہ اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں(اور عمل کریں)، اور یہ بھی اللہ کی تقدیر میں شامل ہے، چنانچہ آپ کا ِگرنا بھی تقدیر الہی میں شامل ہے اور آپ کا گرنے کے بعد کھڑا ہونا بھی۔

بہر حال ، تقدیر پر ایمان لانا ، ہمارے ایمان کا ایک عظیم رکن ہے۔

(۲۲)

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ

حضوراکرم ﷺ کے جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی ایک حدیث صحیح مسلم کی یہ روایت ہے، جسے انھوں نے حضرت ابوشریح خزاعی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ»(۲۵۲).

ترجمہ: جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اگر آپ قرآن و حدیث کے نصوص میں غور کریں تو دیکھیں گے کہ قرآن وحدیث، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک پر ابھارنے والے احکامات سے بھرے پڑے ہیں، قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے فرمودات میں آپ کو حسن سلوک کی تقریباً تمام صورتیں مل جائیں گی۔

سورۂ نساء میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿ وَٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا ۖ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا وَبِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَـٰمَىٰ وَٱلْمَسَـٰكِينِ وَٱلْجَارِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْجَارِ ٱلْجُنُبِ وَٱلصَّاحِبِ بِٱلْجَنۢبِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ

(۲۵۲) مسلم (۴۸)۔

أَيۡمَـٰنُكُمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخۡتَالٗا فَخُورًا ﴿٣٦﴾ [النساء: ٣٦]

ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے) یاساتھ کھڑے (ہوئے شخص اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی) اچھا برتاؤ رکھو (بیشک اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

آپ غور کیجیے کہ کس طرح اللہ تعالی نے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو اپنی عبادت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑا ہے۔

اور اگر آپ نبی ﷺ کی حدیثوں پر نظر ڈالیں، تو آپ کو بڑا تعجب ہوگا کہ کس طرح آپ نے پڑوسیوں کے بارے میں وصیت وتاکید کی ہے۔ ترمذی میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے گھر میں ان کے اہل خانہ کے لیے بکری ذبح کی گئی، تو انھوں نے اپنے اہل خانہ سے پوچھا: کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لیے بھی کچھ بھیجا؟ کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ دیا؟ انھوں نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ ان کے گھر والے اکتا گئے۔ پھر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: **«مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ»**(٢٥٣).

---

(٢٥٣) احمد (٢/١٦٠)، وابو داود (٥١٥٢)، وترمذی (١٩٤٣)۔

ترجمہ: حضرت جبرئیل مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار تاکید کرتے رہے، حتی کہ مجھے لگا کہ کہیں وہ پڑوسی کو وارث نہ بنادیں۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک گھروں کی ترقی اور عمر میں برکت کا سبب ہے۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «وَ صِلَةُ الرَّحِمِ وَحُسْنُ الخُلُقِ وَحُسْنُ الجِوَارِ يُعَمِّرَانِ الدِّيَارَ،وَيَزِيدَانِ فِي الأَعْمَارِ»(٢٥٤).

ترجمہ: صلہ رحمی، حسن اخلاق اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک، گھروں کی ترقی اور عمر میں برکت کا ذریعہ ہیں۔

قیامت کے دن سب سے بڑے مدمقابل ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں گے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَوَّلُ خَصْمَيْنِ يَوْمَ القِيَامَةِ جَارَانِ»(٢٥٥).

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے پہلے جن دو لوگوں کا مقدمہ پیش ہوگا، وہ دو پڑوسی ہوں گے۔

پھر ویسے بھی حسن سلوک جنت میں داخل ہونے کا ایک بنیادی سبب اور بہترین راستہ ہے۔

---

(۲۵۴) مسند أحمد (۱۵۹/۶)۔

(۲۵۵) مسند احمد (۱۵۱/۴)۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے کہ جب میں اسے کرلوں تو جنت میں داخل ہوجاؤں۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «كُنْ مُحْسِنًا»- اچھا سلوک کرنے والے بن جاؤ۔ - یہ جواب قابل غور ہے- اس شخص نے عرض کیا: مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں اچھا سلوک کرنے والا ہوں یا نہیں؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «سَلْ جِيرَانَكَ، فَإِنْ قَالُوا: إِنَّكَ مُحْسِنٌ فَأَنْتَ مُحْسِنٌ، وَإِنْ قَالُوا: إِنَّكَ مُسِيءٌ فَأَنْتَ مُسِيءٌ»[٢٥٦].

ترجمہ: اپنے پڑوسیوں سے پوچھو، اگر وہ کہیں کہ تم اچھا سلوک کرنے والے ہو، تو حقیقۃً تم اچھا سلوک کرنے والے ہو، اور اگر وہ کہیں کہ تم (ان کے ساتھ) برا سلوک کرتے ہو، تو پھر تم برا سلوک کرنے والے ہی ہو۔

اللہ کے نزدیک سب سے اچھا پڑوسی وہ ہے، جو اپنے پڑوسی کے ساتھ سب سے اچھا برتاؤ کرتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «خَيْرُ الأَصْحَابِ عِنْدَاللهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الجِيرَانِ عِنْدَاللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ»[٢٥٧].

ترجمہ: اللہ کے نزدیک سب سے بہترین ساتھی وہ ہے، جو اپنے ساتھی کے لیے

---

(٢٥٦) مستدرک (١/٣٧٨)۔

(٢٥٧) ترمذی (١٩٤٤)۔

سب سے بہتر ہو، اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر پڑوسی وہ ہے، جو اپنے پڑوسی کے لیے سب سے بہتر ہو۔

بلکہ آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا: «**وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَايُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ-أَوْقَالَ: لِأَخِيهِ- مَايُحِبُّ لِنَفْسِهِ**»(٢٥٨).

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ اپنے پڑوسی کے لیے- یا فرمایا: اپنے بھائی کے لیے- وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اگر آپ کو اچھا پڑوسی مل جائے، تو جان لیجیے کہ ایک چوتھائی سعادت آپ کے حصے میں آگئی۔ جی ہاں !اچھے پڑوسی کا مِل جانا، واقعی سعادت کا چوتھائی حصہ ہے۔ اور یہ نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: المَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالمَسْكَنُ الوَاسِعُ، وَالجَارُالصَّالِحُ، وَالمَرْكَبُ الهَنِيءُ**» ترجمہ: چارچیزوں کا مل جانا سعادت ہے: نیک بیوی، کشادہ گھر، نیک پڑوسی اور آرام دہ سواری۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: «**وَأَرْبَعٌ مِنَ الشَّقَاوَةِ: الجَارُ السُّوءُ، وَالمَرْأَةُ السُّوءُ، وَالمَسْكَنُ الضَّيِّقُ، وَالمَرْكَبُ السُّوءُ**»(٢٥٩)،

---

(٢٥٨) مسلم (٤٥) و بخاری (١٣) ۔

(٢٥٩) صحیح ابن حبان (٤٠٣٢) ۔

ترجمہ: چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں: برا پڑوسی، بری بیوی، تنگ گھر اور بری سواری۔

اس سے پتہ چلا کہ اگر کسی شخص کو اچھا اور نیک پڑوسی مل جائے، تو گویا اس نے سعادت کے چار حصوں میں سے ایک حصہ حاصل کرلیا، اور جسے برا پڑوسی مل جائے، تو گویا اس کے نصیب میں بدبختی کی چار چیزوں میں سے ایک چیز آگئی۔

اس تمہید کے بعد میں عرض کرتا ہوں کہ ایک پڑوسی کے دوسرے پڑوسی پر بہت سے حقوق ہیں؛ لیکن میں ان میں سے صرف بعض کا تذکرہ کررہا ہوں:

پہلا حق:

حسن سلوک کی جتنی بھی صورتیں ہوسکتی ہیں، قولی، عملی اور حسن ظن وغیرہ، ان تمام شکلوں میں پڑوسی کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا۔ جی ہاں! حسن سلوک کی تمام صورتیں پڑوسی کے حقوق میں داخل ہیں۔ اور اہل علم کے مطابق پڑوس ہر سمت سے چالیس گھروں تک ہوتا ہے۔ لہذا چالیس گھر یہاں سے اور چالیس گھر وہاں سے، نیز ہر سمت سے چالیس گھر،ان سب لوگوں کو پڑوسی کے حقوق دیے جائیں گے۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے سلسلے میں بہت سے دلائل ہیں، جن میں سرفہرست یہ حدیث ہے: «مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللہ وَالیَوْمِ الآخِرِ فَلْیُحْسِنْ إِلَی جَارِہِ».

ترجمہ: جو شخص بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

حضرت ابو قراد سلمی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کے لیے پانی منگوایا، جب آپ وضوء سے فارغ ہوگئے تو صحابہ کرام تبرک حاصل کرنے کے لیے آپ کے استعمال شدہ پانی پر ٹوٹ پڑے، تاکہ اس اپنے جسموں پر مَل لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «**مَاحَمَلَكُمْ عَلَى مَاصَنَعْتُمْ؟**» قالوا: حُبُّ الله ورسولُه، قالَ ﷺ: «**فَإِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ يُحِبَّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ فَأَدُّوا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَحْسِنُوا جِوَارَ مَنْ جَاوَرَكُمْ**»(٢٦٠)۔

ترجمہ: تمھیں اس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ اور رسول بھی تم سے محبت کریں، تو جب تمھیں امانت سونپی جائے، تو اسے ادا کرو، جب بولو تو سچ بولو، اور جب کوئی تمھارا پڑوسی بنے، تو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

اس سے پتہ چلا کہ ہر چیز میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اللہ ورسول ﷺ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا حق:

---

(٢٦٠) المعجم الاوسط (٦٥١٧)۔

پڑوسی کو تحفہ دینا، خواہ تحفہ معمولی ہو یا بڑا۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ حضرت ابوذرؓ سے فرماتے تھے: «**يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ**»(٢٦١) ترجمہ: اے ابوذر! جب شوربہ بنایا کرو، تو اس میں پانی زیادہ کرلیا کرو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھا کرو، یعنی اسے بھی تحفے تحائف دیتے رہا کرو۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: «**لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ**»(٢٦٢).

ترجمہ: وہ شخص مومن نہیں، جو خود شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے: «**مَا آمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبْعانًا وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَيَعْلَمُ بِهِ**»(٢٦٣)،

ترجمہ: ایسا شخص مجھ پر ایمان لانے والا نہیں ہوسکتا جو خود شکم سیر ہوکر رات گزارے اوراس کا پڑوسی بھوکا ہواور اسے اس کے بارے میں علم بھی ہو۔

لہذا انسان کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تحفائف دیتا رہے، خاص کر اس موقع پر،جب وہ ضرورت مند اور پریشان ہو۔

---

(٢٦١) مسلم (٢٦٢٥)۔

(٢٦٢) الادب المفرد (١١٢)، و مسند ابو یعلی(٢٦٩٩)، و المعجم الکبیر (١٢/١٥٤، ١٢٧٤١)، و السنن الکبری (١٠/٣)۔

(٢٦٣) المعجم الکبیر (١/٢٥٩، ٧٥١)۔

تیسرا حق:

پڑوسی کی آبرو اور اس کے مال کی حفاظت کرنا۔ کبھی پڑوسی کا انتقال ہوجاتا ہے اور اس کی آبرو اور اس کا مال اس کے گھر میں رہ جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر ایک پڑوسی کو چاہیے کہ وہ اپنے مرحوم پڑوسی کی اس عزت وآبرو (بیوی) کی حفاظت کرے۔ یہ بات آپ کے لیے یقیناً بڑی تکلیف دہ ہوگی کہ آپ کسی کے بارے میں سنیں کہ اس نے اپنے پڑوسی کے ساتھ خیانت کی ہے اور اس کی آبرو اور مال پر دست درازی کی ہے۔ یہ بہت بڑی خیانت ہے، حتی کہ مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ پڑوسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنا، دس گھروں کی عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالنے سے زیادہ سخت اور گھناؤنا عمل ہے۔ اور جو شخص اپنے پڑوسی کے گھر چوری کرتا ہے، وہ اس شخص سے زیادہ خطرناک اور برا ہے جو دس گھروں میں چوری کرتا ہے۔

اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں بھی پڑوسی کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ ان کی تاریخ آج تک لکھی چلی آرہی ہے اور ان کی نسلیں اس بات کی گواہ ہیں، حالانکہ ہزاروں سال گذر چکے ہیں۔ عنترہ کا ایک شعر ہے جسے اس کی نسلوں نے آج تک محفوظ رکھا ہے، اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے، وہ کہتا ہے:

وَأَغُضُّ طَرْفِي إِنْ بَدَتْ لِي جَارَتِي   حَتَّى يُوَارِي جَارَتِي مَأْوَاهَا[٢٦٤]

(۲۶۴) دیوان عنترہ بن شداد (ص:۳۰۸) ط. المکتب الاسلامی ۔

ترجمہ: جب میری پڑوسن نکلتی ہے تو میں اپنی نگاہ جھکا لیتا ہوں، اور جب تک وہ اپنی پناہ گاہ میں چھپ نہیں جاتی، میں نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔

حاتم طائی یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتا تھا:

مَاضَرَّ جَارٍ لِي أُجَاوِرُهُ أَلَّا يَكُونَ لِبَابِهِ سِتْرٌ

ترجمہ: میرے پڑوس میں رہنے والے شخص کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ اس کے دروازے پر پردہ نہیں ہے۔ یعنی میں اس کے گھر کی طرف غلط نگاہ سے دیکھتا تک نہیں، اس لیے اسے پردے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

أُغْضِي إِذَا مَاجَارَتِي بَرَزَتْ حَتَّى يُوَارِي جَارَتِي الخِدْرُ (٢٦٥)

ترجمہ: جب میری پڑوسن نکلتی ہے تو میں اپنی نگاہ جھکائے رکھتا ہوں، حتی کہ وہ خود کو اوڑھنی سے چھپا لے۔

چوتھا حق:

انسان کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔

مگر افسوس کہ آج اس میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔ جسے پولیس اسٹیشنوں اور عدالتوں کا حال معلوم ہے، وہ جانتا ہے کہ پڑوسیوں کے شکایتوں کے کیسے عجیب عجیب معاملے وہاں آتے ہیں کہ جن کا پڑوسی کے ساتھ کرنا بالکل بھی مناسب

---

(٢٦٥) مزید معلومات کے لئے مکارم الاخلاق (ص:٩٦-٩٧)، و تاریخ دمشق (١١/٣٧٤). و ربیع الأبرار (١/٣٩١)، و معجم الادباء (٣/١٣٠١)، وخزانۃ الادب (٣/٧٢) دیکھیں۔

نہیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں، جن سے آپ خود بھی واقف ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایاہے: «**مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِالله وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلَايُؤْذِ جَارَهُ**»(٢٦٦)، ترجمہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتاہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت بھی اتنی تیز آواز سے کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف ہوتی ہے، تو یہ بھی گناہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مومنین کو اس بات سے منع کیا ہے کہ وہ مسجد میں بھی تلاوت اتنی تیز آوازسے کریں جس سے ان کے برابر والے شخص کو تکلیف ہو۔

اسی بنیاد پر ائمۂ مساجد کے نام میرا یہ پیغام ہے کہ اگر آپ نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اتنی تیز آواز سے تلاوت کرتے ہیں، جو باہر تک جاتی ہے، تو یہ نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت ہے۔ اس لیے کہ آپ کی تلاوت مسجد میں موجود حضرات کے لیے ہے، نہ کہ ان لوگوں کے لیے جو مسجد سے باہر ہیں۔ اور جو آپ کی تیز آواز پڑوسی کی تکلیف کا سبب بن رہی ہے تو اس کی وجہ سے آپ گناہ گار ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں علماء کے فتاوی کی طرف رجوع فرمائیں۔

پانچواں حق: [شاید تمہیں یہ حق عجیب سا لگے گا]

---

(٢٦٦) بخاری (٦٠١٨)، ومسلم (٤٧/٧٥)۔

اگر پڑوسی کی کسی بات سے تکلیف پہنچے، تو اس پر صبر کیجیے۔ یہ بھی اس کا حق ہے۔

جی ہاں ! اگرچہ یہ عجیب بات ہے، مگر پڑوسی کا یہ بھی حق ہے کہ آپ اس کی تکلیف پر صبر کریں۔ حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: «**ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللهُ، وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللهُ**»، وذكرَ منَ الَّذين يُحبُّهم اللهُ: «**وَ رَجُلٌ لَهُ جَارٌ يُؤْذِيهِ فَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُ وَيَحْتَسِبُهُ حَتَّى يَكْفِيَهُ اللهُ إِيَّاهُ بِمَوْتٍ أَوْحَيَاةٍ**»[٢٦٧].

ترجمہ: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالی محبت کرتا ہے، اور تین ایسے ہیں جن سے اللہ تعالی نفرت کرتا ہے۔ پھر ان تین لوگوں میں سے، جن سے اللہ تعالی محبت کرتا ہے، ایک اس شخص کا ذکر کیا، جس کا پڑوسی اسے تکلیف دیتا ہواور وہ اللہ تعالی سے ثواب کی امید میں اس پر صبر کرتا ہے، تا آنکہ اللہ تعالی اس کی زندگی یا موت کا فیصلہ کرکے خود اس کی کفایت کرے۔

لہذا پڑوسی کا حق ہے کہ آپ اس کی تکلیف پر صبر کریں۔ اسی لیے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے: پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک صرف یہ نہیں کہ اسے تکلیف نہ پہنچائی جائے؛ بلکہ اصل حسن سلوک یہ ہے کہ اس کی تکلیف پر صبر کیا جائے۔[٢٦٨]

(٢٦٧) مسند احمد (١٧٦/٥)۔

(٢٦٨) «مزید معلومات کے لئے تنبیہ الغافلین (ص ١٤٣) دیکھیں۔»

ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے: اے ابن مسعود! میرا ایک پڑوسی ہے، جو مجھے تکلیف دیتا ہے، برا بھلا کہتا ہے، گالی دیتا ہے اور مجھے تنگ کرتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس سے فرمایا: جاؤ، اگر وہ تمھارے سلسلے میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، پھر بھی تم اس کے سلسلے میں اللہ کی فرمانبرداری کرو۔(٢٦٩).

اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِالله وَالیَوْمِ الآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ».

ترجمہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

حسن سلوک ایسی عظیم عبادت ہے، جس کے ذریعے بندے کو اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندے! میں تجھ سے بھی کہتا ہوں اور خود سے بھی کہ ہمیں اس بات سے بچنا چاہیے کہ ہمارے تکلیف دینے کی وجہ سے ہمارا پڑوسی چلاجائے۔ اس لیے یاد رکھیں کہ آپ کا کوئی پڑوسی آپ سے ناراض ہوکر، آپ کا پڑوس چھوڑ کر نہ جائے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے کسی خوب صورت جگہ ایک خوب صورت گھر بنایا۔ پھر جب وہ تیار ہوگیا اور اس نے چاہا کہ اس میں مزے سے رہے، تو اسے جو پڑوسی ملا، وہ اسے بہت تکلیف دیا کرتا تھا، جس کی وجہ سے اس نے وہ گھر بیچ دیا،

(٢٦٩) مزید معلومات کے لئے «احیاء علوم الدین» (٢/٢١٢) دیکھیں۔

لوگ اسے ملامت کرنے لگے کہ اس خوب صورت جگہ میں اتنے خوب صورت گھر کو تم کیوں بیچ رہے ہو؟ اس نے یہ اشعار پڑھے:

يَلُومُونَنِي إِذْبِعْتُ بِالرُّخْصِ مَنْزِلًا وَلَمْ يَعْرِفُوا جَارًا هُنَاكَ يُنَغِّصُ
فَقُلْتُ لَهُمْ كُفُّوا الْمَلَامَ فَإِنَّهَا بِجِيرَانِهَا تَغْلُو الدِّيَارُ وَتَرْخُصُ (٢٧٠)

ترجمہ: جب میں نے سستی قیمت میں اپنا گھر بیچ دیا تو لوگ مجھے ملامت کرنے لگے۔ انھیں معلوم نہیں کہ وہاں ایک پڑوسی ہے، جس نے زندگی اجیرن کردی ہے۔ میں نے ان سے کہا: ملامت بند کرو، بے شک پڑوسیوں کی وجہ سے ہی گھر کی قیمت بڑھتی یا گھٹتی ہے۔

اس پڑوسی سے عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی لیے بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ایک پڑوسی نے اپنا گھر بیچنے کا ارادہ کیا، تو خریدنے کی خواہش رکھنے والوں نے اس سے پوچھا: کیا قیمت ہے گھر کی؟ اس نے کہا: ایک لاکھ ۔ انھوں نے کہا: ہم نے خرید لیا۔ اس شخص نے ان لوگوں سے کہا: تم لوگوں نے مجھ سے میرے پڑوسی کی قیمت کے بارے میں گفتگو نہیں کی؟۔ انھوں نے (تعجب سے) پوچھا: کیا پڑوسی بھی بیچا جاتا ہے؟ اس نے کہا: جو پڑوسی سعید بن عاص جیسا ہو، تو بے شک اس کی ایک قیمت ہوتی ہے، جس کے بدلے اسے بیچا جاتا ہے۔ میں گھر کو اس کی قیمت کے عوض بیچ رہا ہوں اور پڑوسی کو اس کی الگ قیمت کے

---

(٢٧٠) الآداب الشرعیہ (١٦/٢)۔

بدلے۔ انھوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تواس شخص نے بتایا کہ یہ سعید بن عاص ہیں، جب تم بیٹھے ہوگے تو یہ تمھاری خیریت پوچھیں گے، جب تم کو دیکھیں گے تو تمھارا استقبال کریں گے۔ جب تم موجود نہیں رہوگے تو یہ تمھاری (چیزوں کی) حفاظت کریں گے۔ جب تم انھیں دیکھو گے تو یہ تمھیں اپنے قریب کریں گے۔ اگر تم ان سے مانگوگے تو عطا کریں گے۔ اور اگر نہیں مانگوگے تو خود سے دیں گے، اگر تمھیں کوئی مصیبت آئے گی، تو یہ اسے دور کریں گے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن عاصؓ نے ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی، تو اس شخص کے پاس ایک لاکھ روپے بھیجے اور کہا: میں نے یہ گھر تمھارے لیے خرید لیا اور میں نے تمھارا پڑوس بھی خرید لیا۔[۲۷۱]

o

(۲۷۱) مزید معلومات کے لئے «ربیع الابرار» (۱/۳۹۲- ۳۹۳)، ووفیات الاعیان (۲/۵۳۵) دیکھی ۔

(۲۳)

أَوَّلُ مَا يُرۡفَعُ مِنۡ هَذِهِ الأُمَّةِ الخُشُوعُ

اللہ تعالی نے نماز کی بہت اہمیت بیان کی ہے اور خشوع کو نماز کی روح، اس کا مغز اور دل قرار دیا ہے۔

جی ہاں بندے سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ وہ نماز پڑھے اور یہ بھی کہ وہ نماز خشوع کے ساتھ پڑھے۔ بلا خشوع کے پڑھی ہوئی نماز میں کوئی خیر نہیں۔ حتی کہ اگر کوئی انسان درجنوں سال بغیر خشوع کے نماز پڑھے تو اس کی نماز بے جان مُردے کی طرح ہے۔

اس لیے جوامع الکلم پر گفتگو کے سلسلے میں ہم اس حدیث کو بھی شامل کرتے ہیں، جسے طبرانی نے حضرت ابو درداءؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «**أَوَّلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ الخُشُوعُ حَتَّى لَا يُرَى فِيهَا خَاشِعٌ**»[۲۷۲].

ترجمہ: سب سے پہلے اس امت سے خشوع اٹھایا جائے گا، حتی کہ امت میں ایک بھی خشوع رکھنے والا نہ رہے گا۔

اے بندۂ خدا! اگر آپ مومنین کی ان صفات کا مطالعہ کریں گے جو سورۂ

---

(۲۷۲) مسند الشامیین۔

مومنون میں بیان کی گئی ہیں، تو دیکھیں گے کہ اللہ تعالی نے تمام صفات سے پہلے نماز میں خشوع کو بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝١ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢﴾[المؤمنون: ٢-١]

ترجمہ: یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

اس کے بعد چند دیگر اوصاف بیان کیے ہیں، پھر ان کے آخر میں فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝٩ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝١٠ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝١١﴾[المؤمنون: ١١-٩]، ترجمہ: ‹‹جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں ۔ یہی وارث ہیں ۔ جو فردوس کے وارث ہونگے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔›› جی ہاں! کامیاب مومنین نمازوں کی پابندی کرتے ہیں؛ لیکن اصل اعتبار پہلی صفت کا ہے کہ وہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ یہ صفت تمام اوصاف پر مقدم ہے

اسی لیے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہے:

تم اپنے دین میں سے سب سے پہلے خشوع کو کھوؤگے اور سب سے آخر میں نماز کو۔ کتنے ایسے نمازی ہوں گے جن میں کوئی خیر نہ ہوگی۔ اور قریب ہے کہ تم جامع مسجد میں داخل ہوکر دیکھو اور ایک بھی خشوع والا نظر نہ آئے۔(٢٧٣)، یعنی تم

(٢٧٣) مدارج السالکین (١/٥١٧). ومصنف ابن ابی شیبہ (١٩/٢٥٤)، ومستدرک حاکم (٤/٤٦٩)، و حلیۃ الاولیاء (١/٢٨١).

بڑی مسجد میں جاؤ جس میں بڑی جماعت ہو؛ لیکن اس میں ایک بھی خشوع والا نظر نہ آئے۔ یہ آخری زمانے میں ہوگا، کہ خشوع اٹھا لیا جائے گا اور نماز اس کے بعد بھی طویل زمانے تک باقی رہے گی؛ لیکن وہ ایسی نماز ہوگی جس میں خشوع نہ ہوگا۔

اسی وجہ سے نماز میں خشوع اختیار کرنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ ذرا دیکھو تو کہ ہمارے نبی ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔ ایک طویل حدیث کے آخر میں، جو حضرت عمرو بن عنبسہ سلمیؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «**فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلَّى، فَحَمِدَ اللهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِالَّذِي هُوَ لَهُ أَهْلٌ، وَفَرَّغَ قَلْبَهُ لله**» هذا هو الخُشوعُ، انظُرِ النَّتيجةَ: «**إِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ**»[(٢٧٤)]

ترجمہ: اگر ایک شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھے اور پھر اللہ کی حمد وثناء بیان کرے، جو اللہ کے شایان شان ہو، اور اپنے دل کو اللہ کے لیے فارغ کرلے (یعنی خشوع اختیار کرے) اس کے بعد آپ نے جو نتیجہ بیان فرمایا ،اس پر غور کیجیے- تو وہ اپنے گناہوں سے ایسے پاک صاف ہوکر پلٹے گا، جیسے اس دن تھا جس دن وہ پیدا ہوا تھا۔

یہ ہے خشوع کی فضیلت!

افسوس! اس فضیلت اور اجر عظیم کو حاصل کرنے میں ہم نے کتنی کوتاہی کی!

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «**مَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ**

---

(۲۷۴) مسلم (۸۳۲) ۔

تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهَا، وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا، إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَالَمْ يَأْتِ كَبِيرَةً، وَذَلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ»[٢٧٥].

ترجمہ: جو مسلمان شخص فرض نماز کے وقت اچھی طرح وضوء کرے، خشوع اختیار کرے اور اچھی طرح رکوع (وسجود) کرے، تو اس کی یہ نماز اس کے سابقہ تمام گناہوں کا کفارہ ہوجائے گی، جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ اور یہ فضیلت ہمیشہ کے لیے ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز کے اندر خشوع اختیار کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

ایک طرف آپ ﷺ نے خشوع کی ترغیب دی ہے، اور دوسری طرف خشوع کو ترک کرنے سے روکا ہے۔ اس موقع پر میں دو حدیثیں پیش کرتا ہوں:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، لیکن وہ نہ رکوع مکمل طریقے سے کر رہا تھا اور نہ سجدہ، آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: «لَوْمَاتَ هَذَا عَلَى حَالِهِ هَذِهِ؛ لَمَاتَ عَلَى غَيْرِ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ».

ترجمہ: اگر اس شخص کا اسی حالت میں انتقال ہوجائے، تو اس کی موت ملت محمدی پر نہیں ہوگی۔ یہ نماز پڑھ رہا ہے؛ لیکن رکوع وسجدہ مکمل طریقے سے نہیں

---

(٢٧٥) مسلم (٢٢٨)۔

کررہا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: «مَثَلُ الَّذِي لَا يُتِمُّ الرُّكُوعَ، وَيَنْقُرُ فِي سُجُودِهِ مَثَلُ الجَائِعِ يَأْكُلُ التَّمْرَةَ وَالتَّمْرَتَيْنِ؛ لَا يُغْنِيَانِ عَنْهُ شَيْئًا»[٢٧٦]۔

ترجمہ: اس شخص کی مثال جو رکوع مکمل طریقے سے نہ کرے اور سجدے میں چونچ مارے، اس شخص کی طرح ہے، جو بھوکا ہو اور ایک دو کھجوریں کھالے۔ یہ دو کھجوریں اس کا کچھ بھلا نہیں کریں گی۔ (اسی طرح اس کی نماز اس کا کچھ بھلا نہیں کرے گی)۔

دوسری حدیث: حضرت حذیفہ کی حدیث ہم پیچھے پیش کرچکے ہیں، جس میں انھوں نے فرمایا کہ تم اپنے دین میں سب سے پہلے خشوع کو کھوؤ گے۔ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں ڈنڈی ماررہا ہے، یعنی ناقص طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے، رکوع اور سجدے کو اطمینان سے ادا نہیں کررہا ہے، تو فرمایا: تم کب سے اسی طرح نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا: چالیس سال سے۔ انھوں نے فرمایا: تم نے چالیس سال سے نماز نہیں پڑھی۔ اگر اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے تمھیں موت آجائے، تو تمھاری موت ملت محمدی پر نہیں ہوگی۔[٢٧٧] اس سے پتہ چلا کہ جس طرح نماز کے اندر خشوع کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح ہمارے نبی ﷺ نے خشوع ترک کرنے سے ڈرایا بھی ہے۔

---

(٢٧٦) ابو یعلی (٧١٨٤)، وابن خزیمہ (٦٦٥)، و طبرانی (١١٥/٤، ٣٨٤٠)، و بیہقی (٨٩/٢)۔
(٢٧٧) نسائی (١٣١٢)، بخاری (٧٩١)۔

اے بندگان خدا! اس وقت ذہنوں میں یہ سوال آرہا ہوگا کہ میں نماز میں کیسے خشوع اختیار کروں؟ اس لیے کہ خشوع تو اس امت سے اٹھ جائے گا۔ اور میں کیسے اس باقی جماعت میں شامل رہوں جو نماز میں خشوع اختیار کرنے والی ہے؟

تو میں عرض کرتا ہوں: اگر آپ نماز میں خشوع پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو یہ طریقے اختیار کیجیے:

پہلا طریقہ:

نماز کے لیے تیاری کرو۔ ہروقت ذہنی طور پر نماز کے لیے تیار رہو۔ اپنے دل کو نماز کے لیے فارغ رکھو، پھر جب وضوء کرو تو اچھی طرح وضوء کرو۔ اور جب نماز کے لیے جاؤ تو وقار وسکینت کے ساتھ جاؤ، جیساکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: «**إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَمْشُونَ وَلَاتَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ**»[۲۷۸]

ترجمہ: جب نماز کھڑی ہوجائے تو تم چل کر آؤ۔ تیز دوڑ کر نہ آؤ۔ یعنی اطمینان اور سکون کے ساتھ آؤ۔

دوسرا طریقہ: نماز اطمینان کے ساتھ پڑھو۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ اس طرح اطمینان سے نماز پڑھتے تھے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ واپس آجاتی تھی۔ جب آپ رکوع کرتے تو اطمینان سے کرتے۔ جب رکوع سے اٹھتے تو اطمینان سے اٹھتے اور

---

(۲۷۸) بخاري (۹۰۸)، ومسلم (۶۰۲)۔

جب سجدہ کرتے تو اطمینان سے کرتے، اور جب قراءت کرتے تو سمجھ کر پڑھتے۔

تیسرا طریقہ: اس طریقے کی طرف نبی ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو، تو تکبیر تحریمہ سے پہلے موت کو یاد کرلو۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہی طریقہ سکھایا ہے، آپ نے فرمایا: «**اذْكُرِ المَوْتَ فِي صَلَاتِكَ فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا ذَكَرَ المَوْتَ فِي صَلَاتِهِ لَحَرِيٌّ أَنْ يُحْسِنَ صَلَاتَهُ، وَصَلِّ صَلَاةَ رَجُلٍ لَايَظُنُّ أَنَّه يُصَلِّي صَلَاةً غَيْرَهَا**»(۲۷۹).

ترجمہ: نماز کے وقت موت کو یاد کرلیا کرو۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص اپنی نماز میں موت کو یاد کرلیتا ہے، تو وہ اس لائق ہوجاتا ہے کہ اس کی نماز زیادہ اچھی ہو۔ اور اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو یہ سمجھ کر نماز پڑھتا ہے کہ گویا یہ اس کی آخری نماز ہے۔

کیا اس سے بھی زیادہ واضح کوئی ارشاد اور کوئی بیان یا پیغام ہوسکتا ہے؟ کہ نماز کے وقت موت کو یاد کرلو اور اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو آخری نماز سمجھ کر پڑھ رہا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پھر آدمی اپنی نماز اچھے سے اچھے طریقے سے پڑھے گا۔ جیساکہ حدیث کے درمیانی الفاظ ہیں۔

ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں: ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے مختصر اورمفید نصیحت کیجیے۔ آپ

---

(۲۷۹) الزھد الکبیر (۵۲۷)، و الفردوس (۱۷۵۵)۔

ﷺ نے فرمایا: «إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ»(۲۸۰)

ترجمہ: جب تم نماز پڑھو تو آخری نماز پڑھنے والے کی طرح پڑھو۔

یہ کتنی واضح بات ہے!

چوتھا طریقہ: جو کچھ تم پڑھو یا امام پڑھے، اس کو سمجھو۔ اس لیے کہ جب تم سمجھو گے تو خشوع کی کیفیت پیدا ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ ءَامِنُواْ بِهِۦٓ أَوْ لَا تُؤْمِنُوٓاْ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْعِلْمَ مِن قَبْلِهِۦٓ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَيَقُولُونَ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۩ ﴿١٠٩﴾﴾ [الإسراء: ١٠٩-١٠٧].

ترجمہ: کہہ دیجیے تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ یقینا جب یہ ان لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، تو وہ تھوڑیوں کے بَل سجدے میں گرجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے، اور وہ روتے ہوئے تھوڑیوں کے بَل گرجاتے ہیں اور یہ چیز ان کے خشوع کو اور بڑھادیتی ہے۔

یہ بھی ایک طریقہ ہے خشوع پیدا کرنے کا۔ اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو خشوع کی یہ عظیم نعمت اسے حاصل ہوجائے گی۔

---

(۲۸۰) احمد (۵/۴۱۲)، وابن ماجہ (۴۱۷۱)۔ ۔

اس طریقے میں مندرجہ ذیل چیزوں کا اور بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے:

جو اذکار اور سورتیں آپ پڑھیں، ان میں تنوع پیدا کیجیے، یعنی انھیں بدل بدل کر پڑھیے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کئی سال سے میں نماز میں فلاں سورتیں اور فلاں آیتیں پڑھ رہاہوں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ سنت یہ ہے کہ آپ قراءت میں تبدیلی کرتے رہیں، تاکہ آپ کو خشوع کی نعمت حاصل ہو۔ مثال کے طور پر رکوع میں کبھی آپ کہیں: سبحانَ ربِّيَ العظيمِ. اور کبھی کہیں: سبحانَ ربِّيَ العظيمِ وبحَمْدِه. اور کبھی کہیں: سبُّوحٌ قدوسٌ ربُّ الملائِكةِ والروحِ. اور کسی نماز میں یہ کہیں: اللَّهُمَّ لَكَ ركَعْتُ، وبكَ آمَنْتُ، ولكَ أَسلَمْتُ، خشَعَ لكَ سَمْعي وبصَري ومُخِّي وعَظْمي وعصَبي، (اے اللہ! میں نے تیرے لیے رکوع کیا اور میں تجھی پر ایمان لایا، اور تیرے آگے ہی سرِ تسلیم خم کیا۔ میری سماعت ، میری بصارت، میرا دماغ، میری ہڈیاں اور میرے اعصاب؛ سب آپ کے آگے خم ہیں)۔ یہ دعائیں رکوع میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی طریقے ہوسکتے ہیں۔

جب نبی اکرم ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ «**أَوَّلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ الخُشُوعُ حَتَّى لَا يُرَى فِيهَا خَاشِعٌ**».

ترجمہ: اس امت سے سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا، حتی کہ نماز میں ایک بھی خشوع رکھنے والا نہ ہو گا، تو دراصل آپ ہمیں اس بات کی ترغیب دے رہے ہیں کہ ہم اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کریں۔

نماز میں خشوع پیدا کرنے کا ایک اور معاون طریقہ:

اگر آپ صرف اس طریقے پر عمل کرلیں تو اِن شاء اللہ آپ کو خشوع حاصل ہوجائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ خشوع پر ملنے والے اجر وثواب کو ذہن میں تازہ کرلیں۔ آپ صرف اس اجر کا احساس کرلیں جو ابھی کچھ دیر پہلے میں نے بیان کیا، یا جو اِس حدیث میں آرہا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا-آپ ذرا اس فرمانِ رسول ﷺ پر غور کریں اور اسے اپنے دلوں میں اسے جاگزیں کریں تاکہ اعضاء وجوارح میں ایک ہلچل پیدا ہو: «**إِنَّ العَبْدَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي أُتِيَ بِذُنُوبِهِ فَجُعِلَتْ عَلَى رَأْسِهِ وَعَاتِقِهِ، فَكُلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ**»«**إِنَّ العَبْدَ**»أيُّ عبدٍ «**أُتِيَ بِذُنُوبِهِ**»كلِّ الذنوبِ «**فَجُعِلَتْ عَلَى رَأْسِهِ وَعَاتِقِهِ، فَكُلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ ذُنُوبُهُ**»(٢٨١)

ترجمہ: جب بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کے گناہ لاکر اس کے سر اور کندھے پر رکھدیے جاتے ہیں، پھر جب وہ رکوع یا سجدہ کرتا ہے، تو وہ گناہ گر جاتے ہیں۔ یعنی جب بھی آپ رکوع کو یا سجدے کو ادا کریں اور اسے طویل کردیں، تو یہ سارے گناہ آپ کے سر اور کندھے سے جھڑ کر گرجاتے ہیں۔ ایسے ہی ہوگا اگر آپ نماز میں خشوع کا ارادہ کرلیں اور ان لوگوں میں شامل ہونے کا تہیہ کرلیں، جن کے بارے میں اللہ تعالی نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝١ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢﴾[المؤمنون: ٢-١].

ترجمہ: یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

---

(٢٨١) تعظیم قدر الصلاۃ (٢٩٤)، وابن حبان (١٧٣٤)، وشعب الایمان (١٠/٣)۔

(٢٤)

مَنْ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ فَأَحْسَنَ الوُضُوءَ ثُمَّ مَشَى إِلَى المَسْجِدِ فَهُوَ زَائِرُ اللهِ وَحَقٌّ عَلَى المَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ

اے بندۂ خدا! کیا تمھیں معلوم ہے کہ جب تم مسجد جاتے ہو تو گویا اللہ کے گھر میں اس کی زیارت کرنے جارہے ہو؟

اے اللہ کے بندے! کیا تم جانتے ہو کہ جب تم مسجد پہنچتے ہو تو تم اللہ کے گھر میں اس کے مہمان ہوتے ہو۔

اے خدا کے بندے ! کیا تمھیں علم ہے کہ جب تم مسجد آتے ہو تو اللہ تعالی تم سے ایسے خوش ہوتا ہے، جیسے کسی گم شدہ شخص کے گھر والے اس کی واپسی سے خوش ہوتے ہیں؟

اے اللہ کے بندے! کیا تمھیں علم ہے کہ جب تم مسجد جاتے ہو تو اللہ تعالی نے تمھارے لیے کیسی ضیافت، اکرام اورعطیات کا انتظام کررکھا ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں ہم حضرت سلمان فارسیؓ کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جسے طبرانی نے روایت کیاہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ

فَأَحْسَنَ الوُضُوءَ، ثُمَّ مَشَى إِلَى المَسْجِدِ - أَوْ قالَ: ثُمَّ أَتَى المَسْجِدَ- فَهُوَ زَائِرُ الله، وَحَقٌّ عَلَى المَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ»(۲۸۲).

ترجمہ: جس نے اپنے گھر میں اچھی طرح وضوء کیا، پھر وہ مسجد کی طرف چل کر گیا- یا یہ الفاظ فرمائے کہ پھر وہ مسجد آیا- تو دراصل وہ اللہ کی زیارت کرنے والا ہے۔ اور جس کی زیارت کی جائے اس پر حق ہے کہ وہ زیارت کرنے والے کا اکرام کرے۔

یہاں جس کی زیارت کو آیا ہے وہ اللہ کی ذات ہے، اور زیارت کرنے والا کوئی اور نہیں؛ بلکہ اے بندۂ خدا! وہ تم ہو۔ زیارت گاہ مسجد ہے جو زمین کے خِطّوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اسی لیے حضرت عمرو بن میمونؒ نے فرمایا ہے: صحابہ ٔرسول کہتے تھے کہ مسجدیں، زمین پر اللہ کے گھر ہیں۔ اور اللہ پر حق ہے کہ جو ان میں اس کی زیارت کرنے آئے اللہ اس کا اکرام کرے۔ (۲۸۳).

جو لوگ مسجد میں ہوتے ہیں، وہ اللہ کی ضیافت میں ہوتے ہیں۔ اس موقع پر ہمیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالی کے دسترخوان پر مسجد آنے والے کے لیے کون کون سے عطیے اور تحفے تحائف کی کیسی کیسی اقسام ہیں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے

---

(۲۸۲) المعجم الکبیر (۶/۲۵۳، ۶۱۳۹)، و ابن ابی شیبہ (۱۹/۱۸۹)، و الزھد (۲/۴۷۱) ۔

(۲۸۳) الزھد والرقائق (۲/۲)، و شعب الایمان(۲۶۸۲-۲۶۸۳).

ہیں: «مَنْ غَدَا إِلَى المَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَعَدَّ اللهُ لَهُ نُزُلَهُ فِي الجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ»(٢٨٤) ترجمہ: جو شخص صبح یا شام جب بھی مسجد میں آتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ضیافت تیار کر دیتا ہے، خواہ وہ صبح کو آئے یا شام کو۔

اللہ تعالی نے جو ضیافتِ اعزاز تیار کر رکھی ہے، اس میں کئی چیزیں ہیں:

پہلی ضیافت: قیامت کے دن کامل نور ملے گا:

اور یہ اس وقت ہوگا جب بندے کو اس نور کی سخت ضرورت ہوگی۔ اس لیے کہ قیامت کے دن سخت تاریکی ہوگی، خاص کر پل صراط پر، اور اس وقت بندے کو روشنی کی ضرورت ہوگی، تاکہ اسے اپنا راستہ نظر آئے۔ آپ ان لوگوں کو (بچشم تصور) دیکھیے جو دنیا میں (نماز پڑھنے کے لیے) تاریکی میں جاتے ہیں، کل قیامت کے دن اللہ تعالی انھیں مکمل نور عطا کرے گا۔

سننِ ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «بَشِّرِ المَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى المَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ القِيَامَةِ»(٢٨٥)

ترجمہ: جو لوگ تاریکیوں میں مسجد جاتے ہیں، انھیں قیامت کے روز مکمل روشنی ملنے کی خوش خبری سنا دیجیے۔

اس حدیث میں فجر اور عشاء کی نماز کے لیے جانے والے مراد ہیں؛ کیوں کہ

(٢٨٤) بخاری (٦٦٢)، ومسلم (٦٦٩)۔

(٢٨٥) ابن ماجہ (٧٨١).

تاریکی والی نمازیں یہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائیں، [وقت پر نہ پہنچیں] اور ان کے بارے میں کسی کو علم بھی نہ ہو، تو اسی لیے اللہ تعالی انھیں اعزاز واکرام وانعام کے دسترخوان سے نوازے گا اور انھیں نور عطا کرے گا۔

دوسری ضیافت: غلطیوں اور خطاؤں کا مٹنا۔

اللہ کے گھر میں گناہ اور خطائیں مٹادی جاتی ہیں۔ جی ہاں! خانۂ خدا میں یہ تمام مہلک غلطیاں مٹادی جاتی ہیں۔ اور اس بات کی خبر بھی ہمیں نبی ﷺ ہی نے دی ہے۔ آپ نے فرمایا: «**مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ مَشَى إِلَى بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ الله لِيَقْضِيَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ الله، كَانَتْ خُطْوَتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيئَةً، وَالأُخْرَى تَرْفَعُ دَرَجَةً**»(۲۸۶)، ترجمہ: جس شخص نے اپنے گھر میں وضوء کیا، پھر وہ اللہ کی طرف سے فرض کردہ کسی فرض کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف چل پڑا، تو اس کے ہر ایک قدم کے بدلے ایک غلطی مٹادی جاتی ہے اور دوسرے کے بدلے ایک درجہ بڑھا دیا جاتا ہے۔

جی ہاں، ایک قدم پر ایک غلطی مٹادی جاتی ہے اور دوسرے قدم پر ایک درجہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے اس بات کو سمجھ لیا تھا، اسی لیے وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے، تاکہ زیادہ سے زیادہ درجے بڑھالیں اور زیادہ سے زیادہ گناہ اور غلطی معاف کروالیں۔

---

(۲۸۶) مسلم (۶۶۶)۔

اسی مناسبت سے ایک حدیث اور ہے، جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور ذرا تھوڑی طویل ہے، اس کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: «**وَفِي نَقْلِ الأَقْدَامِ إِلَى الجَمَاعَاتِ**» يَعنِي: إلى المسجدِ «**وَإِسْبَاغُ الوُضُوءِ فِي المَكْرُوهَاتِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، وَمَنْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ، وَكَانَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ**»(٢٨٧)، ترجمہ: مسجد کی طرف قدم اٹھانا اور نا خوشگوار حالات میں بھی اچھی طرح وضوء کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہنا؛ جو شخص بھی ان چیزوں کی پابندی کرے گا، اس کی زندگی بھی خیر کے ساتھ گزرے گی اور اس کی موت بھی خیر والی ہوگی۔ اور وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوجائے گا جیسے اس دن تھا، جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

تو جماعت یعنی مسجد کے لیے قدم بڑھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا؛ قیامت کے دن مکمل نور کا اور گناہوں کی معافی کا سبب ہوگا۔

تیسری ضیافت: تمہارے لیے ملائکہ مسخر کردیے جائیں گے:

اے وہ شخص جو تردد کا شکار رہتا ہے اور یہ کہتا رہتا ہے کہ میں اکیلا پن محسوس کررہا ہوں، اس لیے کہ بعض لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ میں اکیلا پن محسوس کرتا ہوں، مجھے گھٹن کا احساس ہورہا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے ساری دنیا میرے خلاف ہو۔ تو ایسے خیالات رکھنے والوں سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ جب تم مسجد آوگے

---

(٢٨٧) احمد (١/٣٦٨)، و ترمذی (٣٢٣٤)۔

تو وہاں تم تنہا نہیں رہوگے، کیوں کہ فرشتے تمہارے لیے مسخّر ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ المَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، وَالمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِي مَجْلِسِهِ، يَقُولُونَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْلَهُ،اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ،اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ**»(۲۸۸).

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے، تو جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے، اسے نماز کے اندر ہی (مشغول) مانا جاتا ہے۔ اور جو اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعاء کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ ! اس پر رحم فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔

تو جب آپ اپنی جگہ بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتے ہیں، تو اللہ تعالی کی ایک ایسی عظیم مخلوق جو کبھی بھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتی ہے، وہ آپ کے لیے دعاء کرتے ہوئے کہتی رہتی ہے: اے اللہ! فلاں کی مغرت فرما۔ اے اللہ ! فلاں پر رحم فرما۔ اے اللہ! فلاں کی توبہ قبول فرما۔ جب تک نماز کھڑی نہیں ہوجاتی، وہ اسی طرح دعاء کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جیساکہ اوپر گزرا: «**وَالمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، يَقُولُونَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْلَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ**».

---

(۲۸۸) بخاری (۲۱۱۹)، ومسلم (۶۴۹/ ۲۷۲) ۔

ترجمہ: اور فرشتے تم میں سے اس شخص کے لیے دعاء کرتے ہیں جو اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ ! اس پر رحم فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔

بلکہ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ لِلْمَسَاجِدِ أَوْتَادًا» ترجمہ: مسجدوں کے بھی کھونٹے ہوتے ہیں۔ کھونٹوں سے مسجد آنے جانے والے مراد ہیں۔ آگے فرمایا: «الْمَلَائِكَةُ جُلَسَاؤُهُمْ، إِنْ غَابُوا يَفْتَقِدُونَهُمْ، وَإِنْ مَرِضُوا عَادُوهُمْ، وَإِنْ كَانُوا فِي حَاجَةٍ أَعَانُوهُمْ»[۲۸۹] ترجمہ: ایسے لوگوں کے ہمنشیں فرشتے ہوتے ہیں، جب وہ غیر حاضر ہوتے ہیں تو فرشتے انھیں تلاش کرتے ہیں، جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو ان کی عیادت کرتے ہیں، اور جب انہیں کوئی ضرورت پڑجاتی ہے، تو وہ ان کی مدد کرتے ہیں۔

تو آپ تنہا نہیں ہوتے؛ بلکہ فرشتے بھی آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اعزاز کی ضیافتوں میں سے یہ بھی ایک نعمت ہے۔

چوتھی ضیافت: یہ ضیافت کتنی عظیم ہے! جب بھی بندہ اس کے بارے میں سنے گا تو خوشی سے پھولے نہ سمائے گا۔ اور اس کی زبان پر حمد وذکر کے ترانے جاری ہوجائیں گے۔ سننِ ابو داود میں حضرت ابو امامہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۲۸۹) احمد (۲/۴۱۸)۔

«مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الحَاجِّ الْمُحْرِمِ» كلِّ فريضةٍ «وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الضُّحَى لَايَنْصِبُهُ إِلَّا إِيَّاهُ فأجره كأجر المعتمر»(۲۹۰)

ترجمہ: جو شخص با وضوء اپنے گھر سے فرض نماز کی نیت سے نکلا تو اس کا اجر احرام باندھے ہوئے حاجی کی طرح ہے۔ اور جو شخص چاشت کی نماز کے لیے نکلا اور اس کے بغیر کوئی اور مقصد نہ تھا تو اس کا اجر عمرہ کرنے والے کی طرح ہے۔

تو انسان اگر کسی بھی فرض نماز کے لیے نکلتا ہے تو اس کے لیے حاجی کے برابر اجر وثواب لکھا جاتا ہے اور جب وہ مسجد میں چاشت کی نماز کے لیے جاتا ہے تو اس کے لیے عمرہ کرنے والے کے برابر ثواب لکھاجاتا ہے۔

یہ رحمان کے چار دسترخوان ہیں، جو اس نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیے ہیں جو ذکر اور نماز سے اس کے گھر کو آباد کرتے ہیں۔ جی ہاں! یہ رحمان کی ضیافتیں ہیں: مکمل نور، گناہو ں اور خطاؤں کو مٹانا، فرشتوں کا اس کی خدمت کے لئے مامور ہونا، اور حاجی اور معتمر کے برابر اجروثواب۔

پانچویں ضیافت: یہ ایسی ضیافت ہے جو کسی کے خیال میں بھی نہیں آتی ؛ لیکن یہ اُس کریم ذات کی طرف سے ہے؛ بلکہ کوئی عقل اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی؛ لیکن یہ بھی رحمان کی ضیافتوں میں شامل ہے، اور اس شخص کے لیے ہے جو اس

---

(۲۹۰) سنن ابو داود (۵۵۸)، و احمد (۵/۲۶۸). ۔

کے گھر آتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی نبی ﷺ نے خبر دی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ رَاحَ»** يَعنِي: إلى المسجِدِ **«فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا»** انتهَتِ الصلاةُ **«أَعْطَاهُ اللهُ جَلَّ وَعَزَّ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَجْرِهِمْ شَيْئًا»**(۲۹۱)،

ترجمہ: جس نے اچھی طرح وضوء کیا پھر مسجد کی طرف نکل پڑا، اور جب پہنچا تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، یعنی جماعت ہوچکی ہے، تو اللہ تعالی اسے بھی ان لوگوں کے برابر اجر عطا فرمائیں گے جنھوں نے جماعت سے نماز پڑھی ہے۔ اور اس وجہ سے ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اے ہمارے رب! آپ کتنے کریم ہیں !! ایک شخص مسجد آتا ہے؛ اس لیے کہ اس کا معمول ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ اب وہ مسجد پہنچتا ہے۔ اور اس کے لیے اپنے قدم اٹھاتا ہے اور سارے اسباب اختیار کرتا ہے، لیکن اس کی جماعت چھوٹ چکی ہوتی ہے، تو بھی آپ اس کے لیے جماعت کا ثواب لکھتے ہیں! ان لوگوں جتنا ثواب جو اس جماعت میں شریک تھے اور جنھوں نے امام کے ساتھ آمین کہی اور اس کے ساتھ تکبیر کہی اور اس کے ساتھ سلام پھیرا۔ یہ ربِ کریم کا کتنا بڑا فضل ہے!

---

(۲۹۱) احمد (۲/۳۸۰)، وابو داود (۵۶۴)، و نسائی (۸۵۵)۔ ۔

اس لیے اگر ہمارے نبی ﷺ یہ فرماتے ہیں: «**فَحَقٌّ عَلَى المَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ**» ترجمہ: جس کی زیارت کی جائے، اس پر حق ہے کہ وہ زیارت کرنے والے کا اکرام کرے، تو یہ بھی اکرام کی ایک قسم ہے، جو رحمان ورحیم اپنے ان مہمانوں کو عطا کرتا ہے جو اس کے گھر میں اس کے پاس آتے ہیں۔

(٢٥)

أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ

اسلامی شریعت لوگوں کے دلوں کو جوڑنے کے لیے آئی ہے۔ اس نے لوگوں کے درمیان صلح کی کوشش کی حوصلہ افزائی کی ہے، اور اس پر بڑے اجروثواب کا وعدہ کیاہے؛ بلکہ اس کو سب سے افضل صدقہ، سب سے بڑی اطاعت اور اللہ کے قریب کرنے والی سب سے بڑی نیکیوں میں شمار کیا ہے۔

لوگوں کے درمیان صلح کرانا ایک عظیم عبادت ہے، جس کی بڑی اہمیت ہے اور جس میں بہت خیر ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَٱلصُّلۡحُ خَيۡرٌ﴾[النساء: ١٢٨].

ترجمہ: اور صلح کرلینا ہی بہتر ہے۔

لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا مطلب یہ ہے کہ لڑائی جھگڑے اور اختلاف وافتراق کے اسباب دور کیے جائیں، اور محبت والفت اور مودت کے اسباب پیدا کیے جائیں۔

صلح کرانا، اچھے کارناموں میں سرفہرست ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

إِنَّ المَكَارِمَ كُلَّهَا لَوْ حَصَّلْتَهَا   رَجَعَتْ كُلُّهَا إِلَى شَيْئَيْنِ
تَعْظِيمُ أَمْرِ اللهِ جَلَّ جَلَالُهُ   وَالسَّعْيُ فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ البَيْنِ(٢٩٢)

---

(٢٩٢) الوافی بالوفیات للصفدی (٢/١٦٧)۔

ترجمہ: اگر تم تمام اچھے کاموں کو حاصل کرنا چاہو، تو ان سب کا محور دوچیزیں ہیں۔ ایک اللہ جل جلالہ کے حکم کی تعظیم اور دوسری: آپس میں صلح صفائی کرانا۔

یہ حدیث بھی اسی جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ معجم کبیر میں طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلَاحُ ذَاتِ البَيْنِ» ترجمہ: سب سے افضل صدقہ؛ آپس کی صلح ہے۔(۲۹۳)

آپس کی اصلاح ایک عظیم عبادت اور عمدہ اخلاقی صفت ہے۔ اسے وہی سمجھ سکتا ہے جس کا دل کینے، حسد اور خود غرضی وخودپسندی سے پاک ہو۔

لوگوں کے درمیان صلح کرانا، ایک ایسی عبادت ہے، جس کی طرف اللہ تعالی نے رغبت دلائی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بہت سی آیتیں نازل ہوئی ہیں، جن میں سے اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: ﴿ مَّن يَشْفَعْ شَفَٰعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُۥ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَٰعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُۥ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾ ﴾ [النساء: ٨٥].

ترجمہ: جو اچھی سفارش کرے گا، اس کے لیے اس میں حصہ ہے۔ اور جو برائی کی سفارش کرے گا، اس کے لیے اس میں بوجھ ہے۔

(۲۹۳) المعجم الکبیر (۱۳/ ۲۰، ۳۱)۔

تفسیرِ بغوی میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اچھی سفارش لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ اور بری سفارش لوگوں کے درمیان ایک دوسرے کی چغلی کرنا ہے۔(۲۹۴)

سورۂ نساء کی ایک عظیم آیت میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾﴾[النساء: ١١٤].

ترجمہ: ان کی اکثر سرگوشیوں میں بھلائی نہیں ہے، ہاں کوئی صدقے کی بات یا بھلی بات یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی بات کہے، اور جو بھی اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے ایسا کرے گا، تو ہم آگے اس کو بڑے اجر سے نوازیں گے۔

سورۂ نساء میں ہی ارشاد ہے: ﴿وَإِن تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٢٩﴾﴾[النساء: ١٢٩].

ترجمہ: اور اگر تم موافقت و صلح کرلو اور پرہیزگاری کرو، تو بے شک اللہ تعالی بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

یہ ایک عظیم عبادت ہے، جس پر اللہ تعالی نے بڑا اجر وثواب رکھا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ

---

(۲۹۴) تفسیر البغوی (١/٦٦٨)۔

ٱلۡمُصۡلِحِينَ ﴿١٧٠﴾﴾ [الأعراف: ١٧٠].

ترجمہ: جو لوگ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، تو پھر ہم درستگی رکھنے والوں (اصلاح کرنے والوں) کے اجر کو بالکل ضائع نہیں کرتے ہیں۔

اگر آپ اس سلسلے میں حدیثوں کی طرف رخ کریں، تو ان میں بھی اس عبادت کی ترغیب ملے گی۔ اس بارے میں آپ ﷺ کا یہی ارشاد کافی ہے، جسے حضرت ابو درداء نے روایت کیا ہے: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟!» قالوا: بَلى. قالَ: «إِصْلَاحُ ذَاتِ البَيْنِ»(٢٩٥)

ترجمہ: آپ نے صحابہ سے پوچھا: کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزے، نماز اور صدقے کے درجے سے بڑھکر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ضرور ارشاد فرمائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپس کی صلح۔

تو آپس کی صلح اللہ کے نزدیک اجروثواب میں نفل نماز، نفل روزوں اور نفل صدقے سے بھی افضل ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ وَإِصْلَاحِ ذَاتِ البَيْنِ وَخُلُقٍ حَسَنٍ»(٢٩٦).

---

(٢٩٥) احمد (٦/٤٤٤)، وابو داود (٤٩١٩)، و ترمذی (٢٥٠٩)۔

(٢٩٦) شعب الایمان (١٠٥٨٠)۔

ترجمہ: نماز، آپسی صلح اور حسن اخلاق کے علاوہ انسان کا کوئی عمل افضل نہیں ہے۔

اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے جو حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوایوبؓ سے فرمایا: «يَا أَبَا أَيُّوبَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى عَمَلٍ يَرْضَاهُ اللهُ وَرَسُولُهُ؟!» قال: بَلى. قالَ: «تُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ إِذَا تَفَاسَدُوا، وَتُقَارِبُ بَيْنَهُمْ إِذَا تَبَاعَدُوا»(۲۹۷)۔

ترجمہ: اے ابو ایوب! کیا میں تمھیں ایسا عمل نہ بتاؤں جسے اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: جی، کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب لوگوں میں جھگڑا فساد ہوجائے، تو تم ان کے درمیان صلح کرادو اور جب ان میں دوری ہوجائے، تو قربت پیدا کردو۔

یہ ایک جلیل القدر عبادت ہے اور معاشرے کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ اس لیے کہ معاشرہ انسانی خصوصیات سے بندھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے بیٹے اور باپ کے درمیان، بھائی اور بھائی کے درمیان ، بیوی اور شوہر کے درمیان اور دوخاندانوں کے درمیان لڑائی جھگڑوں کی نوبت آہی جاتی ہے، اور اختلاف کے اسباب پیدا ہو ہی جاتے ہیں، ایسے موقع پر یہ عبادت اپنا کام کرتی ہے اور دلوں میں پائے جانے والی کدورتوں کو دور کردیتی ہے۔

اگر آپ ان مواقع پر غور کریں جن میں صلح کرانے کی ضرورت پڑتی ہے، تو ایسے مواقع بہت زیادہ ہیں۔

(۲۹۷) المعجم الکبیر (۸/۲۵۷، ۷۹۹۹)، مسند طیالسی (۵۹۹)، و مکارم الاخلاق (۳۸۷)۔

ان میں سرفہرست حاکم اور رعایا کے درمیان صلح کرانا ہے:

یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ امیر اور رعایا، حاکم اور محکوم کے درمیان صلح کرائے۔ وہ صلح کے بجائے امیر اور رعایا کے درمیان فساد پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ امیر اور رعایا کے درمیان فساد پھیلانے سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، موجودہ صورت حال اس پر گواہ ہے۔

اسی مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے بتایا: **«وَإِفْسَادُ ذَاتِ البَيْنِ هِيَ الحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ. وَلَكِنَّهَا تَحْلِقُ الدِّينَ»**[۲۹۸].

ترجمہ: آپس میں فساد پھیلانا (جھگڑا کرانا) مونڈنے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتا ہے؛ بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتا ہے (یعنی ختم کر دیتا ہے)۔

ذرا ان معاشروں کی حالت پر غور کرو جن میں امیر اور عوام، اور حاکم و محکوم کے درمیان اختلافات ہوئے، کہ کیسے وہ معاشرے دین سے محروم ہوگئے اور ان میں کتنے خطرناک فتنے رونما ہوئے۔

آپ کو تعجب ہوگا جب آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خود غرض لوگ، وہ اہل قلم بھی ہوسکتے ہیں، خطیب اور واعظ بھی، جو ہمیشہ محکوم کو حاکم اور رعایا کو امیر کے خلاف ورغلانے کا کام کرتے ہیں، اور زیادہ تر معاشرے کی برائیوں کے بارے میں

---

(۲۹۸) ترمذی (۲۵۰۹)۔

گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ کو اچھائی نظر نہیں آتی ہے۔ یہ طرز عمل صلح کرانے کی عبادت سے میل نہیں کھاتا۔ صلح کرانا تو یہ ہے کہ آپ دو مقابل لوگوں کے درمیان فرقت ونزاع کے اسباب دور کریں۔ جو شخص محکوم کو حاکم کے خلاف یا حاکم کو محکوم کے خلاف ورغلاتا ہے، وہ فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے ایسے شخص کو مُفسِد کہا ہے۔

اصلاح کا ایک میدان؛ دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صلح کرانا ہے:

کتنے ایسے بھائی ہیں، جن کی اپنے بھائیوں سے خصومت ہے، کتنے ایسے دوست ہیں، جن کی اپنے دوستوں سے لڑائی ہے! تو ان دو جھگڑا کرنے والوں کے معاملے میں پڑنا اور اصلاح کرانا؛ ایک عظیم عبادت ہے۔ حضرت انسؓ کے اس جملے پر غور کرو، کتنا شاندار جملہ ہے، فرمایا: جس نے دو لوگوں کے درمیان صلح کرائی، تو اللہ تعالی اس کے ہر کلمے کے بدلے اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب دے گا۔ «مَنْ أصلحَ بينَ اثنينِ أعطاهُ بكُلِّ كلِمةٍ عِتقَ رَقبةٍ»(۲۹۹) یعنی وہ صلح کرانے کے لیے جتنے کلمے (الفاظ) بھی استعمال کرے گا، تو اسے ہر لفظ کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

یہ ممکن نہیں کہ حضرت انسؓ نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہو۔ لازماً انھوں نے حضور ﷺ سے سنی ہوگی۔ اس قدر عظیم ثواب کی وجہ یہ ہوسکتی ہے

---

(۲۹۹) تنبیہ الغافلین (ص:۵۲۲)۔

کہا گر دونوں جھگڑا کرنے والے، اسی خفگی وناراضی کی حالت میں مرجائیں، تو یہ بڑی سنگین بات ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: «لَا تَحِلُّ الْهِجْرَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ» ترجمہ: تین دن سے زیادہ بول چال بند کرنا جائز نہیں۔

اے بھائی! اگر آپ ابھی تک اپنے بھائی، یا والدین، یا اولاد یا بیوی سے ناراض ہیں اور آپس میں بات بند ہے، تو اس حدیث پر غور کیجیے: «لَا تَحِلُّ الْهِجْرَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ؛ فَإِنِ التَقَيَا فَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا عَلَى الآخَرِ وَرَدَّ عَلَيْهِ الآخَرُ السَّلَامَ اشْتَرَكَا فِي الأَجْرِ، وَإِنْ أَبَى الآخَرُ أَنْ يَرُدَّ السَّلَامَ بَرِئَ هَذَا مِنَ الإِثْمِ، وَبَاءَ بِهِ الآخَرُ، وَإِنْ مَاتَا وَهُمَا مُتَهَاجِرَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي الجَنَّةِ»[۳۰۰]،

ترجمہ: تین دن سے زیادہ قطع کلامی جائز نہیں۔ پھر اگر دونوں کی ملاقات ہو اور ایک دوسرے کو سلام کرے، اور دوسرا سلام کا جواب دے دے، تو اجر میں دونوں شریک ہیں۔ لیکن اگر دوسرا جواب نہ دے توسلام کرنے والا گناہ سے بری ہے۔ سارا گناہ اُسی پر ہوگا۔ اور اگر دو قطع کلامی کرنے والوں کا اسی حالت میں انتقال ہوجائے تو وہ جنت میں بھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔

اے صلح کرانے والے! اگر آپ دو جھگڑا کرنے والوں کو اس مصیبت سے بچالیں، تو آپ کا یہ عمل بہت عظیم ہوگا اور آپ کو بڑا ثواب حاصل ہوگا۔

---

(۳۰۰) المعجم الاوسط (۸۹۳۰)، و مستدرک (۴/۱۶۳)۔

صلح کا ایک میدان؛ شوہر اور بیوی کے درمیان صلح کرانا ہے:

ایسا شخص بھی صلح کرانے والا مانا جائے گا، جوایک خاندان میں (شوہر اور بیوی کے درمیان) صلح کراتا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن میں کئی مواقع پر اس کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٣٥﴾ ﴾[النساء: ٣٥].

ترجمہ: اور اگر تمہیں ان دونوں کے آپس کے توڑ کا ڈر ہو تو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان سے کھڑا کرو، اگروہ دونوں اصلاح چاہیں گے، تو اللہ تعالی دونوں میں جوڑ پیدا فرمادے گا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا، پورا باخبر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾[النساء: ١٢٨].

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی جانب سے اکھڑے رہنے یا بے رخی کا ڈر ہو، تو اس میں ان دونوں کے لیے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ آپس میں کچھ صلح کرلیں، اور صلح کرلینا ہی بہتر ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِن تُصۡلِحُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورٗا رَّحِيمٗا﴾[النساء: ۱۲۹].

ترجمہ: اور اگر تم موافقت و صلح کرلو اور پرہیزگاری کرو، تو بے شک اللہ تعالی بہت معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

صلح کا ایک میدان وارثوں کے درمیان جھگڑے کے وقت صلح کرانا بھی ہے:

وراثت کے وقت جھگڑے کا سبب کبھی تو وصیت کرنے والا ہوتا ہے۔ ہم نے کتنی مرتبہ سنا ہے اور آپ نے بھی بارہا دیکھا ہوگا کہ میت کی تدفین سے پہلے ہی ترکہ کو لے کر جھگڑا ہوجاتا ہے۔ یعنی ابھی مرنے والے کو دفن بھی نہیں کیا گیا ہوتا ہے۔ اس کی نعش ان کے سامنے ہوتی ہے؛ لیکن ترکے کے حصوں کو لے کر ان کے درمیان جھگڑا ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنۡ خَافَ مِن مُّوصٖ جَنَفًا أَوۡ إِثۡمٗا فَأَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَآ إِثۡمَ عَلَيۡهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ١٨٢﴾[البقرة: ۱۸۲].

ترجمہ: ہاں جو وصیت کرنے والے کے بارے میں طرف داری یا گناہ کا اندیشہ کرے، پھر وہ ان (وارثین) میں صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالی مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفاتِيحَ لِلْخَيْرِ مَغَالِيقَ لِلشَّرِّ، وَإِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلشَّرِّ مَغَالِيقَ لِلْخَيْرِ، فَطُوبَى لِمَنْ جَعَلَ اللهُ مَفَاتِيحَ الخَيْرِ عَلَى يَدَيْهِ، وَوَيْلٌ لِمَنْ جَعَلَ اللهُ

مَفَاتِيحَ الشَّرِّ عَلَى يَدَيْهِ»[301]،

ترجمہ: کچھ لوگ خیر کی کنجی اور برائی کے قفل ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگ برائی کی کنجی اور خیر کے قفل ہوتے ہیں۔ تو اس شخص کے لیے بہت بڑی خیر ہے جس کے ہاتھ میں اللہ تعالی خیر کی کنجیاں رکھ دے، اور اس کے لیے ہلاکت ہے، جس کے ہاتھ میں اللہ تعالی شر کی کنجیاں رکھ دے۔

اس حدیث میں نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس شخص کو جو خیر کے دروازوں کی کنجی اور شر کے دروازوں کا قفل ہو، "طوبیٰ" یعنی خیر کثیر کی بشارت دی ہے۔

میں اس موقع پر اپنے بھائیوں سے، فرد کی سطح پر بھی اور سرکاری یا شہری تنظیموں کی سطح پر بھی یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہمارے معاشروں میں بھی اس طرح کی تنظیمیں ہونی چاہییں جو لوگوں کے درمیان صلح صفائی پر توجہ دیں۔ میری تمنا ہے کہ ہر ضلع میں لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے والی ایک تنظیم ہو، تاکہ ان مقدموں میں کچھ کمی آئے جو عدالتوں میں پیش ہوتے ہیں۔اور عدالت میں مقدمہ پہنچنے سے پہلے ہی اصلاحی تنظیم کے کارکن ان تک پہنچیں اور جھگڑا کرنے والوں میں صلح کرائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی اس کی طرف پہل کرے گا، خواہ انفرادی طور پر یا سرکاری سطح پر، جو بھی اس کام کی باگ ڈور سنبھالے گا، وہ اس خیر کثیر کا مستحق ہو گا، جس کی نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خوشخبری دی ہے۔

---

(۳۰۱) سنن ابن ماجہ (۲۳۷)۔

(٢٦)

إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ

جوامع الکلم کے اس مبارک سلسلے کی یہ حدیث بھی ہے جسے حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «**إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، لِيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ**»[(٣٠٢)].

ترجمہ: بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز وشاداب ہے۔ اور اللہ تعالی نے تمھیں اس میں خلیفہ بنایا ہے، تاکہ وہ یہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

دنیا گزرگاہ ہے، قیامگاہ نہیں۔

دنیا کی طرف وہی جھکتا ہے اور وہی اس سے خوش ہوتا ہے اور وہی اس سے دھوکے میں پڑتا ہے، جو اس کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے۔

دنیا آخرت کی سواری ہے۔ اگر آپ دنیا اور اس کی حقیقت سے واقف ہونا چاہتے ہیں، تو قرآن اور حدیثوں کو دیکھیے کہ دنیا کی حقیقت کے بارے میں بے شمار آیتیں اور احادیث موجود ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَآ إِلَّا لَعِبٞ وَلَهۡوٞۖ وَلَلدَّارُ ٱلۡأٓخِرَةُ خَيۡرٞ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ٣٢﴾ [الأنعام: ٣٢].

---

(٣٠٢) احمد (٣/٢٢)، و مسلم (٢٧٤٢)۔

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو کھیل تماشے کے سواء کچھ نہیں، اور آخرت کا گھر ہی پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے۔ پھر کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا مَثَلُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنزَلْنَٰهُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ فَٱخْتَلَطَ بِهِۦ نَبَاتُ ٱلْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ ٱلنَّاسُ وَٱلْأَنْعَٰمُ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَخَذَتِ ٱلْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَٱزَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قَٰدِرُونَ عَلَيْهَآ أَتَىٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَٰهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِٱلْأَمْسِ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَٱللَّهُ يَدْعُوٓا۟ إِلَىٰ دَارِ ٱلسَّلَٰمِ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾﴾ [یونس: ٢٥-٢٤].

ترجمہ: دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے اوپر سے پانی برسایا، تو اس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہوگیا، جس کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین اپنی سج دھج دکھاتی ہے اور وہ لہلہا اٹھتی ہے اور اس کے مالک سمجھ لیتے ہیں کہ اب وہ ان کے ہاتھوں میں ہے، تو رات میں یا دن میں ہمارا فیصلہ آپہنچتا ہے، بس ہم اس کو بھوسا بناکر رکھ دیتے ہیں، جیسے کل وہ کچھ تھی ہی نہیں۔ اسی طرح ہم آیتیں ان لوگوں کے کے لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، جو غوروفکر کرتے ہیں۔ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتاہے، اور جسے چاہتا ہے، سیدھے راستے پر چلا دیتا ہے۔

بعض لوگوں نے دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیا تھا، تو وہ اس سے بچ گئے اور اس کے

دھوکے میں گرفتار نہ ہوئے۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

إِنَّ لله عِبَادًا فُطَنَا طَلَّقُوا الدُّنْيَا وَخَافُوا الفِتَنَا
نَظَرُوا فِيهَا فَلَمَّا عَلِمُوا أَنَّهَا لَيْسَتْ لِدَارِ حَيٍّ سَكَنَا
جَعَلُوهَا لُجَّةً وَاتَّخَذُوا صَالِحَ الأَعْمَالِ فِيهَا سُفُنَا(۳۰۳)

ترجمہ: اللہ کے کچھ سمجھ دار بندے تھے جنھوں نے آزمائش کے خوف سے دنیا کو طلاق دیدی۔ انھوں نے دنیا کے بارے میں غور کیا، اور جب انھوں نے جان لیا کہ یہ کسی زندہ شخص کے لیے جائے سکونت نہیں ہے۔ تو انھوں نے اس کو سمندر سمجھا اور نیک اعمال کو اس کی کشتی بنالیا۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُسَبِيلٍ»، ترجمہ: دنیا میں ایسے رہو جیسے پردیسی یا مسافر۔

حضرت ابن عمر فرماتے تھے: جب شام ہو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اپنی صحت کو بیماری کے لیے اور اپنی زندگی کو موت کے لیے استعمال کرلو۔(۳۰۴)، یہی دنیا کی حقیقت ہے۔ اور یہ دینا اور جو کچھ اس یمں ستارے، کہکشائیں، نہریں، درخت، باغات اور شہر ہیں، یہ سب آخرت کے مقابلے

---

(۳۰۳) الصلة (ص:۵۴۵)، ووفیات الاعیان (۴/ ۲۶۲)۔

(۳۰۴) بخاری (۶۴۱۶)۔

میں کچھ بھی نہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: «وَالله مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلَّا كَرَجُلٍ وَضَعَ إِصْبَعَهِ فِي اليَمِّ»، أَيْ: في البحرِ «ثُمَّ رَجَعَتْ إِلَيْهِ فَمَا أَخَذَ مِنْهُ؟!»[(٣٠٥)]
ترجمہ: اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈالے، توکیا اس کا یہ عمل سمندر میں کچھ بھی کمی کرے گا!

دنیا گزرگاہ ہے۔ اور جو کچھ آج ہم لڑائی جھگڑے، ترکِ تعلق اور دنیا کی بھوک دیکھ رہے ہیں، یہ سب کچھ ایسی حقیر ومعمولی چیز کے لیے ہورہا ہے، جس کی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں جو آخرت میں اللہ تعالی کے پاس ہے۔

اور دنیا کے معمولی حصے کے فوت ہونے پر جو ہم حسرت وافسوس کا مشاہدہ کرتے ہیں، درحقیقت یہ دنیا کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

النَّفْسُ تَبْكِي عَلَى الدُّنْيَا وَقَدْ عَلِمَتْ   أَنَّ السَّلَامَةَ فِيهَا تَـرْكُ مَا فِيهَا
لَا دَارَ لِلْمَرْءِ بَعْدَ الموتِ يَسْكُنُهَا   إِلَّا الَّتِي كَانَ قَبْلَ الموتِ بَانِيهَا
فَإِنْ بَنَاهَا بِخَيْرٍ طَابَ مَسْكَنُهُ   وَإِنْ بَنَاها بِشَـرٍّ خَابَ بَانِيهَا[(٣٠٦)]

ترجمہ: یہ نفس دنیا پر آنسو بہاتا ہے حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ دنیا میں

---

(٣٠٥) احمد (٢٣٠/٤)، ومسلم (٢٨٥٨)۔

(٣٠٦) بغية الطلب فی تاریخ حلب (٤٠٧١/٩) الکشکول (٧٧/٢) ودیوان علی بن ابی طالب (ص:٢١٠) ۔

سلامتی اسی میں ہے کہ جو کچھ اس میں ہے اس سے ترک تعلق کرلیا جائے۔ مرنے کے بعد آدمی کے رہنے کے لیے وہی گھر ہوگا، جو اس نے موت سے پہلے بنایا ہوگا۔ اگر اس نے نیک عمل گھر بنایا ہوگا، تو اس کا گھر اچھا ہوگا۔ اور اگر برے عمل کے ذریعے بنایاہوگا، تو بنانے والا ناکام ونامراد ہے۔

خلیفہ ٔ راشد حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

سنو کہ دنیا تو پیٹھ پھیر کر چلی گئی اور آخرت آنے والی ہے۔ ہر ایک کے کچھ چاہنے والے ہیں۔ تو تم آخرت والے بنو، دنیا والے نہ بنو۔ آج عمل کا موقع ہے اور کوئی حساب کتاب نہیں۔ کل کو صرف حساب ہوگا، عمل کا موقع نہیں ہوگا۔[٣٠٧]

خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ ہمارے لیے دنیا کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں: سنو کہ دنیا کی زیب و زینت کی برقراری بہت قلیل مدت کے لئے ہے۔ دنیا میں جو معزز ہے، وہ ذلیل ہے۔ دنیا کا مال دار حقیقت میں فقیر ہے۔ اس میں جو جوان ہے، اسے بوڑھا ہونا ہے۔ جو زندہ ہے، اسے موت آنی ہے۔ تو جب تم جانتے ہو کہ وہ بہت جلد ختم ہوجائے گی، تو اس کے آنے سے دھوکے میں نہ پڑنا۔ اور سب سے بڑے دھوکے میں تو وہ ہے جو دنیا سے دھوکہ کھا جائے۔[٣٠٨]

---

(٣٠٧) بخاري (٨/٨٩) الزهد (١/٨٦، ٢٥٥)، و مصنف ابن ابی شیبہ(١٩/١٥٣)، وابو داود فی الزھد (١٠٦)۔

(٣٠٨) حلية الاولياء (٥/٢٦١- ٢٦٢)۔

حضرت عمرؓ ہی فرماتے تھے: دنیا کے وہ ملکیں کہاں چلے گئے جنھوں نے اس کے شہر بسائے تھے، نہریں کھودی تھیں اور جنھوں نے درخت لگائے تھے!!

إِنَّـمَا الـدُّنْـيَـا فَـنَـاءٌ لَـيْـسَ لِـلـدُّنْـيَـا ثُـبُـوتْ
إِنَّـمَا الـدُّنْـيَـا كَـبَـيْـتٍ نَـسَـجَـتْـهُـا لـعَـنْـكَـبُـوتْ
وَلَـقَـدْ يَـكْـفِـيـكَ مِـنْـهَـا أَيُّـهَـا الـطَّـالِـبُ قُـوتْ(۳۰۹)

ترجمہ: دنیا کو فناء ہے۔ دنیا کے حصے میں بقاء نہیں۔ دنیا کی مثال تو مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ اے دنیا کے طالب! تیرے لیے اس میں سے اتنا ہی کافی ہے جو بقدر ضرورت ہو۔

دنیا سے جو بھی محبت کرتا ہے اور اس پر فریفتہ ہوجاتا ہے، اسے دنیا کے ذریعے ہی عذاب ملتا ہے۔ دنیا کی جو محبت مذموم ہے، اس سے مراد ایسی محبت ہے جو آخرت سے محبت میں آڑ ہو۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَٱبْتَغِ فِيمَآ ءَاتَىٰكَ ٱللَّهُ ٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ ٱلدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَآ أَحْسَنَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ ٱلْفَسَادَ فِى ٱلْأَرْضِ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُفْسِدِينَ﴾[القصص: ۷۷].

(۳۰۹) تاریخ بیہقی، ص:۵۱۴، الکشکول، ۲/۱۷۲، مجانی الأدب، ۱/۱۳، یہ اشعار حضرت علی کے دیوان(ص:۵۴) میں بھی ہیں۔

ترجمہ: اور تمہیں اللہ نے جو دیا ہے، اس سے آخرت کی گھر کی طلب میں کرو اور دنیا میں سے اپنے حصہ نہ بھولو، اور جیسے اللہ نے تمھارے ساتھ بھلائی کی ہے، تم بھی دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو، اور زمین میں فساد مت چاہو۔ یقیناً اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔

لہذا دنیا کی ایسی چاہت جس میں آخرت کا نقصان نہ ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ دنیا میں اپنے والدین سے، اپنی بیوی سے، اپنی اولاد سے محبت کرسکتے ہیں۔ اس میں کھا پی سکتے ہیں اور اچھا لباس پہن سکتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ حلال طریقے سے ہو اور اسے آخرت پر ترجیح نہ دی گئی ہو۔ اگر آپ اپنی شہوت پوری کرنا چاہتے ہیں، تو شادی کرسکتے ہیں، اس لیے کہ یہ توانسان کی فطرت ہے۔ اللہ تعالی کاارشاد ہے: ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ ٱلشَّهَوَٰتِ مِنَ ٱلنِّسَآءِ وَٱلْبَنِينَ وَٱلْقَنَٰطِيرِ ٱلْمُقَنطَرَةِ مِنَ ٱلذَّهَبِ وَٱلْفِضَّةِ وَٱلْخَيْلِ ٱلْمُسَوَّمَةِ وَٱلْأَنْعَٰمِ وَٱلْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ وَٱللَّهُ عِندَهُۥ حُسْنُ ٱلْمَـَٔابِ ﴿١٤﴾ ۞ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ ٱتَّقَوْا۟ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَٰنٌ مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ ﴿١٥﴾ ﴾[آل عمران: ١٥-١٤].

ترجمہ: لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت خوش نما کردی گئی ہے، عورتوں کی اور بچوں کی اور ڈھیروں ڈھیر سونے اور چاندی کی اور نشان لگے ہوئے گھوڑوں

اور چوپایوں اور کھیتی کی، یہ دنیاوی زندگی سے لطف اٹھانے کے کچھ سامان ہیں اور بہترین ٹھکانہ صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجیے کیا میں تمھیں اس سے بہتر نہ بتادوں ان کے لیے جو تقوی اختیار کرتے ہیں، ان کے رب کے پاس وہ باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اور صاف ستھری بیویاں ہیں، اور اللہ کی طرف سے خوشنودی کا پروانہ ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

جس نے دنیا کی محبت کو آخرت کی محبت پر ترجیح دی، اور حرام کھایا، زنا کیا، حرام پہنا اور شراب پی اور حرام لین دین کیا، تو جس نے دنیا سے ایسی محبت کی، اس کی حالت دنیا میں بھی خراب ہے اور آخرت میں بھی خراب ہوگی۔ ارشاد باری ہے: ﴿ وَلَا تُعۡجِبۡكَ أَمۡوَٰلُهُمۡ ﴾[التوبة: ٨٥]

ترجمہ: ان کے مال پر آپ حیرت نہ کریں ۔

آپ دیکھئے کہ دنیا کی حالت ایسی ہی، پھر بھی لوگ اس میں مگن ہورہے ہیں۔ ارشاد ہے: **﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾[التوبة:٥٥].**

ترجمہ: تو ان کا مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دے، اللہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے، اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جان نکلے۔

دنیا سے محبت کرنے والے کو دنیا میں ہی عذاب دیا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ اسے دنیا کمانے میں تکلیف ہوتی ہے، پھر اس کے فوت ہونے پر بھی اسے تکلیف ہوتی ہے۔ اور پھر اسے اس کی قبر میں عذاب ہوتا ہے اور جب اس دنیا کی مال و دولت کا حساب ہوگا، تو اپنے رب سے ملاقات کے وقت بھی اس کو تکلیف و عذاب ہوگا۔

دنیا کی محبت کے تین خطرے ہیں۔ ان سے چوکنا رہیے-میں خود کو بھی متنبہ کرتاہوں اور آپ کو بھی-

جس شخص نے آخرت کے مقابلے میں دنیا سے محبت و تعلق قائم کیا، تو وہ تین خطرات کا شکار ہوتا ہے:

پہلا خطرہ: دائمی غم، لازمی فقر اور نہ ختم ہونے والی حسرت۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ**»، بخلافِ الأوَّلِ «**مَنْ كَانَتِ الآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ**»[۳۱۰]،

ترجمہ: جس نے آخرت کو اپنی فکر بنالیا، تواللہ تعالی اس کے دل میں بے نیازی ڈال دیتا ہے، اور اس کے ارادے مضبوط کردیتا ہے، اور دنیا اس کے پاس ناک

---

(۳۱۰) ترمذی (۲۴۶۵)۔

رگڑ کر آتی ہے۔ اور جو دنیا کو اپنی فکر بناتا ہے، تو اللہ تعالی اس کے فقر کو اس کے سامنے کردیتا ہے، اس کے ارادے کو منتشر کردیتا ہے، اور پھر بھی دنیا، اس کے پاس اسی قدر آتی ہے، جتنی مقدر ہوتی ہے۔

تو بندے کو ڈرنا چاہیے کہ جب جب بھی وہ آخرت کو چھوڑکر دنیا کی طلب میں پڑے گا، تو اسے یہ نقصانات ہوں گے: دائمی فقر، لازمی غم اور نہ ختم ہونے والی حسرت۔

دوسرا خطرہ:- اور یہ بڑا سنگین ہے-

جو شخص دین کے مقابلے دنیا کو ترجیح دیتے ہوئے اس سے مذموم محبت کرتا ہے، توس کا اس کی زندگی سے دینی اقدار ختم ہوجاتے ہیں، اور وہ تمام اصول ومبادی ہَوا ہوجاتے ہیں، جن کی وہ خود دعوت دیا کرتا تھا، پھر جب اس کے لیے دنیا سَج دھج گئی، تو وہ دنیا کے معمولی سامان کے بدلے اپنا دین بیچ ڈالتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**بَادِرُوا بِالأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا،أَوْيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا**»[٣١١]،

ترجمہ: تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے آنے سے پہلے پہلے [نیک] اعمال میں جلدی کرلو۔(ایک وقت آئے گا کہ) انسان ایمان کی حالت میں صبح کرے گا،

---

(٣١١) مسلم (١١٨) ۔

اور کفر کی حالت میں اس کی شام ہوگی۔ شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا۔ وہ دنیا کے معمولی سامان کے لیے اپنا دین بیچ دے گا۔

یعنی وہ اپنا دین اور اپنے اصول کا سودا کرلے گا۔ پہلے کبھی جس چیز کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ یہ حرام ہے، یہ ناجائز ہے، اب وہ اس بارے میں بات کرنا ہی چھوڑدے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کے لیے دنیا مزین کردی گئی، اور اسی حقیر دنیا کے عوض وہ اپنا دین بیچ دیتا ہے۔ یا ہوسکتا ہے کہ وہ دین کے نام پر، دینی لبادہ اوڑھ کر اور دینی بات کرکے، لوگوں کو دھوکہ دیتا رہے، اس لیے کہ لوگ دین سے اور دین داروں سے محبت کرتے ہیں۔

اسی لیے حضرت فضیل بن عیاضؒ نے ایک بڑی شاندار بات ارشاد فرمائی ہے: اگر میں بانسری اور ڈھول کے ذریعے دنیا کماناً مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ دین کے ذریعے دنیا کماؤں۔ (۳۱۲)؛انھوں نے یہ بات اسی لیے کہی کہ انھیں اس معاملے کی سنگینی کا ادراک و شعور تھا۔

اسی لیے ایک موقع پر امام مالک اپنے استاذ ربیعہ الرائیؒ کے سامنے کھڑے تھے، تو ان کے استاذ نے ان سے پوچھا: بے وقوف کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو اپنے دین کے ذریعے سے کمائے۔ انھوں نے پوچھا: بے وقوفوں کا بے وقوف کون ہے؟

---

(۳۱۲) شعب الایمان (۶۵۳۰)۔

فرمایا: جو اپنا دین خراب کرکے دوسروں کی دنیا بنائے۔ [۳۱۳].

بہر حال، عقل مند وہی ہے جو دنیا کی حقیقت کے سلسلے میں وارد آیات واحادیث کا مطالعہ کرے، تاکہ وہ دنیا میں سے اسی قدر لے جو صحیح اور درست ہے، تاکہ دنیا اسے ہلاکت اور فتنوں میں مبتلا نہ کردے۔

تیسرا خطرہ:

دنیا کو اپنا مقصد بنانے سے بچو، خاص کر ان چیزوں میں جن کے ذریعے تم اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہو۔ لہذا جب نماز پڑھو تو دنیا کو مقصد نہ بناؤ۔ جب صدقہ کرو یا زکوۃ دو، تو دنیا کو مقصد نہ بناؤ۔ جب تقریر کرو، اذان دو، امامت کرو، وعظ کہو یا تربیت کرو، تو بھی دنیا کو اپنا مقصد نہ بناؤ۔ ایسے ہی جب کسی کے لیے مسکراؤ، تو دنیا کو مقصد نہ بناؤ۔ اس لیے کہ دنیا مقصد بننے کے لائق ہی نہیں ہے۔ وہ تو فقط مقصد اصلی آخرت کی سواری ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿عَجَّلْنَا لَهُۥ فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُۥ جَهَنَّمَ يَصْلَىٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ﴾[الإسراء: ١٩-١٨].

ترجمہ: جو بھی دنیا کا طالب ہوتا ہے، تو ہم اس میں سے جو چاہتے ہیں، جس کے لیے چاہتے ہیں، فوری طور پر اس کو دے دیتے ہیں، پھر ہم نے اس کے لیے

---

(۳۱۳) معجم ابن المقری (۴۷۲)، و شعب الایمان (۶۵۳۳) ۔

جہنم طے کر رکھی ہے، جس میں وہ ذلیل وخوار ہو کر جا گھسے گا۔ اور جو آخرت کا طلب گار ہو اور اس نے ایمان کے ساتھ اس کے لیے ویسی کوشش کی جیسی کرنی چاہیے تو ایسوں کی کوشش یقیناً ٹھکانے لگی ہے۔

اس لیے بندے کو چاہیے کہ دنیا کی حقیقت سے واقف ہو اور ان تینوں خطرات کو اچھی طرح سمجھ لے، تا کہ ان سے بچ سکے۔

(۲۷)

إِنَّ الكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الفُجُورِ

جوامع الکلم کے سلسلے کی حدیث ہمارا آج کا موضوع سخن ہے، جسے امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ہے: نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «وَإِنَّ الكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الفُجُورِ، وَإِنَّ الفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا»[۳۱۴] ترجمہ: جھوٹ گناہ (فجور) کی طرف لے جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ خدا کے ہاں اسے جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

جھوٹ گھٹیا عمل، بری صفت، نفاق کی عادتوں میں سے ایک عادت اور کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

جھوٹ حقیقت کے خلاف خبر دینے کو کہتے ہیں، چاہے وہ خبر قول کے ذریعے ہو، یا فعل کے ذریعے ہو، یا اشارہ کے ذریعے ہو، یا لکھ کر ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہو۔

جھوٹ ایک کام ہے، اور یہ کام جھوٹے انسان کا ہے، لہذا جھوٹے کا کام حقیقت کو بدلنا، حقائق کی جعل سازی کرنا اور وہم بیچنا ہے۔

---

(۳۱۴) بخاری (۶۰۹۴)، و مسلم (۲۶۰۷)۔

دروغ گو کی طرف نہ تو کوئی مائل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے پاس بیٹھتا ہے، سوائے اس کے جو اسی جیسا جھوٹا ہوتا ہے، اسی لیے خود دار، فطرتِ سلیمہ رکھنے والے اور سچے لوگ جھوٹے لوگوں کو پسند نہیں کرتے، اسی لیے اہلِ عرب نے بہت پہلے ہی کہہ دیا تھا: جو سچ کم بولتا ہے اس کے دوست کم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اس کی تصدیق وہی کرتا ہے جو اس جیسا ہوتا ہے، جیسے کہ کہاوت ہے: «جنس با ہم جنس پرواز، کبوتر با کبوتر، باز با باز»۔

اس امت میں دروغ گو بہت بڑی مصیبت ہے، اور خاص طور پر جب امت کی ضروریات اور اس کی مصلحتیں اسی سے متعلق ہوں، اسی لیے یہ مثل بھی مشہور ہے کہ: «جھوٹے سے اپنی ضروریات نہ مانگو، کیوں کہ وہ انہیں قریب کردے گا اگرچہ حقیقت میں وہ دور ہوں، اور وہ انہیں دور کردے گا اگرچہ حقیقت میں وہ قریب ہوں.»

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے سربراہان مملکت کو خطوط لکھا کرتے تھے جو آج بھی محفوظ ہیں، وہ اس خطوط میں اپنے سربراہان کو لکھتے: جھوٹے سے مدد طلب کرنے سے گریز کرنا کیوں کہ اگر تم اس کی پیروی کروگے تو برباد ہوجاوگے۔[۳۱۵]

ہمارے سماج، معاشرے میں معاملات میں، اور ہماری روز مرہ کی زندگی میں جھوٹ کی متدد صورتیں ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۳۱۵) مساویٔ الاخلاق (۱۴۱)۔

پہلی شکل: اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق جھوٹی بات منسوب کرنا

لہذا وہ انسان جو کسی حلال چیز کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ حرام ہے، تو وہ شخص اللہ پر جھوٹ بولتا ہے، جو شخص کسی حرام چیز کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ حلال ہے تو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے، دلیل سورہ نحل کی وہ آیت ہے جسے ہم سب پڑھتے ہیں، ارشاد باری ہے: ﴿وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾﴾[النحل: ١١٦]

ترجمہ: اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹی باتیں بناتی ہیں، ان کے بارے میں یہ مت کہا کرو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو گے۔ یقین جانو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔

تو جو لوگ کسی مرد یا عورت کو راضی کرنے کے لیے شریعت کو بدلتے ہیں اور شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، تاکہ کچھ دنیوی ساز و سامان حاصل کرلیں اور تاکہ قربت حاصل کریں پھر وہ احکام کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور یہ ممکن ہے اور یہ جائز ہے، حالانکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے، تو ایسے لوگ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں، جو لوگ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَيَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ تَرَى ٱلَّذِينَ

كَذَبُواْ عَلَى ٱللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾
[الزمر: ٦٠]

ترجمہ: اور قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، ان کے چہرے سیاہ پڑے ہوئے ہوں گے۔ کیا ایسے متکبروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہو گا؟

یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حالانکہ وہ جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں یا انہیں معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں، موجودہ دور میں ہمیں ایسے وسائل سے آزمایا جا رہا ہے جو ہمارے لیے حقیقت میں نعمت ہیں، مگر ہم نے اسے زحمت بنا لیا، بھیجنے والا کہتا ہے: اس خبر کو شیئر کرو کیوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے منقول حدیث ہے، حالاں کہ وہ حدیث جھوٹی ہوتی ہے یا موضوع ہوتی ہے یا منکر ہوتی ہے، پھر وہ اسے شئیر کر دیتا ہے، خاص طور پر جب بھیجنے والا یہ لکھتا ہے کہ تم نے اگر اس پیغام کو ارسال نہ کیا تو قیامت تک یہ تمہارے ذمہ امانت رہے گی!۔

صحیح بخاری میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ**»[٣١٦] ترجمہ: بیشک مجھ پر جھوٹ باندھنا

(٣١٦) بخاری (١٢٩١)، و مسلم (٤) ۔

کسی اور شخص پر جھوٹ باندھنے جیسا نہیں ہے، جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس لیے جب تک آپ کو علم نہ ہو یہ نہ کہو کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، اور اس حدیث کو آگے نہ بھیجو جب کہ تمہیں اس کے صحیح ہونے کا علم نہ ہو، اس سے تمہیں کچھ نقصان نہیں ہو گا، لیکن اگر تم نے اسے آگے بھیج دیا اور یہ جھوٹی حدیث ہو تو بہت بڑا نقصانہو گا .

اکثر بدعتی لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ حدیث جھوٹی ہے پھر بھی کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد امت کی اصلاح ہے، سبحان اللہ! کچھ تو یہ بھی کہ دیتے ہیں: ہمیں معلوم ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، ہمیں معلوم ہے کہ یہ بدعت کے دائرے میں آتا ہے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کبھی نہیں کیا ہے، لیکن ہمارا مقصد اصلاح ہے، کرتے ہوئے بے راہ روی اور گمراہی سے امت کو دور رکھنا ہے۔

میں کہتا ہوں: استغفر اللہ ! رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھ کر انت کی اصلاح ! جبکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ**» ترجمہ: بیشک مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی اور پر جھوٹ باندھنے جیسا نہیں ہے، جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ پہلی صورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی ہے۔

دوسری صورت: خرید و فروخت میں جھوٹ

خرید و فروخت کے وقت جھوٹ بولنے کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں، امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جھوٹی قسم. یعنی قسم کھاتے ہوئے یہ کہنا: بخدا یہ مال مجھے اتنے ہی میں ملا ہے، بخدا بالکل یہ چیز صحیح سلامت ہے، بخدا میں نے یہ اتنے میں خریدا ہے، حالاں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: «اليَمِينُ الكَاذِبَةُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلْكَسْبِ» ترجمہ: جھوٹی قسم سے سامان تو بک جاتا ہے مگر روزی کو ختم کر دیتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جھوٹی قسم سے کی جانے والی خرید و فروخت سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ» ترجمہ: جس نے جھوٹی قسم سے کسی مسلمان کا حق مار لیا، یعنی وہ قسم کھا کر جھوٹی گواہی دیتا ہے، لوگ اس سے کہتے ہیں کہ ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ تم یہ گواہی دو کہ فلاں کے انتقال کے وقت اس کی ایک ہی بیوی اس کی نکاح میں تھی، جبکہ حقیقت میں اس کی دو بیویاں تھیں، لوگ کہتے ہیں: جھوٹی گواہی دو تو وہ گواہی دے دیتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ» ترجمہ: جس نے جھوٹی قسم سے کسی مسلمان کا حق مار لیا تو «فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الجَنَّةَ» ترجمہ: اللہ نے اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیا ہے اور اس پر جنت

کو حرام کر دیا ہے۔ کسی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول، اگرچہ وہ کوئی معمولی چیز ہی ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا: «وَإِنْ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ»(٣١٧) ترجمہ: اگرچہ وہ مسواک کا کوئی ٹکڑا ہی ہو، اللہ نے اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیا ہے اور جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے۔

بخاری میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «البَيِّعَانِ بِالخِيَارِ» يَعنِي: البائِع والمُشتَرِي «مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»(٣١٨) ترجمہ: بیچنے اور خریدنے والے کو جب تک وہ جدا نہ ہوں (معاملہ توڑ دینے کا) اختیار ہے ۔ اگر دونوں نے سچائی اختیار کی اور بات صاف صاف واضح کر دی تو انہیں ان کی خرید وفروخت میں برکت ہوتی ہے اور اگر انہوں نے جھوٹی باتیں بنائیں اور (کسی عیب کو) چھپایا تو تھوڑا سا نفع شاید وہ کما لیں ، لیکن ان کی خرید وفروخت میں برکت نہیں ہو گی۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ»، قالَ أبو ذرٍّ ؓ: يا رَسولَ الله خابوا وخسِروا، مَنْ هُم يا رَسولَ اللهِ؟ قالَ: «المُسْبِلُ،

(٣١٧) مسلم (١٣٧) ۔

(٣١٨) بخاری (٢٠٧٩)، ومسلم (١٥٣٢) ۔

وَالمَنَّانُ، وَالمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالحَلِفِ الكَاذِبِ»[۳۱۹] ترجمہ: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا، نہ انہ کی طرف نظر رحمت فرمائے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہو گا، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اۓ اللہ کے رسول ﷺ وہ کون لوگ ہیں ؟جو نامراد اور خسارے میں رہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: " ٹخنے سے نیچے تہ بند لٹکانے والا،احسان جتانے والا، اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

اس کے بارے میں احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں اوریہ جھوٹ کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔

تیسری شکل: لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا

پرانے زمانے میں محفلیں چھوٹی ہوا کرتی تھیں، تو انسان اپنے ساتھ محفل میں شریک دس ساتھیوں کو ہنسالیتا ہو گا، لیکن آج کل اِدھر جھوٹ بولا جاتا ہے اور اُدھر پوری دنیا میں اس کا چرچہ شروع ہو جاتا ہے، تاکہ وہ اپنے لاکھوں اور کروڑوں فالورز کو انٹرنیٹ کے وسیلے سے ہنسائے، اسی لیے انسان جھوٹ بول دیتا ہے، کبھی کبھار اپنے ٹویٹز میں جھوٹ بولتا ہے یا ڈرامائی انداز میں جھوٹ بولتا ہے، اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو ہنسائے۔

ہمارے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَيْلٌ» هذه الويلُ الأُولَى «لِلَّذِي

---

(۳۱۹) مسلم (۱۰۶) ۔

يُحَدِّثُ بِالحَدِيثِ لِيُضْحِكَ بِهِ القَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ»(۳۲۰) ترجمہ: ہلاکت ہو اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کی غرض سے جھوٹ بولتا ہے، ہلاکت ہو، ہلاکت ہو۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ ہلاکت والی وعید کو اس شخص کے لیے دہرایا جو یہ کہتا ہے کہ ہمارا مقصد صرف ہنسانا اور اپنے دل بہلانا ہے، ایسے شخص سے کہا جائے کہ ہنساو اور خوب مذاق کرو مگر جھوٹ مت بولو، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالحَدِيثِ لِيُضْحِكَ بِهِ القَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَهُ! وَيْلٌ لَهُ!» ترجمہ: ہلاکت ہو اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کی غرض سے جھوٹ بولتا ہے، ہلاکت ہو ہلاکت ہو۔

کچھ علماء کہتے ہیں: "ویل" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، جس میں اگر دنیوی پہاڑ رکھ دیا جائے، تو وہ اس کی حرارت سے پگھل جائے گا، یہ سزا اس شخص کی ہے جو کسی کو ہنسانے کے لئے محفل میں یا انٹرنٹ وغیرہ پر جھوٹ بولتا ہے۔

چوتھی شکل: ہر سنی سنائی اور پڑھی ہوئی بات آگے کہہ دینا

ہر وہ چیز جس پر نظر پڑے اسے بیان کر دیتا ہے، اور اس سنی ہوئی بات کی سچائی کا تیقن بھی نہیں کرتا ، اور وہ یہ بھی نہیں سوچتا ہے کہ میری اس بات سے [چاہے وہ حق بات ہی کیوں نہ ہو] حقیقۃً کوئی مفاد وابستہ بھی ہے؟۔

ہمارے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «كَفَى بِالمَرْءِ كَذِبًا» سمّاه كذبًا «أَنْ

---

(۳۲۰) احمد (۵/۵)، و ابو داود (۴۹۹۰)، و ترمذی (۲۳۱۵) ۔

يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ »[۳۲۱] ترجمہ: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کہدے۔ لہذا ہر سنی سنائی بات بیان نہ کرو اور کسی بات کے شروع میں تمہارا یہ لکھ دینا کہ "جیسا کہ مجھے بات پہنچی ہے" تمہیں غفلت میں نہ رکھے، کیوں کہ صرف یہ لکھ دینے سے گناہ کم نہیں ہوجاتا اور نہ ہی گناہ سے تم بچ جاوگے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم جو بات سُن کر لوگوں تک پہنچارہے ہیں، اس سے کبھی لوگوں کی عزت پر حرف آ جاتا ہے، امن عالم تباہ ہو جاتا ہے اور معاشرے کو نقصان پہنچتا ہے، تم اسے کیوں دوسروں تک پہنچا رہے ہو؟ تم کیوں چاہتے ہو کہ تمہیں سبقت ملے؟

خصوصاً آج کے دور میں لوگ پہلے ہی سے چارج شدہ ہیں، اور بعض ایسے بھی لوگ ہیں جن کا کام ہی لوگوں کو چارج کرنا اور انہیں بے چین رکھنا ہوتا ہے، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ انہیں پریشان رکھا جائے، چنانچہ یہ لوگ غلط پیغامات گڑھتے ہیں۔ ایسے پیغامات اِس شخص تک پہنچتے ہیں اور وہ انہیں دوسروں کو بھیجنے لگتا ہے۔ ایسے شخص سے میں کہتا ہوں: اسے مت بھیجو، اپنے تک ہی اس کو محدود رکھو اور اپنے پاس ہی اس کو دفن کردو، کیوں کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے۔

پانچویں شکل: خاندانی حسب و نسب میں جھوٹ بولنا

---

(۳۲۱) مسلم (۵)۔

یہ بھی جھوٹ کی ایک صورت ہے کہ کوئی یہ کہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، یا یہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے، یا یہ کہے کہ میں اس قبیلے سے ہوں، یا یہ میرے قبیلے سے ہے۔

اپنے آباء و اجداد اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی جھوٹ کی ایک شکل ہے، دور حاضر میں کھلّم کھلا نسبوں کا کھلواڑ کیا جا رہا ہے، اور ہمارے لئے بڑی آزمائش کی بات یہ ہے کہ ہمارے دانا لوگ اس مسئلے پر خاموش ہیں، بلکہ انہیں خوشی ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دو تین نسلوں کے بعد ہمارے نسب خلط ملط ہو جائیں گے۔ اور یہ ایک بڑی مصیبت ہو گی، اور آج اس کے بارے میں خاموشی بھی مصیبت ہے، حاکم جب چپ ہو جاتا ہے، تو گنہگار ہوتا ہے، اور اگر تم مجھ سے یہ پوچھو کہ اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ تو میرا جواب یہ ہے: اس کے بارے میں احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں اور سب کے سب نسبوں کی تبدیلی کو روکنے کی ترغیب دیتی ہیں:

پہلی حدیث:

مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ» ترجمہ: جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کا دعوی کرے اسے جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی، [اس حدیث کے ضمن میں وہ حاکم بھی شامل ہے، جو تبدیلئ نسب کی اجازت دیتا ہے] «وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ

قَدْرِ سَبْعِينَ عَامًا، أَوْ مَسِيرَةِسَبْعِينَ عَامًّا»[۳۲۲] ترجمہ: اور اس کی خوشبو ستر سال کے بقدر یا ستر سال کی مسافت سے آئے گی، یعنی وہ ستر سال تک جنت کی خوشبو نہیں پائے گا، تو جو شخص کسی مجہول النسب بچے کو لے کر اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ فلاں بن فلاں ہے یا وہ کسی ایسے قبیلے کی طرف نسبت کرتا ہے جس میں سے وہ نہیں ہے تو یہ حدیث اس پر بھی لاگو ہوگی۔

دوسری حدیث:

صحیح بخاری میں ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، وَهُوَ يَعْلَمُ فَالجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ**»[۳۲۳] ترجمہ: جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کا دعوی کرے حالاں کہ اسے حقیقت معلوم ہو، تو اس پر جنت حرام ہے۔پتا چلا تمہیں اس خطرے کا؟ "جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی"، مثال کے طور پر کوئی یہ گواہی دے یا یوں کہے کہ: یہ ہمارے ساتھ کا ہے، تو اس سے بھی نسب خلط ملط ہوکر برباد ہوجاتے ہیں ۔

تیسری حدیث:

یہ کتنی سبق آموز حدیث ہے، سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف

---

(۳۲۲) احمد (۲/۱۷۱) ۔

(۳۲۳) بخاری (۴۳۲۶- ۴۳۲۷)، ومسلم (۶۳) ۔

کی۔ بعض لوگ اپنے ملک شہروں کے قانون کے خلاف حیلے تلاش کرتے ہیں، اور نام کے ساتھ اپنے چچایا اپنے ماموں کا نام لکھ لیتے ہیں، تاکہ یہ ثابت ہو کہ یہی ان کا باپ ہے، اور اس طرح سے یہ لوگ موجودہ قانون کے خلاف حیلے تلاش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «**مَنِ انْتَسَبَ إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالمَلَائِكَةِوَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ**»(۳۲۴) ترجمہ: جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی یا اپنے مالک کے علاوہ کسی اور کو مالک بنالیا، تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اللہ، فرشتے اور تمام لوگوں کی پے درپے لعنت میں زندگی گزارتا ہے۔

جھوٹ کی متعدد شکلیں ہیں، عقلمند وہی ہے جو ان تمام صورتوں سے اپنے آپ کو بچالے، اور اللہ رب العزت سے دعاء کرے کہ ہم سچے لوگوں میں سے ہو جائیں۔

---

(۳۲۴) احمد (۳۲۸/۱)، وابن ماجہ (۲۶۰۹) ۔

(۲۸)

الدُّعَاءُهُوَالعِبَادَةُ

ہر مصیبت کے مارے، پریشان اور غمگین کے لئے نداءہے۔

ہر مریض اور پریشانی میں مبتلاء شخص، ہر ضرورتمند اور مسکین کے لئے نداءہے۔

ہر اس شخص کے لئے جس کے لئے راستے تنگ ہوگئے اور دروازے بند ہوگئے۔

ان سب کے لئے میری صدا ہے:

ارشاد باری ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾[البقرة:١٨٦]

ترجمہ:اور (اے پیغمبر) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجیے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔

ان سب کے لئے میری یہ صدا ہے:

ارشاد باری ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[غافر: ٦٠]

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

ان سب کے لئے میری یہ صدا ہے:

وہ رسول ﷺ جو اپنی خواہش سے نہیں بولتے ان کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَةٌ»أَيْ: حاجةٌ وعوزٌ «فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللهِ فَيُوشِكُ اللهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْآجِلٍ»[۳۲۵] ترجمہ: جو شخص فاقہ کا شکار ہو اور اس نے لوگوں سے بیان کرتا پھرے تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہو گا ، اور جو فاقہ کا شکار ہو اور اللہ تعالی سے التجا کرے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیر یا سویر روزی دے۔

جوامع الکلم کے سلسلے میں سنن ابوداود کی وہ حدیث ہمارا موضوع سخن ہے جسے نعمان بن بشیر نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے: «الدُّعَاءُ هُوَ العِبَادَةُ»[۳۲۶] ترجمہ: دعاء ہی عبادت ہے۔

دعاء ایسی عبادت ہے جس میں بندہ اللہ سے قربت حاصل کرتا ہے، جب تم دعاء کرتے ہوئے « یا اللہ « کہتے ہو اور اپنی حاجت کا سوال کرتے ہو اور جو چاہتے ہو مانگتے ہو تو اس وقت تم اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہو.

دعاء کے اسباب ہیں:

ایک سبب یہ ہے کہ اس سے بلاء ٹال دی جاتی ہے اور فیصلے بدل دیئے جاتے

(۳۲۵) ترمذی (۲۳۲۶) ، و احمد (۱/۴۰۷)، و ابو داود (۱۶۴۵) ۔

(۳۲۶) احمد (۴/۲۶۷)، وابو داود (۱۴۷۹)، و ترمذی (۲۹۶۹)، وابن ماجہ (۳۸۲۸) ۔

ہیں، کیوں کر نہ ہو جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ**»[۳۲۷] ترجمہ: قضاء و تقدیر کو دعاء کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ٹالتی۔

بلکہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: «**إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ الله بِالدُّعَاءِ**»[۳۲۸] ترجمہ: دعاء اس مصیبت میں نفع بخش ثابت ہوتی ہے جو نازل ہوچکی اور اس میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی تو اے اللہ کے بندو دعاء کو لازم پکڑو۔

ایک سبب یہ ہے کہ دعاء اللہ کے نزدیک عظیم عبادت ہے، کیوں کہ جب اللہ تمہاری آواز کو دعاء کرتے ہوئے سنتا ہے، اور تم اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتے ہو، تو یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے؛ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمُ عَلَى الله مِنَ الدُّعَاءِ**»[۳۲۹] ترجمہ: اللہ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز معزّز نہیں ہے۔

لہذا اللہ ہماری آواز اور ہماری آہ کو سننا، اور ہماری کمزوری اور محتاجگی کو دیکھنا پسند کرتا ہے، اسی لیے اللہ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے۔

ایک سبب یہ ہے کہ جب بندہ بے رخی اختیار کرتا ہے اور دعاء نہیں کرتا

---

(۳۲۷) ترمذی (۲۱۳۹)۔

(۳۲۸) ترمذی (۳۵۴۸)۔

(۳۲۹) احمد (۲/۳۶۲)، و ترمذی (۳۳۷۰)، و ابن ماجہ (۳۸۲۹)۔

ہے تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے، جو بھی دعاء سے بے رخی اختیار کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ دعاء سے بے نیاز ہے، تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسۡتَكۡبِرُونَ عَنۡ عِبَادَتِي﴾[غافر: ٦٠] يَعنِي: دُعائِي ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسۡتَكۡبِرُونَ عَنۡ عِبَادَتِي سَيَدۡخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [غافر: ٦٠]

ترجمہ: بیشک جو لوگ تکبر کی بناء پر میری عبادت (یعنی دعاء) سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

ہمارے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِنَّهُ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ»[۳۳۰] ترجمہ: جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے ۔ اور انسان کا یہ حال ہے کہ جب تم اس سے ایک دو بار یا دو تین مرتبہ مانگو، تو وہ تمہیں دھتکار دے گا اور غصہ ہوگا، اور اللہ کی شان کریمی یہ ہے کہ جب تمہاری آواز کو دعاء کرتے ہوئے سنتا ہے، تو وہ خوش ہوتا ہے۔

اللهُ يَغْضَبُ إِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ وَبُنَيُّ آدَمَ حِينَ يُسْأَلُ يَغْضَبُ[٢٦]

ترجمہ: جب تم اللہ سے مانگنا چھوڑ دیتے ہو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور انسان سے جب مانگتے ہو تو وہ غصہ کرتا ہے۔

دعاء کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرو اور اللہ کو پکارو، دنیوی معاملات ہوں یا

---

(۳۳۰) احمد (۲/۴۴۲)، و ترمذی (۳۳۷۳) ۔

اخروی معاملات ہوں، سب حالتوں میں بس اللہ کو پکارو، بڑے کام ہوں یا چھوٹے کام سب میں اللہ کو پکارو۔

دیکھو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیا فرماتی ہیں، دعاء کی حقیقت کو سمجھنے کی ہم سب کو ضرورت ہے وہ فرماتی ہیں: ہر چیز میں آسانی کے لئے اللہ سے دعاء کرو، حتی کہ جوتے کے اندر تسمہ ڈالنے میں بھی، کیوں کہ اگر اللہ آسانی پیدا نہ فرمائے تو کوئی کام آسان نہیں ہوگا۔[۳۳۱]

دعاء تمہارے ایک ہاتھ میں ہتھیار، اور دوسرے ہاتھ میں دواء کی طرح ہے، تو ہتھیار اور دواء تمہارے ہاتھ میں ہے، دعاء وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ تم مصیبت آنے سے پہلے تقدیر کو ٹال سکتے ہو اور وہ دواء ہے جس کے ذریعہ مصیبت آنے کے بعد علاج کرسکتے ہو۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الجواب الکافی" میں فرماتے ہیں: دعاء دواؤں میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے، یہ مصیبت کی دشمن ہے، اس کا علاج کرتی ہے، اسے آنے سے روکتی ہے، اور اسے دور کرتی ہے یا جب مصیبت آجائے تو اسے کم کرتی ہے، یہ مومن کا ہتھیار ہے۔[۳۳۲]

یہ آسان چیز ہے، لہذا تمہیں کوئی دروازی کھولنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی کبھی تمہارے اور اللہ کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت ہے۔

---

(۳۳۱) الزھد (ص:۱۶۶، ۱۱۳۰)، و شعب الایمان (۱۰۸۱)۔

(۳۳۲) الجواب الکافی (ص:۱۱)۔

جہاں بھی رہو، خواہ مسجد ہو یا گھر، آفس ہو یا بستر بس اللہ کو پکارو۔

یاد رکھو کہ دعاء وہ چیز ہے کہ جب سے تم اسے شروع کرتے ہو، تم عبادت میں ہو، اور تمہارے لئے ثواب کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، چاہے تمہاری دعاء قبول کی جائے یا نہ قبول کی جائے، تم عبادت میں ہی ہو؛ اسی لیے رسول محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**الدُّعَاءُ هُوَ العِبَادَةُ**» ترجمہ: دعاء عبادت ہے۔ لہذا جب دعاء کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرو تو مخلص بن کرو۔ ارشاد باری ہے: ﴿ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾ [الأعراف: ٢٩]

ترجمہ: اوراس کو پکارو کہ اطاعت خالص اسی کا حق ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾[غافر: ٦٥]

ترجمہ: وہی سدا زندہ ہے، اس کے سواء کوئی معبود نہیں، اس لیے اس کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابع داری خالص اسی کے لیے ہو۔

جب دعاء کرو تو اپنے رب کے سامنے اپنے ہاتھ کو ایسے اٹھاو جیسے کوئی ذلیل، عاجز اور کمزور ہاتھ اٹھاتا ہے، اور ہاتھ زیادہ اوپر تک اٹھاؤ، صرف اپنے ہاتھ اٹھاو اور اپنی ضرورت بیان کرو، اپنی محتاجگی اور بے بسی کو بے نیاز رب کے سامنے بیان کرو، تاکہ وہ تمہاری کمزوری اور محتاجگی کو دیکھے۔

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا خَائِبَتَيْنِ»(۳۳۳) ترجمہ: بیشک اللہ بہت ہی زیادہ حیاء والا اور کریم ہے، اور جب کوئی بندہ اس کے سامنے اپنا ہاتھ اٹھاتا ہے تو انہیں خالی لوٹاتے ہوئے اسے شرم آتی ہے۔ تمہاری جھولی بھر دی جائے گی، لیکن اپنے ہاتھ اٹھاو اور اللہ کو پکارو، چاہے تم لوگوں میں ہو یا تنہائی میں، اپنے ہاتھ اٹھاو اور انہیں زیادہ اوپر تک اٹھائے رکھو ، ہمارے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتنی اوپر تک ہاتھ اٹھایا کرتے تھے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بغل کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔

تیسری وصیت: جب اللہ سے دعاء کرو تو اس کی تعریف کرو، کیوں کہ اللہ تعریف کو پسند کرتا ہے۔ «وَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللهِ»(۳۳۴) ترجمہ: کوئی چیز اللہ کے نزدیک تعریف سے زیادہ پسند نہیں ہے۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے؛ اس لیے وہ خود اپنی تعریف کرتا ہے، قرآن کو پڑھو تمہیں اللہ اپنی تعریف کرتا ملے گا، اللہ کو تعریف پسند ہے، اللہ کے نزدیک کوئی چیز تعریف سے زیادہ پسند نہیں ہے، اپنی حاجت کے درمیان اس کی ثناء بیان کرو، اور کہو: اے اللہ، اے رحمٰن، اے رحیم، اے لطیف، اے ودود۔

ہمارے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مسجد میں داخل ہوئے – یہ بڑی بہترین حدیث ہے– تو کیا

---

(۳۳۳) ابو داود (۱۴۸۸)، و ترمذی (۳۵۵۶)، وابن ماجہ (۳۸۶۵) ۔

(۳۳۴) بخاری (۴۶۳۴)، ومسلم (۲۷۶۰) ۔

دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور تشہد میں دعاء کر رہا ہے اور اس کی آواز بلند ہوجاتی ہے تو نبی ﷺ نے اسے دعاء کرتے ہوئے سن لیا، وہ کہہ رہا تھا: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الأَحَدُ الصَّمَدُ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ»، فقالَ النبيُّ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ سَأَلَ اللهَ بِاسْمِهِ الأَعْظَمِ؛ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى»(۳۳۵) ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی وہ اللہ ہے، جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو اکیلا ہے، بے نیاز ہے، جس نے نہ تو کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور جس کا ہمسر کوئی نہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کا واسطہ دے کر سوال کیا، جس کے ذریعہ اگر دعاء کی جائے تو قبول ہوتی ہے اور اگر سوال کیا جائے تو عطا کیا جاتا ہے۔ لہذا اپنی دعاء سے پہلے اللہ کی ثناء بیان کرو۔

چوتھی وصیت: اللہ سے دعاء کرو اور تمہیں قبولیت دعاء کا یقین ہو، یہ نہ کہو کہ میں اللہ کو آزما رہا ہوں، بلکہ اللہ سے دعاء کرو، اور تمہیں قبولیتِ دعاء کا یقین بھی ہو، کیوں کہ اللہ تعالی حدیث قدسی میں فرماتا ہے: «أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي»(۳۳۶) ترجمہ: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں، اگر اچھا گمان کیا تو وہ

(۳۳۵) احمد (۵/۳۴۹)، و ابو داود (۱۴۹۳- ۱۴۹۴)، و ترمذی (۳۴۷۵)، وابن ماجہ (۳۸۵۷)۔

(۳۳۶) بخاری (۷۴۰۵)، و مسلم (۲۶۷۵)۔

اسے مل کر رہے گا اور اگر برا گمان کیا تو وہ اسے مل کر رہے گا۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «**ادْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالإِجَابَةِ، فَإِنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ**»[۳۳۷] ترجمہ: اللہ سے دعاء کرو اس حال میں کہ تمھیں قبولیت کا یقین ہو، کیوں کہ اللہ غافل و لاپرواہ دل کی دعاء کو قبول نہیں کرتا ہے۔

پانچویں وصیت: جب دعاء کرو تو اخیر میں نبی کریم ﷺ پر درور بھیجنا نہ بھولو، کیوں کہ وہی ذات ہے جس نے ہمیں سکھایا، سیدھا راستہ دکھایا اور ہمیں گمراہیوں سے بچایا، اس لیے دعاء کے اخیر میں نبی ﷺ پر درود بھیجو، کیوں کہ آپ ﷺ پر درود بھیجنے تک دعاء کو روک دیا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «**كلُّ دعاءٍ مَحجوبٌ حتَّى يُصلَّى على محمَّدٍ وآل محمَّدٍ**ﷺ»[۳۳۸] ترجمہ: ساری دعاؤں کو روک دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ نبی ﷺ اور آپ کی آل پر درود پڑھ لیا جائے۔

دعاء سے متعلق دو عظیم تنبیہات:

پہلی تنبیہ: باپ کو اپنی کسی اولاد کو ہلاکت کی بد دعاء دینے سے بچنا چاہیے، بلکہ ہم سب کو اپنی جان و مال کی ہلاکت کی بد دعاء کرنے سے بچنا چاہیے؛ کیوں کہ سنن ابو داود میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۳۳۷) ترمذی (۳۴۷۹)۔

(۳۳۸) طبراني في الاوسط (۷۲۱)، و بیہقی في الشعب (۱۴۷۴)۔

«لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى خَدَمِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللهِ سَاعَةً نَيْلٍ فِيهَا عَطَاءٌ، فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ»[۳۳۹] ترجمہ: تم لوگ نہ اپنے لیے بد دعاء کرو اور نہ اپنی اولاد کے لیے، نہ اپنے خادموں کے لیے اور نہ ہی اپنے اموال کے لیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دعاء قبول ہوتی ہو اور اللہ تمہاری بد دعاء قبول کر لے۔

غصہ کی حالت میں تم اپنے بیٹے کے لیے بد دعاء کرتے ہو تو وہ برباد ہو جاتا ہے، غصہ کی حالت میں اپنے مال کے لیے بد دعاء کرتے ہو تو برباد ہو جاتا ہے، غصہ کی حالت میں کبھی کبھی تم اپنے لیے بد دعاء کرتے ہو تو تم ہلاک ہو جاتے ہو، بلکہ تم اپنے لیے اور ااپنی اولاد کے لیے ہمیشہ دعاء ہی کرو، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ المَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ المُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الوَالِدِ لِوَلَدِهِ»[۳۴۰] ترجمہ: تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے: ایک مظلوم کی بد دعاء، دوسرے مسافر کی دعاء اور تیسرے باپ کی اپنے بیٹے کے لیے دعاء۔

دوسری تنبیہ:

ہمیں مظلوم کی بد دعاء سے بچنا چاہئے اور اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ہم سے

---

(۳۳۹) سنن ابو داود (۱۵۳۲)، و مسلم (۳۰۰۹)۔

(۳۴۰) احمد (۲/۲۵۸)، و ابو داود (۱۵۳۶)، و ترمذی (۱۹۰۵)، و ابن ماجہ (۳۸۶۲)۔

کسی دوسرے پر ظلم ہو اور وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر ہمارے لیے بد دعاء کرے اور ہم غفلت میں رہیں، چاہے وہ مظلوم کافر ہو، یہودی و نصرانی ہو اور ہندو و بودھ مذہب کا ماننے والا ہو، کیوں کہ مظلوم کی بد دعاء قبول ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اتَّقُوا دَعْوَةَ المَظْلُومِ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا»(۳۴۱) ترجمہ: مظلوم کی بد دعاء سے ڈرو چاہے وہ کافر ہو۔ اس وقت کیا ہو گا جب یہ مظلوم نیک بندہ ہو؟ اس وقت کیا ہو گا جب یہ بندہ اللہ کا کوئی ولی ہو؟

صحیح بخاری میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «اتَّقِ دَعْوَةَ المَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الله حِجَابٌ»(۳۴۲) ترجمہ: مظلوم کی بد دعاء سے بچو، کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔

طبرانی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَدَعْوَةُ المَظْلُومِ تُحْمَلُ عَلَى الغَمَامِ، وَتُفَتَّحُ لهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَيَقُولُ الرَّبُّ أَنْصُرَنَّكِ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ»(۳۴۳) ترجمہ: مظلوم کی بد دعاء بادل پر سوار ہوتی ہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب کہتا ہے: میں تمہاری مدد ضرور کروں گا اگرچہ تھوڑی دیر بعد سہی۔

مستدرک حاکم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد

(۳۴۱) احمد (۳/۱۵۳)۔

(۳۴۲) بخاری (۲۴۴۸)، و مسلم (۱۹)۔

(۳۴۳) طبرانی في الدعاء (۱۳۱۵)، و احمد (۲/۳۰۵)۔

فرمایا: «اتَّقُوا دَعْوَةَ المَظْلُومِ فَإِنَّهَا تَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ كَأَنَّهَا شَرَارٌ»(۳۴۴) ترجمہ: مظلوم کی بد دعاء سے بچو کیوں کہ وہ آسمان پر ایسے چڑھتی ہے جیسے کوئی انگارہ ہو۔

جیسا کہ تمہاری دعاء قبول کی جاتی ہے اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے، اسی طرح مظلوم کو بھی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے ظالموں کے لیے بد دعاء کرے۔

تاریخ اور سیرت میں کتنی ہی حکومتیں مظلوم کی بد دعاء کی وجہ سے ختم ہو گئیں اور کتنے ہی مالدار مظلوم کی بد دعاء کی وجہ سے محتاج بن گئے، اور کتنے ہی صحت و تندرست لوگ مظلوم کی بد دعاء کی وجہ سے بیمار ہوگئے، لہذا انسان کو ڈرنا چاہیئے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

لَا تَظْلِمَنَّ إِذَا مَا كُنْتَ مُقْتَدِرًا   فَالظُّلْمُ تَرْجِعُ عُقْبَاهُ إِلَى النَّدَمِ
تَنَامُ عَيْنَاكَ وَالمَظْلُومُ مُنْتَبِهٌ   يَدْعُو عَلَيْكَ وَعَيْنُ اللهِ لَمْ تَنَمْ(۳۴۵)

ترجمہ: جب تم اقتدار میں ہو تو کسی پر ظلم نہ کرنا، کیوں کہ ظلم کا انجام بالآخر ندامت ہوتا ہے۔ تم سوتے ہو اور مظلوم بیدار رہ کر تیرے لیے بد دعاء کرتا ہے اور اللہ تو سوتا ہی نہیں.

---

(۳۴۴) مستدرک الحاکم (۱/۲۹)۔

(۳۴۵) التبصرۃ (ص:۹۲)، والکبائر (ص:۱۰۵)۔

(۲۹)

يأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالقَابِضِ عَلَى الجَمْرِ

ہمارا آج کا موضوع جوامع الکلم کے سلسلے کی حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالقَابِضِ عَلَى الجَمْرِ»[۳۴۶] ترجمہ: ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر صبر کے ساتھ کاربند رہنے والا ایسا ہوگا جیسے کوئی آدمی انگارہ اپنی ہتھیلی پر لے۔

ہمارے نبی ﷺ نے زمانے کے بدلنے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ جس میں مختلف فتنے دین پر اثر انداز ہوں گے، نبی ﷺ نے ان دنوں کو صبر کے دن سے موسوم کیا ہے، صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا الصَّبْرُ فِيهِنَّ كَقَبْضٍ عَلَى الجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ»[۳۴۷] ترجمہ: تمہارے بعد ایسے دن آئیں گے جن میں دنی پر صبر کرنا ایسا

---

(۳۴۶) ترمذی (۲۲۶۰)۔

(۳۴۷) صحیح ابن حبان (۳۸۵)، و ابو داود (۴۳۴۱)، و ترمذی (۳۰۵۸)، وابن ماجہ (۴۰۱۴)۔

ہو گا جیسے انگارے کو ہاتھ میں لینا، ان دنوں دین پر عمل کرنے والے کے لیے اجر پچاس عامل لوگوں کے اجر جتنا ہو گا.

اس زمانے کی علامتیں جن کے بارے میں ہمارے نبی ﷺ نے خبر دی ہے دو ہیں: فتنوں کی کثرت اور کی کثرت۔

فتنے جب بڑھ جاتے ہیں تو آدمی کا دین پر چلنا مشکل ہوجاتا ہے، اور یہ فتنے اسے دین سے رو گردانی کرنے پر مجبور کردیتے ہیں،، ضروری نہیں کہ فتنہ جنگ کی شکل میں ہو، یا پریشانی اور قتل کی شکل میں ہو، ہاں یہ صورتیں تو فتنے کی سب سے خطرناک اشکال ہیں لیکن محتاجگی بھی ایک فتنہ ہے، مالداری بھی ایک آزمائش ہے، کسی کے پاس دنیا کے عیش و آرام کے اسباب کا جمع ہوجانا بھی ایک آزمائش ہے، اور کسی سے دنیا کا چلا جانا ایک فتنہ ہے، اور صحت وعافیت بھی کبھی آزمائش بن جاتی ہے اور بیماری بھی کبھی آزمائش ہوجاتی ہے۔

لیکن نبی ﷺ نے اس حدیث میں بالخصوص جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فتنے اور قتل و غارتگری کی کثرت ہے، اسی لیے ارشاد فرمایا: **«سَتكُونُ فِتْنَةٌ القَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ القَائِمِ، وَالقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ المَاشِي، وَالمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي»**[۳۴۸] ترجمہ: عنقریب فتنہ بپا ہو گا، اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے

(۳۴۸) بخاری (۷۰۸۱)، ومسلم (۲۸۸۶) ۔

سے بہتر ہوگا، یعنی فتنوں سے جس قدر دور رہیں گے، اتنا ہی بہتر ہوگا۔

ان فتنوں میں شرکت ایک جیسی نہیں ہے، چنانچہ دوڑنے والا چلنے والے جیسا نہیں ہوگا، اور چلنے والا کھڑے ہونے والے جیسا نہیں ہوگا، اور کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے جیسا نہیں ہوگا۔ اس زمانے میں تبدیلیاں اور مراعات کی کثرت ہوگی، تم بعض قائدین کو دیکھوگے کہ وہ بہت ساری ان بنیادی اقدار سے دستبرداری اختیار کرلیں گے، جن کی طرف خود وہ بلایا کرتے تھے، یہ سب سے خطرناک فتنہ ہوگا، ہمارا پروردگار ان میں سے بعض شکلوں اور نمونوں کو یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَٱتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَأَ ٱلَّذِيٓ ءَاتَيۡنَٰهُ ءَايَٰتِنَا فَٱنسَلَخَ مِنۡهَا فَأَتۡبَعَهُ ٱلشَّيۡطَٰنُ فَكَانَ مِنَ ٱلۡغَاوِينَ ١٧٥ وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنَٰهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُۥٓ أَخۡلَدَ إِلَى ٱلۡأَرۡضِ وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ﴾[الأعراف: ١٧٥-١٧٦]

ترجمہ: اور (اے رسول) ان کو اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں مگر وہ ان کو بالکل چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اسے سربلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا۔

سنو ہمارے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی قدر ہے: «**الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالقَابِضِ عَلَى الجَمْرِ**» ترجمہ:اس زمانے میں اپنے دین پر صبر سے کاربند رہنے

والا ایسے ہے جیسے انگارے کو ہاتھ میں پکڑنے والا، شاید تمہارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ وہ کیا وسائل و اسباب ہیں جو فتنے کے دنوں میں صبر کے لیے مدد گار ثابت ہوں گے؟

تو میرا جواب ہے:

ا۔ اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔

جب فتنوں کی کثرت ہوجائے تو اللہ کی طرف آو اور پورے اخلاص کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوجاو،اور اپنی پوری زندگی اس اللہ کے لیے وقف کردو، جو تنہا و یکتا ہے، جیسا کہ سورہ انعام کے اخیر میں ارشاد باری ہے: «**الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالقَابِضِ عَلَى الجَمْرِ**»﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾[الأنعام: ١٦٤-١٦٢]

ترجمہ: کہدو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔ کہدو کہ: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے ؟ ۔ اپنی پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں آجاو، کیوں کہ اس کے سواء کوئی ثابت قدم رکھنے والا نہیں ہے اور اس کے سواء کوئی بچانے والا نہیں ہے۔

اللہ اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے اور یہ خطاب بعد میں آنے والی ساری امت کے لیے ہے: ﴿ وَلَوْلَآ أَن ثَبَّتْنَٰكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَٰكَ ضِعْفَ ٱلْحَيَوٰةِ وَضِعْفَ ٱلْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ ﴾[الإسراء: ٧٥-٧٤]

ترجمہ: اور اگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تم بھی ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ اور اگر ایسا ہوجاتا تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دگنی سزا دیتے، اور مرنے کے بعد بھی دگنی، پھر تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ ملتا۔

جان لو اگر تم فراخی کی حالت میں اللہ کی طرف نہیں آوگے تو تنگ دستی کی حالت میں اس کی طرف آنا مشکل ہوگا۔

اے میرے بھائی خبردار ہوجاو کہ جب تم فراخی کی حالت میں راہِ خدا نہیں پہچانوگے، تو تنگ دستی کی حالت میں اس کی معرفت دشوار ہوگی، کبھی تم ایسے راستوں کی طرف نکل پڑوگے جو اللہ کی طرف نہیں جاتے؛ اور فتنے کی موجیں تمہیں ڈبو دیں گی۔

۲۔ قرآن کریم کو اپنانا:

تلاوت و حفظ کے ذریعے، یا پڑھنے کے لحاظ سے، یاد کرنے کے لحاظ سے، غور و فکر اور عمل کے ذریعے قرآن کریم کو اپنانا؛ کیوں کہ یہ فتنوں کے دنوں میں صبر

پر سب سے زیادہ معین و مددگار ہو گا، ارشاد باری ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿٣٢﴾ ﴾ [الفرقان: ٣٢]

ترجمہ: اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟ (اے پیغمبر) ہم نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دل مضبوط رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔

جو لوگ صرف رمضان میں پورا قرآن یکبارگی پڑھتے ہیں اور پھر بقیہ سال اسے چھوڑ رکھتے ہیں، تو فتنے کے دنوں میں ان کے لئے صبر کرنا مشکل ہو گا، لیکن جو اسے تھوڑا تھوڑا ہر روز پڑھتا ہے، تو یہ صبر پر زیادہ معین و مددگار ہو گا؛ اسی لیے ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**فَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ**» والسببُ هو الحبلُ المتينُ «**طَرَفُهُ بِيَدِ اللهِ، وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ، فَاسْتَمْسِكُوا بِهِ فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوا وَلَنْ تَهْلِكُوا بَعْدَهُ أَبَدًا**»[٣٤٩] ترجمہ: یہ قرآن سبب ہے (یعنی مضبوط رسی ہے) اس کا ایک سرا اللہ کے دست قدرت میں ہے تو دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے، اسے مضبوطی سے تھامے رکھو تم اس کے بعد کبھی گمراہ و ہلاک نہیں ہوگے۔

٣۔ جب فتنے بڑھ جائیں تو عبادت کی طرف آو:

(٣٤٩) ابن ابی شیبہ (١٥/٤٦١)، وابن حبان (١٢٢)، و طبرانی في المعجم الكبير (٢٢/١٨٨، ١٩٤)۔

کیوں کہ یہ صبر پر سب سے زیادہ معین و مدد گار ہوتی ہے، فتنوں کے دنوں میں کی جانے والی عبادت کی خصوصیت ہی کچھ اور ہے؛ اسی لیے ہمارے نبی ﷺ نے فتنے کے دنوں میں کی جانے والی عبادت اور عبادت گزار کی تعریف کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «**عِبَادَةٌ فِي الهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ**»[۳۵۰] ترجمہ:فتنے کے زمانے میں عبادت ایسے ہے جیسی میری طرف ہجرت، یعنی اس کا اجر ہجرت کرنے جتنا ہے.

اگر ہمیں وہ زمانہ ملتا تو ہم مہاجرین میں ہوتے، لیکن جب فتنوں کا دور آ تو خوب عبادت کرو، کیوں کہ اجر میں فتنوں کے دنوں میں عبادت کرنا نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے کے برابر ہے۔

بلکہ اس وسیلے کی تاکید میں ارشاد باری ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا۟ مَا يُوعَظُونَ بِهِۦ﴾[النساء: ٦٦] **يَعنِي الصلاةَ والزكاةَ وقِراءةَ القُرآنِ والبِرَّ والإِحسانَ** ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا﴾[النساء: ٦٦] ترجمہ: « اور جس بات کی انہیں نصیحت کی جارہی ہے «یعنی نماز ، زکوٰۃ، قرآن کی تلاوت اور نیکی و احسان «اگر یہ لوگ اس پر عمل کرلیتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، اور ثابت قدمی کے لحاظ سے خوب پختہ ہوتا۔»

۴۔ اپنے ہاتھ اٹھا کر کہو: "اے اللہ"۔

ہم نے کچھ باتیں پہلے بیان کردی ہیں، کوئی بچانے والا نہیں سوائے اللہ کے اور

---

(۳۵۰) مسلم (۲۹۴۸)۔

کوئی نجات دینے والا نہیں سوائے اللہ کے، اور جب بندہ اپنے پروردگار کو فتنوں کے دنوں میں نہیں پہچانے گا، تو پھر کب پہچانے گا؟ اسی لیے ارشاد فرمایا: «تَعَرَّفْ إِلَى اللهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ»[۳۵۱] ترجمہ: فراخی میں اللہ کو پہچانو وہ تمہیں تمہاری تنگ دستی میں پہچانے گا؛ اسی لیے سنن ترمذی میں یہ دعاء منقول ہے: «يَا مُقَلِّبَ القُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ»[۳۵۲] ترجمہ: اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔

جب ہر سمت سے دشمنوں کی فوجیں آنے لگیں اور مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا، تو نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ خندق کھودنے لگے، اور بلند آواز سے پڑھنے لگے اور صحابہ سن رہے تھے:

«وَالله لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا * وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا * وَثَبِّتِ الأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

إِنَّ العِدَا قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا»[۳۵۳]

ترجمہ: بخدا اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی تو نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے، اے اللہ ہم پر سکینہ بھی نازل فرما اور اگر ہم دشمنوں سے لڑیں ہمیں

---

(۳۵۱) احمد (۱/۳۰۷)۔

(۳۵۲) احمد (۳/۱۱۲) و ترمذی (۲۱۴۰)، وابن ماجہ (۳۸۳۴)۔

(۳۵۳) بخاری (۴۱۰۴)، ومسلم (۱۸۰۳)۔

ثابت قدم رکھنا، بے شک دشمنوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

اللہ کی ذات سے اپنا تعلق جوڑ لو!

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: فتنہ کا دور ہو گا، اور اس سے نجات ڈوبنے والے کی طرح گڑگڑا کر کی جانے والی دعاء ہی دلائے گی۔(۳۵۴)

سورہ انعام میں ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى أُمَمٍ مِنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[الأنعام:٤٢-٤٥] ترجمہ:اور (اے پیغمبر) تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے، پھر ہم نے (ان کی نافرمانی کی بناء پر) انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عجز و نیاز کا شیوہ اپنائیں۔ پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی، اس وقت وہ عاجزی کا رویہ اختیار کرتے؟ بلکہ ان کے دل تو اور سخت ہوگئے اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، شیطان نے انہیں یہ سجھایا کہ وہ بڑے شاندار کام ہیں۔ پھر انہیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں

---

(۳۵۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۲۱/۳۵۲)۔

تک کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی تھیں، جب وہ ان پر اترانے لگے تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مایوس ہوکر رہ گئے۔ اس طرح جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی، اور تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ کی طرف آنا، قرآن کی تلاوت کرنا، دعاء کرنا اور نیک عمل کرنا یہ سب کے سب بڑے ذرائع ہیں جو فتنوں کے دنوں میں صبر پر مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

۵۔ نیک و صابر اور اللہ کی معرفت رکھنے والوں کے ساتھ رہنا۔

ان وسائل میں جو فتنے کے دنوں میں صبر پر معین و مددگار ثابت ہوتے ہیں، پاک و صاف ماحول اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا بھی شامل ہے،اور یہ ماحول صبر پر قائم رہنے میں معین و مددگار ہو گا، اور یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ ہم ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں، کیونکہ نبی ﷺ جیسی ذات سے ربّ کریم : – وہ نبی جنہیں وحی سے تقویت دی گئی ہے- اور انہیں بھی اللہ تعالی اس وسیلے کو اپنانے کی کی ہدایت دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ امت ہی نبی ﷺ کے ارد گرد گھومتی ہے اور اُنہیں سے تقویت پاتی ہے، پھر بھی اس ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ امت تربیت یافتہ ہو، اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُواْ وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُواْ مَا ذُكِّرُواْ بِهِۦ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ

كُلِّ شَيۡءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُواْ بِمَآ أُوتُوٓاْ أَخَذۡنَٰهُم بَغۡتَةً فَإِذَا هُم مُّبۡلِسُونَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِينَ ظَلَمُواْۚ وَالۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ الۡعَٰلَمِينَ ﴾[الأنعام:٤٢-٤٥] ﴿مَعَ الَّذِينَ يَدۡعُونَ رَبَّهُم بِالۡغَدَوٰةِ وَالۡعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجۡهَهُۥۖ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنَاكَ عَنۡهُمۡ تُرِيدُ زِينَةَ الۡحَيَوٰةِ الدُّنۡيَاۖ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ أَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهُۥ عَن ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَىٰهُ وَكَانَ أَمۡرُهُۥ فُرُطًا ﴿٢٨﴾﴾[الكهف: ٢٨]

ترجمہ: اور اپنے آپ کو استقامت سے ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اس کی خوشنودی کے لیے پکارتے ہیں اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنہ جائیں۔ اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔

یہ وہ وسائل ہیں جس کی طرف اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اور ہمارے نبی کریم ﷺ ہدایت دے رہے ہیں؛ تاکہ امت فراخی اور تنگ دستی کی حالت میں انہیں پر عمل کریں، اللہ مجھے اور آپ سب کو فتنوں سے بچائے۔

(۳۰)

لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الإيمَانُ وَالحَسَدُ

سات مہینوں سے زائد عرصہ سے ہماری تقریر جوامع الکلم پر تھی، ہم اس مبارک سلسلے کو تیسویں حدیث پر ختم کر رہے ہیں، سنن نسائی میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الإِيمَانُ وَالحَسَدُ»[۳۵۵] ترجمہ: دو چیزیں بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتیں: ایک ایمان اور دوسری حسد۔ جب کسی مومن بندے کے دل میں حسد داخل ہوتا ہے تو اس کے ایمان کو بڑا موثر کرتا ہے اور بسا اوقات یہ اسے ایمان سے خارج کرنے کا اصل سبب بن جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَمْ يَحْسُدُونَ ٱلنَّاسَ عَلَىٰ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۖ فَقَدْ ءَاتَيْنَآ ءَالَ إِبْرَٰهِيمَ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَءَاتَيْنَٰهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾﴾[النساء: ٥٤] ترجمہ: یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل عطا فرمایا ہے۔ سو ہم نے تو ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انہیں بڑی سلطنت دی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ ٱلْحَقُّ﴾[البقرة: ١٠٩]ترجمہ:(مسلمانو) بہت سے اہل کتاب اپنے دلوں کے حسد کی بناء پر یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پلٹا کر پھر کافر بنا دیں، باوجودیکہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔

---

(۳۵۵) نسائی (۳۱۰۹)۔

ارشاد باری ہے: ﴿ وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴾[الفلق: ۵] ترجمہ:اور (رب کی پناہ طاہر ہوں) حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے۔

اگر ہم نبی ﷺ کی سنت میں غور و خوض کریں تو ہمیں یہ ارشاد ملے گا اور ہم یہ وضاحت و ہدایت پائیں گے جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا**»(۳۵۶) ترجمہ: بد ظنی سے بچو کیوں کہ بد ظنی سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور نہ کسی کے راز جاننے کی کوشش کرو نہ جاسوسی کرو، نہ دھوکے سے (خرید و فروخت میں) بولی بڑھاؤ، نہ ایک دوسرے پر حسد کرو ، نہ ایک دوسرے سے دل میں کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاو۔

نبی ﷺ نے اسے ایسا مرض بتایا جو موت کے ساتھ ہی ختم ہوتا ہے، جس وقت انسان کو حسد کی بیماری لگتی ہے تو یہ بہت خطرناک بیماری ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الأُمَمِ مِنْ قَبْلِكُمُ الحَسَدُ وَالبَغْضَاءُ هِيَ الحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ، وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ**»(۳۵۷) ترجمہ: تم سے پہلی امتوں کی بیماری تمہاری طرف آچکی ہے، وہ حسد اور بغض ہے جو مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دے گی، بلکہ یہ دین کو مونڈ دے گی۔

یہ حسد، یہ مہلک بیماری، اور یہ مرض جب بھی آتا سب سے پہلے تمہارے دین

---

(۳۵۶) بخاری (۶۰۶۴)، و مسلم (۲۵۶۳)۔

(۳۵۷) احمد (۱/۱۶۷)، و ترمذی (۲۵۱۰)۔

پر اثر انداز ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «هِيَ الحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ، وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ» ترجمہ: جو مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دے گی، بلکہ یہ دین کو مونڈ دے گی۔ یعنی یہ دین کو جڑ سے اڑا دے گی۔

اسی لیے ارشاد فرمایا: «لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الإِيمَانُ وَالحَسَدُ» ترجمہ: ایمان اور حسد بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

جب معاشرہ حسد سے خالی ہو جاتا ہے تو سکون کی زندگی جیتا ہے، طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا لَمْ يَتَحَاسَدُوا»(۳۵۸) ترجمہ: لوگ خیر کے ساتھ ہوتے ہیں جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے لگیں۔

حسد کی تعریف امام راغب نے کچھ یوں کی: مستحق انسان سے نعمت کے زوال کی تمنا کرنا، اور کبھی اس نعمت کے زائل کرنے کی کوشش کرنا بھی حسد کہلاتا ہے۔(۳۵۹)

حاسد یہ تمنا لے کر جیتا ہے کہ فلاں سے یہ نعمت زائل ہو جائے اور فلاں سے وہ نعمت زائل ہو جائے، اور بسا اوقات اپنے حسد میں غلو کرتے ہوئے اس نعمت کے زائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حسد پہلا گناہ ہے جس کے ذریعے زمین پر اللہ تعالی کی نافرمانی کی گئی، چنانچہ ہوا یہ تھا کہ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کے دل میں برائی کا جذبہ پیدا ہوا، اور قابیل اپنے بھائی ہابیل سے حسد کرنے لگ پڑا، اور اس کے قتل کی کوشش کی، تو

---

(۳۵۸) المعجم الکبیر (۸/۳۰۹، ۸۱۵۷)۔

(۳۵۹) المفردات (ص:۲۳۴)۔

حاسد غلو کرتے کرتے قتل جیسے جرم کو بھی انجام دے سکتا ہے۔

اس لیے کہ ہم معاشرہ میں جیتے ہیں اور ہمارا ایک دوسرے سے ملنا جلنا ہوتا ہے، عرب کہتے ہیں: «کوئی جسم حسد سے خالی نہیں ہے» جب تمہارا اپنے آپ کو حاسد کی نگاہ سے بچانے کا ارادہ ہو – اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو کچھ چیزیں پسند جاتی ہیں، اور دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اِنہیں بھی وہی چیزیں میسر ہوں، جو کسی دوسرے کے پاس ہیں- اور اگر آپ اپنے آپ کو حاسد کی نگاہ سے، اس کی ذات سے اور اس کے حسد کے شر سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ چار وسیلے اختیار کرو: ۔

پہلا وسیلہ:

نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف رہنمائی فرمائی ہے؛ طبرانی نے المعجم الکبیر میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اسْتَعِينُوا عَلَى إِنْجَاحِ الحَوَائِجِ بِالكِتْمَانِ، فَإِنَّ كُلَّ ذِي نِعْمَةٍ مَحْسُودٌ»(٣٦٠)

ترجمہ: اپنے مقاصد کی کامیابی کے لئے رازداری سے کام لو، کیوں کہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

اگر تمہارے پاس ایسی کوئی نعمت ہو، جس کو تم حاسد کی نگاہ سے چھپاسکتے ہو، تو اس کو ضرور چھپاو،ویسے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾﴾ [الضحى: ١١] ترجمہ:اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے اس کا تذکرہ کرتے رہنا۔ لیکن اگر تم کوئی نعمت چھپانے کی طاقت رکھتے ہو جس کا حاسد کی نگاہ سے چھپانا ممکن ہو تو اسے چھپاو۔

---

(٣٦٠) المعجم الکبیر (٢٠/ ٩٤، ١٨٣) ۔ و الحلیۃ (٦/ ٩٦)، و شعب الایمان (٦٢٢٨) ۔

میں اپنے بھائیوں کو ایک ایسی حماقت پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں جس میں اکثر لوگ مبتلاء ہیں، کہ جن کے پاس کوئی چیز راز نہیں ہے، چنانچہ جو کچھ ان کے گھر میں ہورہا ہے، جو کچھ میاں بیوں کے درمیان رازدارانہ تعلقات ہوتے ہیں، جو وہ کھاتا اور پیتا ہے، یہاں تک کہ وہ لوگوں کو یہ بولتا پھرتا ہے کہ وہ کیا کھاتا اور کیا پیتا ہے؛ قبل اس کے کہ وہ کوئی دعوت کھانے جائے، اس کی تصویر کشی کرتا ہے اور قبل اس کے کہ وہ لذیذ پکوان کھائے، اس کی تصویر کشی کرتا ہے اور بولتے پھرتا ہے، اور بسا اوقات اس کے بچے اور بیوی ان چیزوں کی تصویر کشی کرتے ہیں، اور ان کی یہ باتیں کسی ایسے شخص کے کانوں میں پڑتی ہیں، جو محتاج و بھوکہ ہوتا ہے، اور یہ وہ دیکھتا ہے کہ تم تو اتنی ساری نعمتوں سے مالا مال ہو،تو وہ تم سے حسد کرنے لگتا ہے، اور اس طرح سے تم ربانی منہج کی مخالفت کرتے ہو: «**اسْتَعِينُوا عَلَى إِنْجَاحِ الحَوَائِجِ بِالكِتْمَانِ، فَإِنَّ كُلَّ ذِي نِعْمَةٍ مَحْسُودٌ**» ترجمہ: اپنے مقاصد کی کامیابی کے لئے رازداری سے کام لو، کیوں کہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

اسی لیے عرب کہتے ہیں: «جب تم حاسد سے محفوظ رہنا چاہتے ہو، تو اس پر اپنے معاملات کو چھپاو، یہ پہلا وسیلہ ہے۔

دوسرا وسیلہ:

اپنے آپ کو سب سے بڑے حفاظتی قلعے میں محفوظ رکھو، وہ اللہ کا ذکر ہے؛ یہ محفوظ رہنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور ہمارے نبی ﷺ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے، امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلَا فِي**

السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ العَلِيمُ، لَمْ تفجَأْهُ فَاجِئَةُ بَلَاءٍ حَتَّى يُمْسِيَ، وَمَنْ قَالَهَا حِينَ يُمْسِي لَمْ تَفْجَأْهُ فَاجِئَةُ بَلَاءٍ حَتَّى يُصْبِحَ»(۳۶۱) ترجمہ: جو شخص صبح میں تین مرتبہ یہ دعاء پڑھے: بِسْمِ الله الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ العَلِيمُ، تو شام تک اسے کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی اور جو اسے شام کو پڑھے تو صبح تک اسے کوئی مصیبت نہیں آئیگی۔ یہ ایسی دعاء ہے جس میں آدھے منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا، بِسْمِ الله الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ العَلِيمُ،جو اسے تین مرتبہ پڑھتا ہے وہ اللہ کی امان میں چلا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ ہم بالکل رات کے اندھیرے میں امامت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلے،تو میں نے انہیں پالیا، آپ نے فرمایا: کہو تو میں نے کچھ نہیں کہا، آپ نے پھر کہا کہ کہو، پھر بھی میں نے کچھ نہیں کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہو تو میں نے عرض کیا: کیا کہوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «قُلْ: ﴿قل هو الله أحد﴾ وَالمُعَوِّذَتَيْنِ حِينَ تُمْسِي وَحِينَ تُصْبِحُ تَكْفِكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ»(۳۶۲) ترجمہ: ---- قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس صبح و شام پڑھو۔ یہ دونوں سورتیں تمہیں ہر شر سے محفوظ رہنے کے لئے کافی ہیں ۔ یہ ارشاد نبوی ہے جو اپنی مرضی سے نہیں بولتے ہیں۔

تم ان نعمتوں کو جو تمہارے پاس ہیں، انہیں حاسد کی نظر سے بچاو اور خود بھی ذکر کے پردے میں محفوظ رہو۔

---

(۳۶۱) الادب المفرد (۶۶۰)، و احمد (۱/۷۲)، و ابو داود (۵۰۸۸)، و ترمذی (۳۳۸۸)، وابن ماجہ (۳۸۶۹) ۔

(۳۶۲) احمد (۵/۳۱۲)، وابو داود (۵۰۸۲) وترمذی (۳۵۷۵)، و نسائی (۵۴۲۸) ۔

تیسرا وسیلہ :

حاسد کے حسد کو خاطر میں نہ لاؤ تاکہ تمہیں وہم کی بیماری نہ لگ جائے، کیوں کہ بعض لوگ اپنے اطراف و اکناف کے لوگوں کے حسد کرنے کے وہم میں مبتلاء ہوکر نہ کچھ حرکت کرتے ہیں اور نہ اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور جب انسان وہم میں مبتلا ہوجاتا ہے، تو یہ اس کے لئے حسد میں پڑنے سے بھی زیادہ خطرناک ہوجاتاہے؛ لہذا تم حاسد کی فکر کرنا چھوڑ دو، اور کسی شاعر نے بہت پہلے ہی کہہ دیا تھا:

اصْبِرْ عَلَى كَيْدِ الحَسُودِ　　فَإِنَّ صَبرَكَ قَاتِلُهُ

كَالنَّارِ تَأْكُلُ بَعْضَهَا　　إِنْ لَمْ تَجِدْ مَا تَأْكُلُهُ(٣٦٣)

ترجمہ:حسد کرنے والے کے مکر پر صبر کرو، کیوں کہ تمہارا صبر اسے مار ڈالے گا، اس آگ کی طرح جو خود کو جلا دیتی ہے جب اس کو جلانے کے لئے کچھ نہیں ملتا ہے۔

حاسد کی طرف توجہ نہ دو اور نہ ہی اس کی فکر کرو، وہ تو غم اور حسرت میں جیتا ہے، اصمعی رحمہ اللہ نے کہا: میں نے ایک اعرابی کو کہتے ہوئے سنا: «ما رَأَيْتُ ظالمًا أشبَهَ بمَظلومٍ مثلَ الحاسِدِ؛ فهوَ في حُزنٍ دائمٍ، وفي عقلٍ هائمٍ، وفي حَسرةٍ لا تَنقضِي»(٣٦٤) ترجمہ:میں نے حاسد سے زیادہ کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ نہیں دیکھا وہ ہمیشہ ایسے غم ، فکر اور حسرت میں جیتا ہے جو ختم نہیں

---

(٣٦٣) دیوان ابن معتز (ص:٣٨٩)۔

(٣٦٤) الموشی لابی الطیب الوشاء (ص:٥)، والفوائد المنتقاۃ (ص:٤٧)، وزاد المسیر (١/١٠١)۔

ہوتے۔ تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حاسد غم اور پریشانی میں زندگی گذارے، اور تم خوش رہو، وہ افسوس اور حسرت میں جیتا رہے اور تم خوشی میں مگن رہو، لہذا اس کی فکر ہی نہ کرو۔

چوتھا وسیلہ:

رب کریم نے اس کی طرف رہنمائی فرما دی ہے کہ حاسد کے ساتھ احسان کرو، اس سے اس کی برائی کم ہوگی اور برائی کی آگ اس میں ہی بجھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾﴾ [فصلت: ٣٥-٣٤]

ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، تم (بدی سے) دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہوجائے گا جیسے وہ (تمہارا) جگری دوست ہو اور یہ بات صرف انہیں کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں اور یہ بات اسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والا ہو۔

اللہ سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو حاسد کے حسد کے شر سے بچائے۔

حاسد کی نگاہوں سے بچنے کے لئے ماذکورہ گفتگو میں بہت ساری ہدایات ہیں، لیکن پھر بھی میں ہر اُس شخص سے کہنا چاہوں گا، جس کے دل میں برائی کا داعیہ ہو، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ کبھی کبھی وہ حسد کی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے، تو جب بھی وہ یہ دیکھے کہ وہ کسی پر حسد کررہا ہے، یا حسد جیسی بیماری اس کے اندر پیدا

ہوگئی ہے، اور ہاں حسد ہونا ایک فطری بات ہے، اس پر انسان کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن جب وہ کسی سے حسد کرنے لگے تو ضرور اس کا مواخذہ ہوگا۔ اور جب حسد کا داعیہ دل میں پیدا ہونے لگے، اور تم چاہتے ہو کہ اس داعیے سے اپنے آپ کو دور رکھو، تو میری یہ کچھ نصیحتیں سن لو: پہلی وصیت:

اللہ کی طرف سے دوسروں کو ملنے والی نعمتیں نہ دیکھو اور اس طرف توجہ ہی نہ دو، اور اس کی فکر نہ کرو کہ فلاں کے پاس کیا ہے اور نہ اس نعمت کی فکر کرو، جو اللہ نے کسی اور کو دی ہے، بلکہ خود کو ملنے والی خدائی نعمتوں میں سرشار رہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «**انْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ الله عَلَيْكُمْ**»[٣٦٥]

ترجمہ: ان کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہیں اور ان کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہیں، کیوں کہ اس طرح کرنے سے تم کو ملنے والی اللہ کی نعمتیں تمہارے لئے کچھ کم نظر نہیں آئیں گی۔

اگر تم دوسروں کی نعمتوں کو دیکھتے رہوگے تو تم تھک جاوگے، کیوں کہ یہ ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے، لیکن جب تم اپنی نعمتوں میں مشغول رہوگے اور خود کے پاس موجود ان ڈھیر ساری نعمتوں میں سرشار رہوگے، تو تمہیں راحت، اطمینان اور سکون ملے گا۔

دوسری وصیت:

(٣٦٥) مسلم (٩/٢٩٦٣)۔

جب تمہیں دوسرے کی نعمت اچھی لگے تو اسے برکت کی دعاء دو اور «ماشاء اللہ» اور «تبارک اللہ» کہو۔ سنن ابن ماجہ میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ**» ترجمہ: کس بنیاد پر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے، کیوں کہ حاسد بسا اوقات اپنے ہاتھ، اپنی نگاہ اور اپنی زبان سے قتل کرتا ہے، «**عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مِنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ فَلْيَدْعُ بِالبَرَكَةِ**»[٣٦٦] ترجمہ: کس بنیاد پر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا قتل کرتا ہے، جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے پاس اپنی پسند کی چیز دیکھتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے برکت کی دعاء دے۔ تمہیں کہنا چاہئے: بارک اللہ لک فی ذالک، ماشاء اللہ ۔ چاہے وہ سنے یا نہ سنے، تم اپنے دل میں کہو یا بآواز بلند کہو۔ تم اپنے ساتھی کے لئے برکت کی دعاء دو؛ اس سے برائی کا داعیہ اور دل میں پیدا ہونے والا خطرہ ختم ہوجائیگا۔

ہمارے موضوع کی طرف آتے ہیں، حدیث رسول ﷺ میں، آپ ﷺ نے فرمایا: «**لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الإِيمَانُ وَالحَسَدُ**» ترجمہ: بندے کے دل میں دوچیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں: ایمان اور حسد، اس حدیث سے ہمیں اس بات کا صاف اندازہ ہوجاتا ہے کہ حسد کتنی خطرناک بیماری ہے۔

---

(٣٦٦) سنن ابن ماجہ (٣٥٠٩) ۔

فهرس المحتويات

(١) مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ ٩
(٢) مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ ١٩
(٣) الدِّينُ النَّصِيحةُ ٣٠
(٤) اسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ ٤٣
(٥) أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ ٥٦
(٦) مَنْ يُحرَمِ الرفقَ يُحرَمِ الخيرَ كلَّه ٦٧
(٧) تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُم ٨٠
(٨) وَيُعْجِبُنِي الفَأْلُ الحَسَنُ ٩١
(٩) لاَ يَدْخُلُ الجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ ١٠٧
(١٠) لا إيمانَ لِمَنْ لا أَمانةَ لَهُ ١١٧
(١١) مَن لا يَرحمُ لا يُرحَمُ ١٢٦
(١٢) أَكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ: لا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ ١٣٩
(١٣) نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ ١٥٠
(١٤) أَوَّلُ صَلاحِ هَذِهِ الأُمَّةِ بِاليَقِينِ ١٦١
(١٥) إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ العَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ ١٧٢
(١٦) إِنَّ اللهَ لا يَقْبَلُ مِنَ العَمَلِ إِلاَّ مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ ١٨٤

(١٧) مَنْ صمَتَ نَجا ١٩٨
(١٨) إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرِفْقٍ ٢٠٩
(١٩) أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذمِ اللَّذَّاتِ ٢٢٣
(٢٠) القبرُ أوَّلُ منازلِ الآخِرةِ ٢٣٦
(٢١) لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ بِالقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ ٢٤٩
(٢٢) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَىٰ جَارِهِ ٢٦٢
(٢٣) أَوَّلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ الخُشُوعُ ٢٧٧
(٢٤) مَنْ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ فَأَحْسَنَ الوُضُوءَ ثُمَّ مَشَىٰ إِلَىٰ المَسْجِدِ
فَهُوَ زَائِرُ اللهِ وَ حَقٌّ عَلَىٰ المَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ ٢٨٧
(٢٥) أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلاحُ ذَاتِ البَيْنِ ٢٩٧
(٢٦) إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ ٣٠٨
(٢٧) إِنَّ الكَذِبَ يَهْدِي إِلَىٰ الفُجُورِ ٣٢١
(٢٨) الدُّعَاءُهُوَالعِبَادَةُ ٣٣٤
(٢٩) يَأْتِي عَلَىٰ النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَىٰ دِينِهِ كَالقَابِضِ عَلَىٰ الجَمْرِ ٣٤٦
(٣٠) لايَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الإِيمَانُ وَالحَسَدُ ٣٥٧
فهرس المحتويات ٣٦٩

مفت
تقسیم کی جائے
يوزع مجاناً